بہاراں

چلئے ہو تو چمن کو چلئے ، کہتے ہیں کہ بہار

پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں —

(میر تقی میر علیہ الرحمہ)

اثر لکھنوی

پیارال

65-66

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست غزلیات

مصرع	صفحہ
آئے وہ وقت اب نہیں ناز کا یا حجاب کا	۲
سننے والو نہ سمجھو شور سلاسل میرا	۴
ساقی ابھی نہ کر تو کہ ہم رہ گئے جا	۵
تو بچھڑا جس سے زمانہ بچھڑ گیا	۹
مژۂ دوست کو نمناک کیا	۱۰
پردۂ ساز سے اک نغمۂ عریاں نکلا	۱۰
مجھ پر احسان نہ کرنا بھی ہے احساں کرنا	۱۱
نقاب جب رخ رنگین یار سے اٹھا	۱۲
دیوانہ ہو گیا جسے کچھ امتیاز تھا	۱۴
حسرتِ عرضِ حال نے مارا	۲۰
وردِ زباں رہا ہے ہر لحظہ نام تیرا	۲۲
باہم خلوص تھا آپس میں دوستانہ تھا	۲۵
جس کو جتنا ہوش تھا اتنا ہی غافل ہو گیا	۲۸
غم کو طرب جوش کیا	۲۹
ہر جنبشِ نگاہ چمن ہے جمال کا	۳۰

مصرع	صفحہ
عشق نے مفہوم کو ہستی کے مبہم کردیا	۳۲
عرش کا ٹوٹا ہوا تارا چھلکتا جام تھا	۳۳
کہاں درد دل نے سنبھلنے دیا . .	۳۴
غضب تھا عشق کا لذت کش آزار ہو جانا ..	۳۶
جب لڑیں ساقی سے آنکھیں، دَور میں جام آگیا . .	۳۷
ایک ہی جنبش پرواز میں شہپر ٹوٹا	۳۹
بیخودی نے بے نیاز وصل و ہجراں کردیا	۴۳
یہ غلط شام ہجر صبر کیا	۵۹
اب لاکھ کوئی کچھ کہے اے دل، نہ سمجھنا	۶۰
جناب زاہد عصمت پناہ، کیا کہنا	۶۹
میں اپنے جذب محبت سے شرمسار ہوا	۶۹
"کلیم طورِ بیخودی" لقب ہے، اضطراب کا	۷۲
محبت جس کو کہتے ہیں وہی جوہر ہے ایماں کا . .	۷۴
ترا شباب ترے حسن کا جواب ہوا .. .	۷۷
ہوش کس کو رہا وہ جب آیا؟ .. .	۷۹
عشق میں دل کو پیچ و تاب رہا .. .	۸۱
اک دَور تھا جو ہو چکا، اک دَور ہے جو آئیگا . .	۸۷
یادایام کہ ہنگامۂ مستی ہوتا	۹۹
اُس سے وفا کی آرزو، پاس وفا کو کیا ہوا	۹۹
جب تمھیں دیکھ لیا وقت فراموش ہوا	۱۰۱

مصرع	صفحہ
اٹھ چکا طالب دیدار سے پردا تیرا	۱۰۴
عشرت اہل نظر، ترک تمنا کرنا	۱۰۴
صد شکر کہ اب دل نہیں محکوم تمنا	۱۰۴
چارۂ درد سے حال اور دگرگوں ہوتا	۱۰۶
وقت سودا خوش کہ اک ہنگامہ دم جب ہو گیا	۱۱۸
پردۂ ناموس غم جوش حیا ہو گیا	۱۲۳
دل چھین کے لینے والے، سنے جا، اچھا دیکھا جائے گا	۱۲۴
کوئی دل شاید بنائے عالم ایجاد تھا	۱۲۹
نگہ ساقی کی پھرتے ہی دگرگوں رنگ محفل تھا	۱۳۱
دل کی تپش کا جو رنگ یہی ہے، نالہ برق خرمن ہو گا	۱۳۴
ہر شیشۂ دل، شیشۂ منصور نہ ہو گا۔	۱۳۶
آباد رہنے دے چمن امید و یاس کا	۱۳۷
کوئی جز کم ہو گیا ہے دل کے افسانے سے کیا؟	۱۳۷
کہتے ہیں دھواں جنبش مضراب سے نکلا	۱۴۱
الحذر! اُف الحذر، شعلہ ترے ادراک کا	۱۴۴
وہ دل ہے مطلع خورشید جو گہوارہ تھا شب کا	۱۴۵
دفتر گلزار کا ایک اک ورق زریں ہوا	۱۴۸
میں غریب اک نگہ کی ہوس میں رہا	۱۴۹
اب دیدنی انداز ہے چشمِ نگراں کا	۱۵۲
خبر تھی کسے طور بے طور ہو گا	۱۵۴

صفحہ	مصرع
۱۵۹	لذتوں میں گم ہوا مطلب تری تقریر کا
۱۶۰	نہ گھبراؤ اسیرو پھر چمن میں آشیاں ہوگا
۱۶۱	وہ دن گئے کہ شوق حریف بیاں نہ تھا
۱۶۴	وہ چال جیسے کوئی شرابی، نہ جانے کسپر کرم کریگا
۱۶۵	اب جو نگاہ کی تو گریباں نہیں رہا
۱۶۹	ہزار شکر محبت کا خواب دیکھ لیا
۱۷۱	صبح طرب تھی آشکار، عہد فراق خواب تھا
۱۷۶	سجدہ ہے داغ جبیں، دل جو نمازی نہ ہوا
۱۸۰	یارب نہ مجھ سے صاف ہو دل بدگمان کا
۱۸۵	کمال ہوش ہے ذوق خبر میں بے خبر ہونا
۱۸۸	گم کردہ راہ شوق کو اپنا پتا نہیں ملا
۱۹۰	تجھ سے حذر ہے اے نگہ ناز آشنا
۱۹۵	دل سا رفیق بھی اُسی دشمن سے جا ملا
۱۹۶	لے اڑا غنچۂ گل نیم تبسم تیرا
۱۹۸	شہید طرز گل نو دمیدہ ہونا تھا
۲۰۸	وصال بھی خلش انتظار کھو نہ سکا
۲۰۹	محبت کے بندوں کو انسان جانا
۲۰۹	دل نوا سنج خلشہائے فراواں نہ رہا
۲۱۳	اک شائبۂ خلش کا تمنا میں رہ گیا
۲۱۵	یہ ہونا بھی اسے بے خبر ہے نہ ہونا

صفحہ	مصرع
۲۲۱	جھلک اٹھیں گے بام و در دیکھ لینا
۲۲۷	بقدر ذوق الم پیچ و تاب ہو نہ سکا
۲۳۰	قطرہ کبھی آسودۂ دریا نہ رہے گا
۲۳۱	عاشقی کیا ہوئی مذاق ہوا
۲۳۲	زبانِ تسلیم پر ترانا رہیگا
۲۳۷	شبستانِ محبت میں چراغاں ہوتا
۲۳۹	بقدر حوصلہ اے کاش امتحاں ہوتا
۲۴۸	عشق غیرت سے لب کشا نہ ہوا
۲۵۲	میرے محیط شوق کا ساحل نہیں رہا
۲۶۲	محبت کو مرکز بنانا پڑے گا۔
۲۶۴	ہے چاند رات، ہوگی! کل عید ہے، تو پھر کیا
۲۶۵	جہانِ عشق میں افسانہ بن جا
۲۷۰	مجسم کیف رنگیں بن کے وہ مست شباب آیا
۲۷۵	نظارہ مچل جاتا، آرام یہ ملتا تھا
۲۷۶	خورشید بدامن تھا، جو قطرۂ صہبا تھا
۲۸۰	گل کی آغوش میں اب کچھ نہیں نکہت کے سوا
۲۸۲	تصویر آرزو دل دیوانہ بن گیا
۲۸۴	میں رشک التفات سے دیوانہ ہوگیا
۲۸۴	جوش کھا اور خمستاں ہو جا
۲۸۶	شورش دل کا کچھ سبب نہ کھلا

صفحہ	مصرع
۲۸۹	. حق امر زباں سے فاش نکلا
۲۹۲	تری پائی سن گن توقف کیا
۲۹۴	. سو اضطراب جمع کئے دل بنا دیا
۲۹۶	.. .. .. ہوش بقدر ظرف ہے، ظرف کو آزمائے جا
۳۰۲	.. .. . نامۂ شوق کا قائم کوئی عنواں نہ ہوا
۳۰۷	.. .. دامن افشاں غبار ہے اپنا
۳۲۲	.. .. .. وہ کسی سے وعدہ کرتا، مجھے اعتبار ہوتا
	ردیف "ب"
۳۰	.. .. . صبح خنداں ڈیرے ڈالے ہے گلستاں کے قریب
	ردیف "پ"
۱۲۸	.. .. .. یہ بات چاہتے تھے ہم اپنے خدا سے آپ
	ردیف "ت"
۶۶	.. .. .. ہے نیم تبسم ترا ایسا سے قیامت
	ردیف "ح"
۲۱۰	. .. .. میں تجھے پاؤں، تو پاؤں کس طرح

صفحہ	مصرع
	ردیف دال
۷۳	ہزار لذتیں قرباں جس پر ایسا درد
۱۲۳	دل بھی ہے صید خستہ کے مانند
۳۳۶	دامن اشک ہے شفق آلود
۳۲۰	گل تیشہ ہے اور سر فرہاد
	ردیف "ر"
۳۱	دیکھ کر اے دیدۂ خونابہ افشاں دیکھ کر
۷۶	نشید شعر کو ہے جوش و ولولہ درکار
۸۰	غرور توبہ سے تازہ مصیبت آئی ایماں پر
۸۱	خدارا اب نہ ہنس ظالم مرے حال پریشاں پر
۹۸	شب فرقت لبوں پر رہی جان زار
۱۹۳	سجدے ہیں یا ستارے بکھر کر ہوئے زمیں پر
۲۰۷	ذرا دل دکھانا ، خبردار ہو کر
۲۷۹	صبح وطن ہے شام غریباں ترے بغیر
۲۹۱	ختم کر ، بس ختم کر ، اے جان بسمل ، انتظار
۲۹۳	نرگس مست کو لبریز نہ کر
۲۹۶	ساحل آ جائے تو کترا کے گزر
۳۰۶	کسی نے چشم حیراں باندھ دی ذروں کے روزن پر

صفحہ	مصرع
	ردیف "ز"
۱۵۶	دل نے سیکھے ہیں سب ترے انداز ... ...
	ردیف "س"
۸۶	دل سنبھالے سے سنبھلتا نہیں افسوس، افسوس ... ...
	ردیف "ش"
۱۸۸	آئے درویش اور چلے درویش ... ...
۲۲۳	تبلا تو ہی کیا وعدہ تھا، مجکو جو نہیں ہوش، او وعدہ فراموش ... ...
۲۴۷	قطرہ قطرہ ہے آفتاب فروش ... ...
	ردیف "ط"
۲۲۰	عشق کامل ہے اگر نالۂ جانسوز غلط ... ...
	ردیف "ف"
۱۱۳	کارفرمائی نظر موقوف ... ...
	ردیف "ق"
۲۲۰	اب خموشی بھی ہے گویائی عشق ... ...

مصرع	صفحہ
ردیف "ک"	
بال سے راہِ عشق ہے باریک	۹۲
ہم غمزدوں کی زیست ہے اب ضبطِ نفس تک	۱۰۵
لبوں پہ آ کے رک جائے گی آہنگِ فغاں کب تک	۲۶۹
تھے جو خفا، ہیں وہ خفا آج تک	۳۰۰
ردیف "گ"	
جو ظلمتوں میں ترا ساتھ دے، خدا وہ مانگ ..	۸۳
ردیف "میم"	
اُف دلِ بیقرار کا عالم	۳۶
گردش بدل دیں چرخ کی، چاہیں جہاں سے ہم	۴۸
تسلیٔ دلِ ہنگامہ آشنا معلوم	۸۶
حال ہمارا کچھ سُن لیتے، کچھ حال اپنا سُناتے تم	۱۴۶
ہم سے بھی اب سمجھے جاتے ہیں بڑی مشکل سے ہم	۲۵۹
میرے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے ہو تم	۳۱۵
ردیف "ن"	
یارب میں کس کے دل کی خوں گشتہ آرزو ہوں	۷

مصرع	صفحہ
یہ کہاں کا درد بھرا ہوا تھا دل شکستہ کے ساز میں	٧
رونا ہے جس کو مئ وہ چشم پُر آب ہوں	١٦
افتادگی سے بڑھ کے کوئی رہنما نہیں	١٦
دل چاہتا ہے تم سے بھی تم کو چھپاؤں میں	١٩
شبنم میں ہے گھنگروؤں کی چھن چھن	٢٤
شروعِ عشق کی رنگینیاں بیاں میں نہیں	٣٥
رہ عشق میں کسی کے قدم استوار بھی ہیں ؟	٣٩
بے ہنر آبرو سے اہل ہنر رکھتے ہیں	٤٥
تو جسے یاد ہے کچھ اور اُسے یاد نہیں	٤٦
ایک لغزش میں رہ شوق سے گزرا ہوں میں	٥٥
کوئی ہے بھی مرے پہلو میں کہ تنہا ہوں میں	٥٦
روشن ہے اک چراغ رہ انتظار میں	٥٧
دل خواہ اُسکے حال دل زار ابھی نہیں	٥٨
لطف دیرینہ بہم شیخ و برہمن میں نہیں	٦٠
ہوش میں آئیں جو کہتے ہیں مجھے ہوش نہیں	٦٢
اس میکدے میں شوق کے کیا کیا نہیں ہوں میں	٦٦
شفق میں بجلیاں حل ہیں، نہیں ہے بادہ ساغر میں	٧٣
دیارِ حسن کے آئین دنیا سے نرالے ہیں	٧٥
ہزار جلوۂ نادیدہ دیکھتا ہوں میں	٨٢
نہ پوچھو مجھ سے دل کے حوصلے کیونکر نکلتے ہیں	٨٨

صفحہ	مصرع
۹۳	بسی ہے بوے یوسف پیرہن میں .. ..
۹۵	تیرے ہونے کی اک دلیل ہوں میں .. ..
۹۶	کچھ عجب لطف ہے توکل میں .. .. ..
۹۷	سرور بیستگی نظر پر وہ چھائے جاتے ہیں .. ..
۱۱۱	خوشی ہوتی ہے دل کو، آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں .. .. ..
۱۱۴	ایک تپش بھی دفن ہے ساتھ مرے مزار میں .. .. ..
۱۳۱	بہار لوٹے ہوے ہم خزاں سے آتے ہیں .. ..
۱۵۰	جب سے اُن سے آنکھ لڑی ہے آنکھوں میں اپنی خواب نہیں .. .. ..
۱۵۶	خموشی پر مری بے درد جو چاہے گماں کریں .. ..
۱۶۰	خزاں نہ مجکو سمجھ، حاصل بہار ہوں میں .. ..
۱۸۲	ہجر میں تیرے زار ہوے ہیں .. ..
۱۸۲	جسے تم درد کہتے ہو، اُسے ہم دل سمجھتے ہیں .. ..
۱۹۳	محفل ساقی تنک آشام کی محفل نہیں .. ..
۲۲۳	محفل رچی ہے صاحب محفل کہیں نہیں .. ..
۲۲۴	بالیدہ شاخ گل ہے، مری آستیں نہیں .. ..
۲۲۴	صبح دمیدہ پھول بھرے ہے کنار میں .. ..
۲۲۵	رنگ بھرنا ہے مجھے اِک شوخ کی تصویر میں .. .. ..
۲۴۹	پرسے میں آنسوؤں کے وہ مسکرا رہے ہیں .. ..
۲۵۴	فقط انگڑائیاں ہیں، باغ کہاں .. ..
۲۵۶	مانگی گئیں نہ مجھ سے مانگی ہوئی دعائیں .. ..

صفحہ	مصرع
۲۶۴	تجھے بھی دل نوحہ گر دیکھتے ہیں
۲۶۰	وہ جان آرزو ہو بہشت نظر کہیں
۲۶۸	ملتی نہیں ہے دیر سے اپنی خبر کہیں
۲۷۲	موج سے لینے لگی انگڑائیاں
۲۷۳	لطف ہے ساغر لبریز کے چھلکانے میں
۲۸۰	حیرت عشق اب کدھر جائیں
۲۸۳	ہائے رے پیاری پیاری آنکھیں
۲۸۸	دل ہے پہلو میں، سہارا کم نہیں
۲۹۰	محبت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں
۲۹۳	پروانے کا انداز ہے سب شمع کی لَو میں
۲۹۸	عرض خمیازہ بھی اب شوق سے کچھ دور نہیں
۲۹۹	گلۂ دوست! نہیں، اے دل رنجور، نہیں
۳۰۲	غیرت پاک مشربی، دست ہوس بڑھائے کیوں
۳۰۸	چلا نرگس مست جاناں کا افسوں
۳۱۹	کیا کیا ہماری تھی یا کچھ نہیں ہے جی میں
۳۲۱	محبت کو محبت سے پشیماں دیکھ لیتا ہوں
۳۲۵	کوئی بتا دے تازہ گرفتار کیا کریں

ردیف واو

صفحہ	مصرع
۱۱	تری زلف کیوں ہے شکن شکن، کہ نثار باد صبا نہ ہو

مصرع	صفحہ
فراہم کر رہا ہوں منتشر اجزائے ایماں کو ...	۱۳
ہنس کے ستمگر کہتا گیا ہے، بات ہی کیا ہے، جانے دو! ...	۲۷
چین لینے دے ذرا اے تپش دل مجھکو ...	۴۵
بوئے گل ساتھ لئے پھرتی ہے میخانے کو ...	۴۹
سن بھی لو، بیٹھ کے دم بھر، مرے افسانے کو ...	۵۰
لے لیا خاک نے میری تہ داماں مجھکو ...	۵۴
جیسے آغوش مہ نو میں مہ کامل ہو ...	۸۸
مصر کا تاج مبارک مہ کنعانی کو ...	۸۹
نفی بھی اثبات سے دور جو پرخاش ہو ...	۹۹
کوئی حیلہ پئے تجدید ستم ہو کہ نہ ہو! ...	۱۲۶
یارب دعا میں شائبۂ التجا نہ ہو ...	۱۴۳
ہمنشیں اب ہم یوں ہی ترسا کرینگے خواب کو ...	۱۵۳
یہ خمار عشق ہے ظالم، تماشائی نہ ہو ...	۱۶۴
گل تازہ شگفتہ پر ہوا تیر گماں مجھکو ...	۲۰۶
مل گیا اک دل آسودۂ سودا مجھکو ...	۲۱۵
نیند آنکھوں کی اڑاتے ہو کہہ کہہ کے فسانہ راتوں کو ...	۲۲۵
یہ بلا ہے کبھی نہ چاہ کرے ...	۲۶۳
صبح کا رازداں بنا طالع تیرہ روز کو ...	۲۹۵

صفحہ	مصرع
	ردیف ہائے ہوز
۲۶	نرگسِ مست خواب آلودہ
۹۳	لبریز ہے نغموں سے ساز پر پروانہ
۱۰۸	دل ہے مرے پہلو میں وہ کشور آئینہ
۲۱۷	بن گئی تیری تمنا پردہ
۲۳۴	مذاقِ عشق ہے بیگانگی سے بیگانہ
۲۳۴	درِ قبول کھلا ہے کہ بابِ میخانہ
۲۳۵	ستارے ٹوٹ پڑے چھٹ پڑا جو پیمانہ
۲۵۴	عشق کا اک حسین خواب تو دیکھ
۲۸۹	اللہ اللہ جوشِ نظارہ
۳۰۸	چھپ کے میخواریاں، ارے توبہ!
۳۱۱	ہر گل تھا ایک شعلہ، ہر شعلہ اک زبانہ
۳۱۸	مرے سجدوں کے لئے ہے ترا سنگِ آستانہ
	ردیف "ی"
۱	جس طرف نکل جاؤ، جھڑکیاں ہیں، تہمت ہے
۱	تجکو دیکھا ہی نہیں چشمِ تماشائی نے
۲	ترے ہی فیض سے ہر ذرے میں اک مہرِ تاباں ہے
۳	نسیم ہوش اڑاتی چمن میں آئی ہے

مصرع	صفحہ
ہے عشق جنھیں، دل کا وہ کہنا نہیں کرتے	۴
آگ کا یہ قاعدہ ہے خود ہوا دینے لگے	۵
فریاد سے دل اچٹ گیا ہے۔	۶
اک شمع شبستان محبت میں جلا دی	۶
نیاز عاشقی کو بے نیاز آرزو کر دے	۹
صورت گل کم بہت تھی فرصت شادی مجھے	۱۲
اک موج تھی جو ٹھکرا کر پھر مل گئی دریا سے	۱۵
پست ہمت کے لئے آغوش ساحل چاہیئے	۱۷
نظارہ بھی اک موج صہبا نظر آتا ہے۔	۱۸
رہبری کے واسطے درکار تھے رہزن مجھے	۱۸
اپنے بس کی بات ہے کیا نالہ و فریاد بھی؟	۲۰
لہو سے چشم گل افشاں گل آفریں نہ رہی	۲۱
ضد تھی انھیں اب عید نہ ہو گی	۲۱
ادائیں عذر مانگتی ہیں حیا سے	۲۲
ہزاروں مشکلیں آسان کر دیں ایک مشکل نے	۲۲
تڑپ کر کہکشاں نے گوہر آلودہ جبیں رکھدی	۲۳
کیا جانے ملا کیا، کسی بیکس کو رلا کے	۲۶
آؤ اک سجدہ سر راہگذر ہو جائے۔	۲۹
شباب یار سے ملتی ہوئی بہار آئے	۳۲
پھر دیکھ لے مجھکو اسی انداز سے کوئی	۴۰

مصرع	صفحہ
گونجتا ہے میخانہ ہاے و ہوے مستاں سے	۴۰
جلنے کے لئے شمع ہے پروانہ نہیں ہے۔	۴۱
لاؤں کہاں سے دیدۂ بینا کہیں جسے	۴۲
زرکار ہیں داغ کے حواشی	۴۳
زندگی قوم کی جمعیت اضدادی ہے	۴۴
اک جہان نغمہ آہنگ شکستِ ساز ہے	۴۷
موج بھی آئی نظر لب تشنۂ دریا مجھے	۵۰
مژدہ اے بے اثری آہ میں تاثیر بھی ہے !	۵۱
مہ نونیم کشیدہ تری انگڑائی ہے۔	۵۲
درس ہزار معرفت ایک سکوت شام ہے	۵۳
اک شعلہ بھی وابستۂ دامان حیا ہے۔	۵۴
تھی جنوں کی ہرزہ گردی، حسرت منزل نہ تھی	۵۷
گل ہیں تصویر چھلکتے ہوئے پیمانوں کی	۵۸
محنتِ برباد سے شہرت ہوئی فرہاد کی	۶۱
غازۂ روے صنم خاکستر منصور ہے۔	۶۲
انگڑائی بہانہ ہے، وہ مخمور نہیں ہے۔	۶۴
نظارہ اک نقاب ہے رخ پر لئے ہوئے	۶۵
لو پاس آؤ دیدۂ مشتاق بند ہے	۶۶
دیکھئے، کافر نگاہوں کی شرارت دیکھئے	۶۷
ہر داغ دل سے جلوۂ گل آشکار ہے۔	۶۸

مصرع	صفحہ
صبا اپنا دامن جھٹکتی رہی	۷۰
عدم پر چھوٹ پڑتی ہے شعاعِ زندگانی کی	۸۰
کافر کی سادگی پر کیونکر نہ پیار آئے	۷۱
جو کہا جائے وہ کیا جائے	۷۱
ہجومِ شوق میں کھوئی ہوئی نظر نہ سہی	۷۴
کرشمے کیا کیا دکھائے مجھکو کسی کے اندازِ دلربا نے	۷۸
بچائے میری بلا آشیاں خزاں کے لئے	۷۹
اک نقشِ تحیر ہے خطِ جام نہیں ہے	۸۲
تیری نگاہ سے تجھے دیکھا کرے کوئی	۸۴
اے شوقِ دید اب نہ پھرا دربدر مجھے	۸۵
کوچے تمام عنبرِ گلزار ہو گئے	۸۶
آنکھیں اگر ہوں، باطل بھی حق ہے	۸۷
دردمندوں سے بھلا دل کیا سنبھالے جائیں گے	۸۸
وہ ملا، جو جس نے مانگا، اک نہ تم میرے ہوئے	۸۹
دیکھے عالمِ بیداد تیری	۹۰
ہوش آتا ہے کسی کو غش سے	۹۰
دردِ دل کہیے کسی سے اور نہ درماں چاہیئے	۹۰
ناسزا سنیئے، مرحبا کہیئے	۹۲
من جاؤ روٹھتے نہیں بیکار کے لئے	۹۴
عشق مستی فروش ہے مجھ سے	۹۵

مصرع	صفحہ
اک بگولہ ہے کہ سرگرم تگ و تاز میں ہے . . .	۱۰۰
نالہ ہنگامہ طلب وقت سحر ہوتا ہے . .	۱۰۲
محمود یاد آتا ہے ذکرِ ایاز سے . . .	۱۰۴
یاس کی ایک نظر بھی سوئے قاتل کیسی	۱۰۵
ایک دل وہ بھی صد ریش ہے	۱۰۶
زندگی کا لمحہ اک چھلکتا جام ہے	۱۰۷
ہاتھ وحشت نے نکالے ہیں گریبانوں سے	۱۰۸
دیوانہ ہوا جاتا ہوں آواز سُنا دے	۱۰۹
موج میں جوش ہے اور بحر میں طوفاں ہم سے	۱۱۰
کبتک نگہ شوق کو رسوا نہ کریں گے	۱۱۱
سُن جاؤ دل زار کا کہنا نہ کریں گے	۱۱۲
یہاں منزل کہاں آثار منزل دیکھنے والے	۱۱۳
دور پھرتا ہوں ترے در سے ترے در کے لئے	۱۱۵
منزل کو بھی اک لغزش مستانہ بنا دے	۱۱۶
کثرت نقاب چہرۂ وحدت نہیں رہی	۱۱۷
زندگی اک دن حجاب زندگی ہو جائے گی	۱۱۹
نگاہ پڑنے لگی میکشوں پہ ساغر کی	۱۲۰
سماں وہ یاد ہے؟ عارض پہ جب گیسو بکھر جاتے	۱۲۱
مشام جاں میں مثل غنچہ خوشبو بھینی بھینی ہے	۱۲۱
اے نقش بے ثباتی تو ہی ابد نشاں ہے	۱۲۲

صفحہ	مصرع
۱۲۶	منہ نہ کھلوائیے ان باتوں میں کیا رکھا ہے . . . .
۱۲۷	جو گل ہے وہ خمیازہ کش چین جبیں ہے . . . .
۱۲۹	ہم تہیدستی میں بھی جنس ہنر دیکھا کئے . . . .
۱۳۰	تڑپ رہے ہیں نئے دل میں حوصلے دل کے . . . .
۱۳۴	یہ سوداے منزل فسون جرس ہے . . . .
۱۳۶	جلوہ دکھلا نہ مجھے ہوش کا اندازہ ہے . . . .
۱۳۸	نگاہ مست ترا سلسلہ دراز رہے . . . .
۱۳۹	کمال عشق ہے ناظر اگر منظور ہو جائے . . . .
۱۴۰	بھول کے اس نے اک نگاہ نہ کی . . . .
۱۴۱	وادی شوق سے گذرا ہے غزلخواں کوئی . . . .
۱۴۲	سجدے کو رہگذر تو ہے آپ کا در نہیں سہی . . . .
۱۴۵	جو اپنی فکر میں گذرے وہ زندگی کیا ہے . . . .
۱۴۶	ملاتے نہیں کس لئے آنکھ ہم سے . . . .
۱۴۷	دور سے کانوں میں اب اپنی صدا آتی ہے . . . .
۱۴۸	اب اس کے بعد گلہ تھا اگر دعا کرتے . . . .
۱۵۰	جس قدر ظلم کئے تم نے محبت آئی . . . .
۱۵۳	گریہ سرشار اک الجھی ہوئی زنجیر ہے . . . .
۱۵۴	اے عشق تری تشنہ لبی یاد رہے گی . . . .
۱۵۵	اہل دل خاموش جنگ کفر و دیں دیکھا کئے . . . .
۱۵۵	حیات ختم ہے اور ان کی آمد آمد ہے . . . .

صفحہ	مصرع
۱۵۷	دل شوق کشتہ ہے وہ بلا، جسے عین وصل، پیام ہے
۱۵۹	لے چلا باہر حدود بندگی سے دل مجھے
۱۶۱	رندی ماتحت جام کیسی
۱۶۵	کانپتے ہاتھ ہیں فرہاد کے اور تیشہ ہے
۱۶۵	دل سے رخصت ہر اک امید ہوئی
۱۶۷	وہ نالہ ہے ننگ دردمندی جو سر بہ جیب اثر نہیں ہے
۱۷۲	دلنوازی قصۂ پارینہ ہے
۱۷۳	اضطراب ذبح نشتر زن رگ بسمل میں ہے
۱۷۵	زندگی بے نیاز ہستی ہے
۱۷۶	ارمان ہیں تیرے دل ناشاد نرالے
۱۷۸	نالہ اظہار نارسائی ہے
۱۷۸	لٹالٹامیِ جلوہ کہ تشنہ عالم ہے
۱۷۹	دیوانہ تو آخر دیوانہ نکلا نہ قدم ویرانے سے
۱۸۱	حیراں ہے چشم بینا بیکار کفر و دیں سے
۱۸۳	تارا صبح کا یا آشیاں ہے
۱۸۳	یہ طرح آتش معجز بیاں ہے
۱۸۴	بھری نیند ہے مری آنکھوں میں، مگر آنکھیں ڈرتی ہیں خواب سے
۱۸۶	پھر بڑھا ربط اُس بت عیار سے
۱۸۹	دل محو صدائے طرب آہنگ خودی ہے
۱۹۰	دل عشق کی مے سے چھلک رہا ہے۔

صفحہ	مصرع
۱۹۱	وسعتِ مشرب بقدرِ ہمت مینوشش ہے
۱۹۱	سوچتے رہتے ہو یہ کیا، بیٹھے
۱۹۲	ہر ادا سے حسن ہے حسنِ ادا! میرے لئے
۱۹۲	اک نورِ گرم جلوۂ جبینِ سحر میں ہے
۱۹۴	آہ وہ پہلے پہل کی پرفشانی کے مزے
۱۹۶	زباں سے دمِ عرض لکنت : نکلی
۱۹۷	وہ موجود بالذات موجود ہے
۱۹۸	جیسے کوئی روٹھا ہے اور تم کو منانا ہے
۲۰۰	ہر سانس میں نغمہ ہے ہر نغمہ ترانہ ہے
۲۰۱	آج اُن کے تصور کو پھولوں میں بسانا ہے
۲۰۳	حقیقت ہے یہ مستی کی کہ دل بیدار ہو جائے
۲۰۴	عشق کافرکیش کو کیونکر مسلماں کیجئے
۲۰۵	بیٹھے رہو نگہ کے مقابل قرار سے
۲۱۳	کوئی تھوڑی سی تاثیر لا دے کہیں سے
۲۱۳	اب محبت کر، محبت آزمانے کے لئے۔
۲۱۴	آنکھ اُٹھ گئی جدھر بس اُدھر دیکھتے رہے۔
۲۱۶	کعبہ یہی دل ہے یہی دیر ہے
۲۱۶	عشق و آزار میں تقابل کبھی
۲۱۸	گرتی پڑتی اب آہ جاتی ہے
۲۱۸	کوئی ہو جلوہ نما بے نقاب، مشکل ہے۔

صفحہ	مصرع
۲۱۹	. . . شگوفے کھلے ، ساقیا پھول نکلے
۲۱۹	. . . سچ ہے محبت زہر نہیں ہے .
۲۲۱	. . گنگنا کے ہر کلی نغمہ سرا ہو جائے گی
۲۲۸	. . . اشک پردہ دری کا ضامن ہے
۲۲۸	.. .. .. وہ جانِ جہاں کہاں نہیں ہے
۲۳۳	.. .. .. رخصت ہوئی بہار ، گریباں لئے ہوئے
۲۳۸	.. .. .. بیخودی راہ پر نہیں آتی
۲۴۰	. . . گلابی صبح تھی اور شام ارغوانی تھی
۲۴۱	.. .. کسی کے بس میں کسی کا ہو دل خدا نہ کرے
۲۴۲	. .. نگاہ دل کی ہے بھیدی ، کہیں دغا نہ کرے
۲۴۳	.. .. خوشی ہے اسکی جو وہ دلبر یگانہ کرے .
۲۴۶	.. .. .. نگہ دل میں رہ کر جگر ڈھونڈتی ہے
۲۴۶	.. .. .. بفیضِ عشق و بیدلی قدم اب استوار ہے
۲۴۹	.. .. .. معانی دور بھرتے ہیں بیاں سے
۲۵۱	.. .. .. رشکِ الفت کی جان ہے پیارے
۲۵۵	.. .. .. حیلۂ جور چلا جاتا ہے
۲۵۷	.. .. .. شبنم جلوہ کی تراوش ہے
۲۵۷	.. .. .. سجدہ غلط اگر نہ تجلی نکھر گئی
۲۵۸	.. .. .. مشہد اہلِ وفا اور گلستاں نہ بنے ؟ !
۲۶۱	.. .. .. دل سرشار ملا عشق کے میخانے سے

صفحہ	مصرع
۲۶۶	بسی ہے گل تر میں نکہت کسی کی
۲۷۰	عشق کو اک جذبۂ خود دار ہونا چاہیئے
۲۷۴	تو کیا سچ ہے کہ تم نے بھی سنی ہے داستاں میری ؟
۲۷۷	تیرے نثار اے حسنِ تصور، میری نظر تصویر ہوئی
۲۷۸	حق بات زباں پر لاتے کیوں اللہ کے بندے ڈرتا ہے
۲۷۹	صبح وطن ہے شام غریباں ترے بغیر
۲۸۱	اُن انکھڑیوں کی اُف نیم خوابی
۲۸۵	ساقیا جام! کہ بیداد فلک باقی ہے
۲۸۶	کافر یہ نظر ہے تو حذر ایسی نظر سے
۲۸۷	منزل سے ہے بیگانہ یہاں بانگ درا بھی
۲۹۱	پر لطافت کے تخیل کو لگا دے ساقی
۲۹۵	شوق میں ہر شاخ گل انگڑائی ہے
۳۰۱	زندگی کا زندگی پیغام ہونا چاہیئے۔
۳۰۴	فلک چنگاریاں برسا رہا ہے
۳۰۵	آستیں الٹ دینا صبح عید ساعد ہے
۳۰۵	دنیائے محبت میں باقی ہے نہ فانی ہے
۳۰۹	دیوانے ترے بندش نیرنگ سے نکلے
۳۱۰	عمر درکار ہے اب آپ میں آنے کے لئے
۳۱۲	آغوش انتظار میں آکر چلے گئے
۳۱۳	دل ہے کسی کی یاد کو مہماں کئے ہوئے

مصرع	صفحہ
موج شمیم گل سے ساغر کھنک رہا ہے	۳۱۴
مانتا ہے دل دیدار تقاضا کوئی	۳۱۴
کوئی سمجھے تو آہ کیا سمجھے	۳۱۵
کاش دیوانہ کوئی رہبر منزل ہو جائے	۳۱۶
محرمی امتیاز کیا جانے	۳۱۷
یہاں کے ذرّے ذرے میں حقیقت بال افشاں ہے . . .	۳۱۹
متاع محبت کی یہ قدر، ہے ہے ! . . .	۳۲۱
راز کو جستجو ہے محرم کی . .	۳۲۳
آ! د میکدے تری چشم سیاہ سے	۳۲۴

متفرق اشعار

۳۲۶....سے....۳۴۹....تک....

انتخاب اثرستان

۳۵۲ سے ۴۷۴ تک

غزلیات فارسی = ۴۷۷ سے ۴۷۹ تک



ادر الكـغور



اثر لکھنوی

Popular Press, Delhi

جس طرف نکل جاؤ، جھڑ کہاں ہیں، تم سے ہے　　عشق خانماں ویراں سب تری بدولت ہے

جُرم تو نہیں ایسے، ہو اُمیدِ آمرزش　　بخشدے اگر مجکو، تیری عین رحمت ہے

دلبری، دل آزاری، ناز و عشوہ و غمزہ　　ہر ادا ستمگر کی، قہر ہے، قیامت ہے

تربت آثر پر یہ، رات کوئی کہتا تھا
تم بھی منہ سے بولو کچھ، ہاں ہمیں محبت ہے

تجکو دیکھا ہی نہیں چشم تماشائی نے　　کام دل کا بھی دیا ہے کہیں بینائی نے

بیخود ایسا کیا انداز خود آرائی نے　　لے لیا حُسن کو آغوش میں، انگڑائی نے

ذرّے ذرّے میں ہی خورشید تجلّی کا فروغ　　آئینہ تجکو دکھایا تری یکتائی نے

بے نقاب اب تو نظر آ، کہ بہت دیکھا ہے　　پردے پردے میں تجھے چشم تماشائی نے

اس طرح شور مچاتی ہوئی آئی ہے بہار ، بیڑیاں آپ پہن لیں ترے سودائی نے

شرحِ افسانۂ بیداد محبت معلوم
کام دینے کو دیا قوتِ گویائی نے

ترے ہی فیض سے ہر ذرّے میں اک مہرِ تاباں ہے   خزینہ دارِ صد گلشن خس و خارِ بیاباں ہے
دلِ بسمل خدا کے واسطے دم بھر سنبھلنے دے   ابھی تو دور میرے ہاتھ سے قاتل کا داماں ہے
تصورِ خانۂ ہستی فریبِ وہم ہے یکسر   نہ حسرت کوئی حسرت ہے، نہ ارماں کوئی ارماں ہے
بہم سرگوشیاں ہونے لگیں تیمارداروں میں   تم اپنے گھر سدھارو اب یہاں کچھ اور ساماں ہے
اُسے اے کارسازِ عشق تختِ جاں میں لکھ دے   وہ اک لفظِ وفا جو داستانِ دل کا عنواں ہے
یہی اک قطرۂ خونِ جگر، سرمایۂ مژگاں   ٹپک جائے سرِ دامن تو سازو برگِ طوفاں ہے

بُرا ہو دستِ شل تیرا کہ اب کی موسمِ گل میں
رہا جو چاک ہونے سے اثرؔ کا وہ گریباں ہے

آئیے وقت اب نہیں ناز کا یا حجاب کا   عجز گہِ نیاز میں، دخل ہی اضطراب کا
ضبط کیا تو کیا ہوا، رنگِ شکستہ نے کہا   قصۂ غمِ فراق کا، حال دلِ خراب کا
عشق کی محویت بڑھی، پردے ہزار پڑ گئے   مست کیا خطاب نے، ہوش کسے جواب کا

قطرہ کنارِ بحر میں، محوِ نمود و بود ہے — دیکھیے کیا نتیجہ ہو، سرکشیِ حباب کا

راہِ ثواب اور ہے، مسلکِ عشق اور ہے — خوف وہاں عذاب کا، شوق یہاں عتاب کا

عقل کی بحث چھوڑ اثرؔ، مکتبِ دل میں درس لے
دفترِ روزگار ہے، ایک ورق اس کتاب کا

دلھن بنی ہوئی اب کی چمن میں آئی ہے — بہار ہو کے تری انجمن میں آئی ہے

شمیمِ دوست لیے پیرہن میں آئی ہے — نسیم ہوش اڑاتی چمن میں آئی ہے

ظہورِ عشق حقیقت طراز تھا، ورنہ — یہ دلکشی کہیں دار و رسن میں آئی ہے

بسائی جاتی ہے اُس میں قمیص یوسف کی — ہوا جو مصر سے بیت الحزن میں آئی ہے

وہ بوئے خوں ہو کہ گھٹتا ہے دم، معاذاللہ — بہار وادیِ رنجِ کہن میں آئی ہے

یہ کس کی خاک ہے جو حسرتِ نشیمن میں — صبا کے دوش پہ صحنِ چمن میں آئی ہے

نسیمِ صبح کے جھونکے مہک وہ پھولوں کی — نفس نفس میں نئی روح تن میں آئی ہے

بقدرِ ذوق نہیں جوئے شیر موج افزا — ہوائے تیشہ سرِ کوہکن میں آئی ہے

گمان ہوتا ہے اُف ری کلام کی گرمی
زبانِ شعلہ اثرؔ کے دہن میں آئی ہے

بے عشق جنھیں دل کا وہ کہنا نہیں کرتے　　مر جائیں مگر عرضِ تمنا نہیں کرتے
مقدور اگر کچھ ہو تو کیا کیا نہ کریں ہم　　مقدور نہ ہونے پہ تو کیا کیا نہیں کرتے
اچھا نہیں ہونا کبھی بیمارِ محبّت　　اچھا ہے کہ تم فکرِ مداوا نہیں کرتے
کامل ہے جنھیں ذوقِ پرستاریٔ جاناں　　بے خوں میں نہائے ہوئے سجدا نہیں کرتے
مانا کہ بھی فرمائش مُوئے سے ہیں جسارت　　یوں بھی کسی مشتاق کو رسوا نہیں کرتے

پھر ہوش اثرؔ کشتۂ انداز کو آیا
پھر کہہ دو اُسی ناز سے "تڑپا نہیں کرتے"

ساتھ دے گا کوئی اب کیا سرِ منزل میرا　　مجھ سے بیگانہ ہوا جاتا ہے خود دل میرا
دلِ گم گشتہ کو میں بیٹھ کے دم بھر رو لوں　　چھوڑ دے ساتھ ذرا حسرتِ منزل میرا
میرا ہر نقشِ قدم درس گہِ عبرت ہے　　اس قدر خاک سے ہموار ہوا دل میرا
میں وہاں ہوں کہ جہاں دخل تعقل کا نہیں　　فیصلہ کر نہیں سکتے حق و باطل میرا
شرم آلود نگاہوں نے مجھے مارا ہے　　نام کشتوں میں کسی کے نہ ہو شامل میرا
اور آواز نہ آئے گی کبھی کانوں میں　　سُننے والو! نہ سنو شورِ سلاسل میرا
مجکو طوفانِ حوادث کا نہیں خوف اثرؔ　　ناخدا بحر ہے اور موج ہے ساحل میرا

اپنے بیماروں کو درد لا دوا دینے لگے — آہ کیا دینا تھا تم کو اور کیا دینے لگے
دیکھنا شوخی کہ محو درس خاموشی ہوا — جب مجھے طعنے ستمگر کے مزا دینے لگے
محو دل سے ہو چلے نقش و نگار آرزو — آئینے کو ہم شکستوں سے جلا دینے لگے
غم نہیں، پیشانیاں خالی ہوں مثل ماہِ نو — دُھن یہی ہے سنگ در تیرا ضیا دینے لگے
سوزِ دل ضبطِ نفس سے دب نہیں سکتا کبھی — آگ کا یہ قاعدہ ہے خود ہوا دینے لگے
میرا ذمہ حشر تک اچھے نہ ہوں گے وہ مریض — آپ اپنے ہاتھ سے جن کو دوا دینے لگے
یوں تڑپ اے قلبِ مضطر، یوں نکل اے جانِ زار — خنجرِ قاتل صدا اے مرحبا دینے لگے
یاد ایام کہ ہم تھے لذت اندوزِ ستم — ٹھیس جب دل کو لگی، تم کو دعا دینے لگے

کون آیا فاتحہ پڑھنے اثر کی قبر پر
پھول مرجھائے ہوئے بوئے وفا دینے لگے

اس عمرِ دو روزہ کا سرانجام کیے جا — جو ہو نہیں سکتا ہے وہی کام کیے جا
مانا کہ سکوں باعثِ افزائشِ غم ہے — کچھ مشقِ تپش بھی دلِ ناکام کیے جا
آمادہ نہیں دل مرا توبہ شکنی پر — ساقی ابھی ذکرِ مے گلفام کیے جا
ایفا تری مرضی پہ ہے خاطر سے اثر کی — اک وعدہ نیا ہر سحر و شام کیے جا

فریاد سے دل اُچٹ گیا ہے   مدّت سے یہ ساز بے صدا ہے

کرتا ہے جنوں کی پاسبانی   کیا جانیے دل کو کیا ہوا ہے

خود ناز ہے محوِ بے نیازی   القصّہ عجیب ماجرا ہے

اللہ رے فریبِ دلنوازی   پامالِ صد آرزو وفا ہے

جلووں میں رمیدگی ہی دیکھی   ثابت ہوا دیر آشنا ہے

قسمت کا عبث گلہ ہے ناداں   اپنا ہی یہ سب کیا دھرا ہے

ہر نقشِ قدم ہے رو کشِ دل   بیتابیوں کی کچھ انتہا ہے

ملتے ہی نظر ہمیں تو مارا   سُنتے تھے جراحت آزما ہے

پردے کو اُٹھا دے درمیاں سے   اختر کبھی واسطہ رہا ہے

آمادۂ جستجو اختر تھا

بیگانۂ آرزو ہوا ہے

کیا جانیے کس نے اُسے یہ بات سکھا دی   جب تم کو پکارا ہے، مرے دل نے صدا دی

ہر اشک نے جو پی گئے ہم فرطِ حیا سے   اک شمعِ شبستانِ محبت میں جلا دی

معلوم تو ہو کچھ تری منشا، دلِ مضطر   خاطر سے تری ضبط کی بھی قید اُٹھا دی

اک پھول ہے جس کو نہیں اندیشہ خزاں کا — وہ رُخ جسے آپ نے دامن سے ہوا دی

کچھ سوچ کے اُس نے دلِ پُر شوق اثرؔ کو

پہلے کیا آراستہ پھر آگ لگا دی

قسمت پہ اپنی نازاں اے جانِ آرزو ہوں — جسکے قریب تو ہے میں وہ رگِ گلو ہوں

اپنی ہی جستجو میں آوارہ چار سو ہوں — جو مٹ گیا اُبھر کر، وہ نقشِ آرزو ہوں

تھا جوہرِ مصفّا، خمخانۂ ازل میں — اس خاکداں میں لیکن دُردِ تہِ سبو ہوں

ہر اشک میں ہے پنہاں، اک محشرِ تمنّا — یارب میں کس کے دل کی خونِ گشتہ آرزو ہوں

تو دیکھتا ہے زاہد، آدابِ بادہ نوشی — سب ظرف ہیں اچھوتے اور میں بھی باوضو ہوں

آئینہ ساز! حیرت اُس وقت دیدنی ہے — تو میرے روبرو ہو، میں تیرے روبرو ہوں

اُس شوخ کا یہ کہنا، حیرت فروش ہو کر

کچھ حالِ دل اثرؔ کہہ، مُشتاقِ گفتگو ہوں

جو پیامِ مستیِ ہوش ہے، تری چشمِ عشوہ طراز میں

وہی واسطہ بھی ہے ربط کا، ترے ناز، میرے نیاز میں

۸

یہ اثر تھا کیسا بھرا ہوا، دلِ مضطرب کے گداز میں
کہ جبیں کو ذوقِ سجود ہے، نہ وہ لذّتیں ہیں نیاز میں

ہوے جو شکستہ و منتشر، یہ اُنھیں سے زینتِ دہر ہے
جو ہیں آئنے وہ سجے ہوئے ہیں دُکانِ آئنہ ساز میں

کبھی اس طرح بھی ہو جلوہ گر، کہ گماں ہو تجھ پہ ہے تو بشر
تجھے یوں تو دیکھا ہزار بار، اسی بزم گاہِ مجاز میں

رُخِ زرد نے کبھی کہہ دیا، کبھی بے محل کے سکوت نے
مرا دردِ دل ہوا آشکار، اسی پردہ داری راز میں

یہ وہ عشق خانہ خراب ہے، کہ بڑھا کے شوکتِ خسروی
سرِ غزنوی کو جھکا دیا، رہ سرفرازِ ایاز میں

تری چشمِ مست کو پیش کر کے برات اپنی کروں گا میں
ہوئی احتیاج سند اگر، مجھے مے کشی کے جواز میں

ہے ہر ایک سانس رُکی ہوئی، ہے ہر ایک نبض تھمی ہوئی
یہ کہاں کا درد بھرا ہوا، تھا دلِ شکستہ ساز میں

اثرؔ اس خیال سے باز آ ، وہ ہے صعب منزلِ عاشقی
کہ خضر بھٹکتے ہیں آج تک ، اسی راہ دور و دراز میں

تو پھرا جس سے زمانہ پھر گیا — دل سے اترا اور نظر سے گر گیا
پھر وہی دل ہو، وہی بیتابیاں — پھر مسلماں کافروں میں گھر گیا
وہ نگاہیں بے خطا ثابت ہوئیں — آہ کا الزام میرے سر گیا
تنگ ہونے پر ہے اتنا دل وسیع — ایک نقطے میں یہ عالم گھر گیا
اس کی توبہ کا اثرؔ کیا اعتبار
میکدے جو توبہ کی خاطر گیا

اگر ہے شوقِ کامل ترک اس کی جستجو کر دے — نیازِ عاشقی کو بے نیازِ آرزو کر دے
ترے جلووں کا منشا ، دل کو آئینہ بنا دینا — تمنا دل کی، اک آئینہ تیرے روبرو کر دے
نہیں ممکن اگر دیدار اے دل یہ تو ممکن ہے — کہ روشن رہ گزر میں اک چراغ آرزو کر دے
کبھی تو غور کر غافل مآلِ زندگانی پر — کبھی تو محو دل سے یہ طلسمِ رنگ و بو کر دے
"انا الحق" کفر ٹھہرا اور "انا لیلیٰ" جنوں یعنی — یہ دل چاہے جسے دم بھر میں رسوا کو بکو کر دے
رواں آنکھوں سے جو ہے خون رہے گی اے اثرؔ کب تک — مناسب ہے یہیں پر ختم دل کی گفتگو کر دے

مژۂ دوست کو نمناک کیا تو نے یہ کیا دل صد چاک کیا
عقل کی شمع بجھا کر میں نے روشن آئینۂ ادراک کیا
تیرے انداز تغافل کے نثار نگہِ شوق کو بیباک کیا
کس کی در پردہ شکایت ہے اثرؔ
تم نے کیوں شکوۂ افلاک کیا؟

مژدہ محرومی تدبیر کا ساماں نکلا چارہ گر مجھ سے سوا خستۂ درماں نکلا
یوں ترقی کے مدارج نہ کبھی طے ہوتے جسم کی قید سے کچھ حوصلۂ جاں نکلا
اس طرح چھیڑ دیا مطرب غم نے دل کو پردۂ ساز سے اک شعلۂ عریاں نکلا
خو گر رنج اسیری نہ ہوا، پر نہ ہوا طائر جان قفس تن سے پر افشاں نکلا
یہی دیکھا ہے محبت میں اگر دیکھا ہے خون حسرت کا ہوا جب کوئی ارماں نکلا
جب سے دیکھا ہی تری خوش نظری کا عالم آنکھ جس ذرے پہ ڈالی مہ کنعاں نکلا
میں ہوں وہ حیرتیِ بزم تماشا، کہ اثرؔ
ہر بنِ مو مرا اک دیدۂ حیراں نکلا

تری زلف کیوں ہے شکن شکن، کہ نثارِ بادِ صبا نہ ہو
ترا حُسن کیوں ہے چمن چمن، کہ بہار آ کے فدا نہ ہو

کم و بیش کو ہوا دخل اگر، تو دلیلِ نقص ہے بے خبر
وہی عشق ہے جو نہ بڑھ سکے، وہی درد ہے جو سوا نہ ہو

ترا وعدہ ہے غلط ضرور، اُسے تو نہ وعدہ خلاف کہہ
مری آس توڑ نہ ہمنشیں، اُسے یاد وعدہ رہا نہ ہو

نہیں پنجگانہ نماز اثر، جسے وقت وقت پہ پڑھ لیا
یہ فریضہ عشق کا عمر بھر جو ادا کرو تو ادا نہ ہو

حاصلِ ذوقِ جنوں، چاک گریباں کرنا — حُسن کو عشق کے پیکر میں نمایاں کرنا
کیوں اثر دل کو رہینِ غمِ پنہاں کرنا — اور پھر شکوۂ محرومیٔ درماں کرنا
اللہ اللہ دلِ بیتاب کی ایذا طلبی — زخم کے ساتھ تقاضائے نمکداں کرنا
حسرتِ جلوۂ دیدار بہت ہے مجھ کو — حشر کے بعد بھی اک حشر کا ساماں کرنا
جذب کرلے جو تجلّی کو وہ دل پیدا کر — سہل ہے سینے کو داغوں سے چراغاں کرنا
بے نیازی تری خوبو، مری فطرت ہے نیاز — مجھ پہ احسان نہ کرنا بھی ہے احساں کرنا

ہستی و مرگ بھی اک شوخ ادا ہے اُن کی — جمع ، بکھرانے کو اجزائے پریشاں کرنا
اُف وہ بیدرد اسیرانِ ستم پرچیں کو — آزمائش کے لیے وا درِ زنداں کرنا
اختر افشاں رُخِ زیبا سے فنا ہو جائے — ہاں ذرا اور پشیماں کو پشیماں کرنا

درس اوّل ہے دبستانِ محبت میں اثرؔ
خونِ دل کو رقمِ شوق کا عنواں کرنا

نقاب جب رُخِ رنگینِ یار سے اُٹھا — ہزار حشرِ بہار اک بہار سے اُٹھا
مگر بہار کا گلشن میں دَور دورہ ہے — دھواں قفس میں دلِ داغدار سے اُٹھا
مُرے ندیم کو میرا یقیں نہیں آتا — یہ اعتبار ترے اعتبار سے اُٹھا
ہزار بار یہ دل کھینچ کر مجھے لایا — ہزار بار میں اس رہگزار سے اُٹھا
نگاہِ ناز تری شوخیاں معاذ اللہ — کہ ایک شعلہ دلِ بیقرار سے اُٹھا
کھُلا کہ آپ تھا اپنا ہی انتظار مجھے — کبھی جو پردہ رُخِ انتظار سے اُٹھا

نہ جانے چوٹ یہ کیسی اثرؔ نے کھائی تھی
کہ پھر نہ ہاتھ کبھی قلبِ زار سے اُٹھا

صورتِ گُل کم بہت تھی فرصتِ شادی مجھے — باعثِ جمعیتِ خاطر ہے بربادی :

عشرتِ دنیا ہوئی ہے وجہِ ناشادی مجھے — قیدِ غم سے دیکھیے کیونکر ہو آزادی مجھے
پھر فراہم کر رہا ہوں منتشر اجزائے دل — پھر ہوئی مدِ نظر صحرا کی آبادی مجھے
یہ مراعاتِ جنوں! ایک اک تنکے سے تھا — سونپتا جا اے گلشن اپنی بربادی مجھے
ہر نفس ضبطِ فغاں سے شعلۂ آواز تھا — وہ تجاہل ہے نہ سمجھا پھر بھی فریادی مجھے
اے ہجومِ نامرادی اور دم بھر صبر کر — جمع کرنے ہیں ابھی اسبابِ ناشادی مجھے

آشیاں جب سے نہیں راحت سی راحت ہے اثرؔ
مضطرب رکھتا تھا خوفِ خانہ بربادی مجھے

ہوس ہی سیرِ گلشن کی یہاں تک اہلِ زنداں کو — کلیجے سے لگا رکھا ہر ایک اک داغِ حرماں کو
نہیں مانا اگر دل سے، نہ دو الزام پیکاں کو — جھجک باقی ہے تھوڑی سی پر دم لینے دو مہماں کو
دوبارہ پائے بت پر سجدۂ مستانہ کرنا ہے — فراہم کر رہا ہوں منتشر اجزائے ایماں کو
شبِ غم کی ہے مہمانی تکلف سا تکلف ہے — بچھایا جا رہا ہے خونِ دل میں آہِ سوزاں کو
افق پر سوئے کنعاں کچھ دھواں اٹھتا نظر آیا — کیا آراستہ جب مصر میں یوسف کے زنداں کو
صدائے ناز نے بجلی گرائی خرمنِ دل پر — کوئی تسکین دیتا ہی رہا موسیٔ عمراں کو
غبارِ ناقۂ لیلیٰ، بہارِ دیدۂ مجنوں — مری وحشت لیے پھرتی ہے ساتھ اپنے گلستاں کو

مطابق ظاہر و باطن نہ ہو تو پھر مزا کیا ہے — فگار دل پہ رکھ کے چاک کرتا ہوں گریباں کو

یہ کہتے ہیں "ترے ذوقِ طلب کی آزمائش ہی" — بتوں نے فن بنایا ہے شکستِ عہد و پیماں کو

ہجومِ شوق و تکمیلِ نظارہ، بات ہے کوئی! — پرستارانِ جلوہ بند کر لیں چشمِ حیراں کو

ہزاروں محفلیں ہیں اور لاکھوں زینتیں لیکن — دلِ ویراں پسند آیا بساط آرائے امکاں کو

نظر سوئے زمیں ہی، گوشۂ دامن ہی ہاتھوں میں — معاذ اللہ کوئی کیا کہے ایسے پشیماں کو

اثرؔ دستِ جنوں بھی شل نہیں، پھر بات یہ کیا ہی؟
ادھیڑا جا رہا ہے بخیۂ چاکِ گریباں کو

وہمِ نمود و بود طلسمِ مجاز تھا — دیوانہ ہو گیا، جسے کچھ امتیاز تھا

حیراں ہوں، کیا شکستگیِ دل میں راز تھا — اس آئنے میں جلوہ آئینہ ساز تھا

صورت پذیرِ معنیِ رنگیں نہ ہو سکے — ٹھہرا ہر ایک چیز پہ رنگِ مجاز تھا

اتنا تو ہوش ہے کوئی دامن کشاں گیا — کیونکر کہوں کہ دستِ تمنا دراز تھا

جز تشنگیِ شوق نہ تھا مدعائے شوق — رسوا ہوا جو محوِ سجودِ نیاز تھا

یہ کس کے انتظار میں ساقی تمام رات — آغوش کی طرح درِ میخانہ باز تھا

محسودِ شمعِ قبر ہے جس کی فسردگی — کل تک یہ دل فروغِ شبستانِ ناز تھا

ممکن یہ دلکشی تھی کہاں کائنات میں　　تیرا ہی حسن غازۂ روئے مجاز تھا

صورت کوئی نباہ کی تھی ہی نہیں اثر
وہ بے نیاز اور مجھے دل پہ ناز تھا

مانوس جو ہوں آنکھیں نیرنگ تماشا سے　　اک حشر بہار اُٹھے ہر ذرۂ صحرا سے
ہنگامۂ ہستی کی بس اتنی حقیقت ہے　　اک موج تھی جو اُٹھ کر پھر مل گئی دریا سے
معلوم ہو دیوانو وحشت کسے کہتے ہیں　　گزرو تو کبھی ہو کر چھانے ہوئے صحرا سے
اچھی نہیں خود رائی، سن اے دل سودائی　　درد اور سوا ہوگا، اظہار تمنا سے
دم بھر میں ہے افسانہ، یہ صحبت رندانہ　　حیراں نہ ہو پیمانہ کیوں جوشش مینا سے
اک ہم متبسم تھا، وہ بھی پس صد پردہ　　غش کھا کے گرے موسیٰ جس برق تجلی سے
وہ تیغ بکف آیا، ہم دست بدل اُٹھے　　کیا کیا نہ ہوئے نادم افراط تمنا سے
مجھ تک تری محفل میں جب دور شراب آیا　　تھا داغ بدل ساغر دُرد تہ مینا سے
کچھ نام پر اُن کے بھی مے آج لنڈا ساقی　　اک جام کی حسرت میں جو اُٹھ گئے دنیا سے

یوں شب کو اثر رویا ہر اشک کو دعویٰ تھا
تارا ہوں کہ ٹوٹ آیا جو عقد ثریا سے

بربادیوں میں آپ ہی اپنا جواب ہوں　　بس اے دلِ خراب کہاں تک خراب ہوں
مجھ میں نمودِ بحر کے اسرار ہیں نہاں　　ہرچند بے ثبات مثالِ حباب ہوں
میرے نیازِ عشق کی مجبوریاں نہ پوچھ　　رونا ہے جس کو منع وہ چشم پُر آب ہوں
جاتا ہوں جس طرف لیے جاتا ہے جذبِ دل　　ناآشنائے راہ خطا و صواب ہوں
آتا ہے حرفِ شوق مکرر زبان پر　　وہ بات کہہ کہ سن کے جسے لاجواب ہوں
میری زبان اور ہے میرا بیان اور　　ہے شرح جس کی درد وہ غم کی کتاب ہوں
اس طرح راہِ عشق میں برباد ہو گیا　　مشتِ غبار روکشِ صد آفتاب ہوں

کہتے سنا یہ گل کو سرِ شاخسار آثرؔ
میں خفتگانِ خاک کا عہدِ شباب ہوں

اُف حسن پھر تجھے دلِ درد آشنا نہیں　　تیر! اُس نگہ کا تیر!! برائے خدا نہیں
تکمیل ہی حیات کی ذوقِ فنا نہیں　　منزل سے دور جادۂ منزل نما نہیں
آئینہ نقش بندِ طلسمِ خیال ہے　　دل محوِ بیخودی ہو تو پھر ماسوا نہیں
حیرت سے اب قلم میں بھی اُٹھانا محال ہے　　جو آئنہ بدست نہ ہو نقش پا نہیں
کیوں رو رہا ہے خونِ تمنا پہ زار زار　　غافل یہ کم ہے کشمکشِ مدعا نہیں

درمانِ عاشقی ہے یہی دردِ عاشقی   جب خوگرِ مرض ہوا ہو، مرض لادوا نہیں
تیری رہِ طلب میں باندازِ نقشِ پا   افتادگی سے بڑھ کے کوئی رہنما نہیں
گرداب میں ہے جذبِ کششِ موجِ بحر میں   ساحل کی فکر اب مجھے اے ناخدا نہیں
طے مجھ سے راہِ عشق ہو کس طرح دیکھیے   لے دے کے ایک دل تھا سو وہ بھی رہا نہیں
دم بھر ٹھہر کے پوچھ شبِ غم کا ماجرا   مانوسِ لطف ابھی دلِ درد آشنا نہیں
پیدا اثر بھی ہوگا دعاؤں میں اے اثرؔ
ہمت کی طرح شل ابھی دستِ دعا نہیں

شوقِ بے حد چاہیے اور جذبِ کامل چاہیے   گو بہت پُر پیچ راہِ عشق ہے، دل چاہیے
محرمِ اسرارِ الفت مجھکو اک دل چاہیے   جس میں سب اندازِ لیلیٰ ہوں وہ محمل چاہیے
کیا ہوا پہلو میں ہے اک آئنہ جلوہ فروش   ہو جو خود بزمِ تماشا مجھکو وہ دل چاہیے
پاؤں پھیلائے جہاں وحشت نے پھر منزل کہاں   خام ہے جب تک جنونِ عشق منزل چاہیے
پاسِ خودداری بھی نذرِ بیقراری ہو گیا   ایک اک سے پوچھتا پھرتا ہوں کیا دل چاہیے
ہمکنارِ بحر ہو کر موجِ طوفاں خیز ہو   پست ہمت کے لیے آغوشِ ساحل چاہیے
یوں تو ہے آزادہ رو جو بھی ہے دیوانہ اثرؔ
سلسلے کے واسطے طوق و سلاسل چاہیے

ب حسنِ خود آرا کا جلوا نظر آتا ہے
دعویٰ نظر بازی رُسوا نظر آتا ہے

ہر دل میں فروزاں اک شعلا نظر آتا ہے
پھر چاکِ گریباں سے صحرا نظر آتا ہے

ین مثلِ حباب اپنی ہستی کا ہوں آئینہ
قطرہ مری آنکھوں میں دریا نظر آتا ہے

معیتِ خاطر ہے، تمہید پریشانی
شیرازہ ہر اک گُل کا بکھرا نظر آتا ہے

ہے سیر فقط اتنی اِس گلشنِ ہستی کی
کچھ رنگ سا ہر جانب اُڑتا نظر آتا ہے

وہ اپنے ہی جلووں میں مستور ہوا ایسا
خود حُسن حقیقت کا پردا نظر آتا ہے

موقوف نہیں دل پر اب آنکھ جدھر اُٹھے
اک لفظ وفا خوں سے لکھّا نظر آتا ہے

پھر یاد کوئی آیا، پھر ٹھیس لگی دل کو
پھر دیدۂ خوں بستہ رِستا نظر آتا ہے

اللہ ری کیفیت ساقی تری آنکھوں کی
نظّارہ بھی اک موجِ صہبا نظر آتا ہے

اُس وقت کوئی دیکھے، وہ نیند سے جب اُٹھیں
یہ مجسم سحر آنکھیں ملتا نظر آتا ہے

افسانہ و افسوں ہی جلووں کی فراوانی
وہ جب نظر آتا ہے تنہا نظر آتا ہے

کچھ بھی نہ نظر آئے، یوں محو تماشا ہو
پھر دیکھ اثرؔ تجکو کیا کیا نظر آتا ہے

دل کے بدلے مل چکا ہے پہلے ہی گلخن مجھے
یہ بھڑکتا شعلہ بھی لے وادیِ ایمن مجھے

سرگرانی کا ہے باعث ربطِ جان و تن مجھے — بے دماغی کا تقاضا شور با دمن مجھے
تو گرفتار و نہ پوچھو خود عیاں ہو جائے گا — کن شرائط پر ملی ہے رخصتِ شیون مجھے
صیدگاہِ عشق میں زار و زبوں سمجھا نہیں — بھول جاتا ہے ہمیشہ وہ شکار افگن مجھے
کھوئے دل امید یکسوئی تھی، لیکن سب غلط — اب یہی الجھن ہے کیوں تھی اس قدر الجھن مجھے
اس قدر عصیاں کیے، عصیاں سے نفرت ہو گئی — رہبری کے واسطے درکار تھے رہزن مجھے

کیسے اپنے، کون بیگانے، یہ نوبت ہے اثرؔ
رشک کھلتا ہے مری جانب سے بھی بدظن مجھے

تسکین دل کو اشکِ الم کیا بہاؤں میں — جو آگ خود لگائی ہے کیونکر بجھاؤں میں
شاید حریمِ دوست کی یوں راہ پاؤں میں — تارِ نفس کو جادۂ منزل بناؤں میں
برباد کر چکے وہ، میں برباد ہو چکا — اب کیا رہا ہے؟ روؤں کہ ان کو رلاؤں میں
لا جلد نسیمِ صبح پیامِ وصالِ دوست — کب تک مثالِ شمع رگِ جاں جلاؤں میں؟
اے عشق کیا یہی ہے مکافاتِ آرزو — اپنی ہی خاک ہاتھ سے اپنے اڑاؤں میں
رویا یوں ہی جو ہجر میں شب بھر تو کیا عجب — تارے کی طرح وقتِ سحر ڈوب جاؤں میں
کیا جانے رشک ہے یہ جنوں ہے کہ عشق ہے — دل چاہتا ہے تم سے بھی تم کو چھپاؤں میں

گردش فلک کی چین اگر لینے دے اثرؔ
بلبل کو طرزِ نغمۂ رنگیں سکھاؤں میں

دل نئے ہوں اور نیا ہو عالم ایجاد بھی
ہاں مٹا دو شوق سے تم عشق کی بنیاد بھی

قید بھی ہیں اور ہم ہیں قید سے آزاد بھی
کوئی میعادِ اسیری کا تعین ہی نہیں

جز منزلِ عشق میں ہے راہ کی اُفتاد بھی
صورتِ مقصود ہے اسکے نظر آتی نہیں

امتحاں تھا ضبط کا شور مبارکباد بھی
خندۂ قاتل سنا؟ اے دل، مرے ناشاد دل

اُس نے تو قیدِ محبت سے کیا آزاد بھی
خود مرے ذوقِ اسیری نے مجھے رکھا اسیر

اب قفس سے دور پھرتی ہے چمن کی یاد بھی
ہمنفس عہدِ تمنا کی کشاکش ختم ہے

اپنے بس کی بات ہی کیا نالہ و فریاد بھی؟
میری خاموشی سے اے صیاد آزردہ نہ ہو

درد میں شامل نہ ہو جائے کسی کی یاد بھی
کس طرح تڑپے جسے یہ ڈر لگا ہو ہمنشیں

ورنہ آنکھیں مانگتا ہر کوکبِ شب زاد بھی
آہ کا دستور ہے کہ دردمندوں میں نہیں

معرفت کا درس ہے ربطِ عناصر اے اثرؔ
منفرد جوہر نے یکجا کر دیئے اضداد بھی

حسرتِ عرضِ حال نے مارا　اسی وہم و خیال نے مارا

شوق بڑھتا گیا گناہوں کا ۔ لذتِ انفعال نے مارا
زہد کشتہ جلال کا تیرے عاشقوں کو جمال نے مارا
حسرتیں دل کی پوچھنے والے ۔ تیرے طرزِ سوال نے مارا
کیسے آرام سے وہ سوتے ہیں جنھیں شوقِ وصال نے مارا
حسن، آرام جان و دل تھا اثرؔ
عشق کے اتصال نے مارا

لہو سے چشم گل افشاں گل آفریں نہ رہی چمن طرازی داماں و آستیں نہ رہی
دل ستم زدہ بھی کربلا کا مقتل ہے کبھی بلاؤں سے خالی یہ سرزمیں نہ رہی
ہوائے دامنِ رحمت نے کر دیا یہ خنک
عرق فشاں ندامت مری جبیں نہ رہی

ضد تھی انھیں اب عید نہ ہوگی وعدے کی تجدید نہ ہوگی
آئنہ ساں حیراں رہو گے دید ہوئی وا دید نہ ہوگی
خون کے آنسو جو نہ رُلائے ۔ ایسی کوئی اُمید نہ ہوگی
عرض کیا، ابرام رہے گا عشق کی کیا تائید نہ ہوگی

پھیر کے منہ یہ کہا، کہ اثرؔ

"اچھا پھر کیا عید نہ ہوگی؟"

ادائیں ضد، مانگتی ہیں حیا سے — خدا جانے کیا ہو گئے تم تو کیا سے!
یہ بیزاریاں اور اہلِ وفا سے — ارے ڈر خدا سے! ارے ڈر خدا سے!
بہار آفریں ہے تری خوش خرامی — چمن کھل رہے ہیں ہر اک نقشِ پا سے
ہوئی ایک مدت کہ ہے دشمنی سی، — دعا کو اثر سے اثر کو دعا سے
مجھی پر جفا ہے، مجھی سے گلہ ہے — غرض خوب نبھتی ہے اُس بیوفا سے
اثرؔ تیری غیرت کو کیا ہو گیا ہے
خدا کے سوا مانگتا ہے خدا سے

مجھے منزل سے بیگانہ کیا سودائے منزل نے، — ہزاروں مشکلیں آسان کر دیں ایک مشکل نے
نقابِ رُخ کو اُلٹا اضطرابِ شوق میں دل نے — جمالِ یار دیکھا ذرۂ خورشید منزل نے
نہ جانے زیرِ لب کیا کہدیا بیدردِ قاتل نے — تماشا رقصِ بسمل کا دکھایا خونِ بسمل نے
کوئی بیدل نظر آیا، نہ صاحبدل نظر آیا — کنارہ کر لیا محفل سے آخر میرِ محفل نے
سُخن ناآشنا رکھا کسی کی بزم میں مجکو — کبھی تہذیبِ مجلس نے، کبھی ترتیبِ محفل نے

تمنا ہے قیامت تک یونہی پڑا چلا جائے　　مزے لوٹے ہیں ایسے حسرتِ دیدار کے دل نے
کوئی آسان ہے بحرِ محبت سے گزر جانا ؟　　کیا ہے غرق اکثر اہلِ دل کو بیمِ ساحل نے
کہاں تک لافِ تمکیں تا کجا پندارِ یکتائی　　تکلف برطرف لیلیٰ بنایا تم کو محمل نے

شبِ غم سیلِ گریہ نے جب اک آنسو نہیں چھوڑا
جلایا شمع کے مانند اثرؔ کو آتشِ دل نے

وردِ زباں رہا ہے ہر لحظہ نام تیرا　　رٹتا رہا ہے میں نے ہر صبح و شام تیرا
یوں تو ہر اک شگوفہ ہے اک پیام تیرا　　حسرت یہ ہے کہ سن لوں تجھ سے کلام تیرا
اے دل کے آئینے میں چھپ کر سنورنے والے　　آنکھیں بھی کاش دیکھیں حسن تمام تیرا
ترسی ہوئی نگاہیں کس طرح تجھکو دیکھیں　　مانا رگِ گلو بھی ہے اک مقام تیرا
نام و نشاں سے میں تو بیگانہ ہو چکا تھا　　طغیانِ ناز دیکھو، پوچھا کہ "نام تیرا"

پیشِ نظر اثرؔ ہو کس طرح روئے جاناں
ہے عشق ناکمل، سودا ہے خام تیرا

رہِ صبر و رضا میں اس طرح کس نے جبیں رکھ دی　　کہ بڑھ کر اوج میں کعبے سے مقتل کی زمیں رکھ دی
فلک پر جب کسی محبوب کے نقشِ قدم دیکھے　　تڑپ کر کہکشاں نے گوہر آلودہ جبیں رکھ دی

اگر تجھکو نگاہِ شوق نے اب تک نہیں دیکھا ترى تصویر کس نے دل میں اے پردہ نشیں رکھدی
نظر آیا جو ہر قطرے میں طوفان خونِ حسرت کا دہانِ زخم پر قاتل نے ہنس کر آستیں رکھدی
جہاں پلکوں کے سائے میں ہزاروں فتنے سوتے تھے وہیں فطرت نے چپکے سے نگاہِ شرمگیں رکھدی
سحر ہوتے ہی افسانہ تھی مرگِ بیکسی اپنی یہ کیا تاثیر تجھ میں اے نگاہِ واپسیں رکھدی
نگاہِ ناز تیری شوخیوں سے بدگمانی ہے یہ چنگاری مرے سینے میں تو نے تو نہیں رکھدی

شریعت کس کو کہتے ہیں، نہیں معلوم اخترؔ لیکن
"وہیں اک بن گیا کعبہ جہاں میں نے جبیں رکھدی"

صحرا سے چلے ہیں سوئے گلشن خونیں جگراں، چاک دامن
پیغامِ بہار دے رہی ہے داغوں کی جھلک دلوں کی اُلجھن
دل کھینچ رہی ہے اپنی جانب نرگس کی نگہ، زبانِ سوسن
پھولوں سے لچک رہی ہیں شاخیں خوشبو سے مہک رہا ہے گلشن
رقصاں ہے نسیم برگِ گل پر شبنم میں ہے گھنگھروں کی چھن چھن
غنچوں کے بدن میں سنسنی ہے مستی میں چھوا صبا نے دامن
کیا سیرِ چمن کو تم گئے تھے ؟ ہے بلبل و گل میں آج ان بن

غصے میں بھرا ہے چُپکی سی ہے   یہ اُس سے خفا وہ اس سے بدظن

— —

مانوس قفس ہو اے اسیرو   منزل گہِ برق ہے نشیمن

بہتر نہیں دل سے کوئی رہبر   بڑھ کر نہیں دل سے کوئی رہزن

دلکش نہ ہو کیوں کلام اثرؔ کا

سیکھا ہے یہ اُس نے میرؔ سے فن

باہم خلوص تھا، آپس میں دشمنا نہ تھا   نفاق تھا، نہ کدورت تھی، کیا زمانہ تھا

چمن سے خانۂ صیاد تک ہمارے ساتھ   وہ شاخِ گل بھی گئی جس پہ آشیانہ تھا

زبانِ شمع پر آ آ کے رہ گیا شب کو   یہ کس کے سوزِ تپِ ہجر کا فسانہ تھا

وہ دل کہ آج زیاں زدہ ہے جس کی ویرانی   تصوراتِ جنوں سے نگار خانہ تھا

یہ اتفاق تو دیکھو، بہار جب آئی   ہمارے جوشِ جنوں کا وہی زمانہ تھا

بنائے مسجد تو اس لیے ہوئی واعظ   وہاں سے پھیر کا رستا شراب خانہ تھا

اثرؔ تھا رند سیہ مست و معصیت آلود

مگر کلام کا انداز عارفانہ تھا

نرگسِ مست خواب آلودہ، لبِ لعلیں، شراب آلودہ
دوش پر زلف عنبریں بکھری اور گریباں گلاب آلودہ
پھول ڈوبا ہوا گلاب میں تھا اُف وہ چہرہ حجاب آلودہ
مجکو دیکھا تو دیکھیے قسمت تھی جبیں پیچ و تاب آلودہ
یاد ہے، یاد ہے اثر اب تک
وہ نگاہِ عتاب آلودہ

یوں بھی نہ بھلائے کوئی آئینِ وفا کے کیا جانے بلا کیا کسی بیکس کو رلا کے
سر تھام کے بیٹھے تو جگر تھام کے اُٹھے اِس دل نے اُٹھایا یوہیں سو بار بٹھا کے
عبرت ہی کو رہنے دو یہ ٹوٹی ہوئی قبریں کیوں نقش مٹاتے ہو مزارِ شہدا کے
سب قتل کی حسرت ہی لیے مر گئے آخر بے درد نے دیکھا بھی نہیں آنکھ اُٹھا کے
بے سود ہے آہِ سحری، اے دلِ صد چاک پھولوں کو کوئی گوندھتا ہے، رات لبھا کے؟
اِک منزلِ بے جادہ ہے درپیش مسافر بڑھ سیل کی صورت خس و خاشاک بہا کے
سُنتے تھے اثر کو کہ وہ ہیں عقل کے پتلے
لو آج چلے آتے ہیں، دل مفت گنوا کے!

دل کا ہے رونا، کھیل نہیں ہے، منہ کو کلیجا آنے دو
تھمتے ہی تھمتے اشک تھمینگے، ناصح کو سمجھانے دو

اُٹھ گئیں شرطیں، مٹ گئیں قیدیں، طاقت دل حب طاق ہوئی
ضبط کی آخر حد بھی ہے کوئی، اب تو یہ پردہ اُٹھانے دو

کہتے ہی کہتے حال کھینگے، ایسی تمھیں جلدی کیا ہے
دل تو ٹھکانے ہونے دو، اور آپ میں ہم کو آنے دو

مجکو تڑپتا چھوڑ نہ جائے، ایسی کوئی تدبیر کرو
زخمیٔ تیغ ناز و ادا سے، ہاتھ نہ اُس کو اُٹھانے دو

بزم طرب میں دیکھ کے مجکو، پھیر لیں آنکھیں ساقی نے
میرے لیے تھے زہر ہلاہل، رس کے بھرے پیمانے دو

خود سے گریباں پھٹتے تھے اکثر، چاک ہوا میں اُڑتے تھے
اب وہ جنوں کا جوش نہیں ہے، آئی بہار، تو آنے دو

یادِ دلِ گم گشتہ میں، میں ٹھنڈی سانسیں بھرتا تھا
ہنس کے ستمگر کہتا کیا ہے؟ بات ہی کیا ہے جانے دو!

صورت منزل کیا نظر آئے، ثبت ہیں دل پر نقش خودی
عقل ہے دشمن، نفس ہے رہزن، ٹھوکریں کچھ دن کھانے دو
دل کو آثر کے لوٹ لیا ہے، شوخ نگہ اک کافر نے
کوئی نہ اُس کو رونے سے روکو، آگ لگی ہے بجھانے دو

کارگاہِ عاشقی میں فردِ کامل ہو گیا — جس کو تم نے دیکھ کر دل کہہ دیا، دل ہو گیا
کچھ نہ پوچھو طے ہوئی راہ محبت کس طرح — جس جگہ تھک کر گرے سامان منزل ہو گیا
اِک لطیفہ ہے کہ جس میں لاکھ معنی ہیں نہاں — دل جو اپنی آرزو میں آپ بسمل ہو گیا
اُف تری مستیاں اے جلوہ حسن طراز — جس کو جتنا ہوش تھا اُتنا ہی غافل ہو گیا
یہ بھی کیا موہوم ہے میری اُمیدوں کی طرح — جس قدر نزدیک پہونچا دور ساحل ہو گیا
ایک حرف زیرِ لب نے کر دیا بیخود مجھے — اور وہ سمجھے بہت مغرور سائل ہو گیا
عشق کہتے ہیں جسے وہ بھی ادائے حسن ہے — آپ ہی جلوہ دکھایا، آپ مائل ہو گیا

ایک گردش میں نگاہِ مستِ ساقی کی آثر
کفر ایماں ہو گیا، ایمان باطل ہو گیا

جس نے غم ہوش کیا	غم کو طرب جوش کیا
نیم تبسم نے ترے	داغ کو گلپوش کیا
چرخ نے نالے کو مرے	زیب بناگوش کیا
ڈھونڈنے چلے آنے ہیں اشک	اُس نے فراموش کیا

ذوقِ تغیر نے آثرؔ
بے خبر ہوش کیا

...صورت کوئی لے دیدۂ تر ہوجائے	دل پہ جو گزرے انھیں اُس کی خبر ہوجائے
...دے نکہتِ گل کا نفس سست خرام	چھاؤں تاروں کی رہے اور سفر ہوجائے
...نا عشق کا مرجائے گھٹ گھٹ کے یوہیں	منتیں دل کی فقط اُن کو خبر ہوجائے
...لرزتا ہے مگر پھر بھی اُدھر کھنچتا ہے	کوئی ایسا بھی نہ محکوم نظر ہوجائے
...لہ ہر نقشِ قدم ہے ترا فردوسِ بہار	کاش سوئے دلِ ویراں بھی گزر ہوجائے
...اک حسرتِ برباد کا ماتم کب تک	آج دُنیا ہی اِدھر کی نہ اُدھر ہوجائے
...بر دل، جسے ہو صورت و معنی میں تمیز	حیف وہ ذوق کہ پابند نظر ہوجائے
...لذت ہے بیتاب رہے وہی صورتِ سیل	ہم کو یہ فکر کہ راحت میں بسر ہوجائے!

لذّت درد سے مانوس ہوا ہوں ایسا اک ذرا کم ہو تو سو ٹکڑے جگر ہو جائے

کیا کرے جس کو ہو در پیش سفر ہر لحظہ منزلِ شمع تو یہ ہے کہ سحر ہو جائے

آستاں بوسئ دلدار نہیں قسمت میں آؤ، اک سجدہ سرِ راہ گزر ہو جائے

جو ہے خود دار وہی درخورِ ہستی اثر

قطرے میں تہ جو ہو پیدا تو گہر ہو جائے

اے مستِ ناز ہوش کسے عرضِ حال کا حیرت فروش جلوہ ہے تیرے جمال کا

میرا وجود میری حقیقت کا آئنہ میری نمود؟ ایک کرشمہ خیال کا!

دھڑکا دل اس طرح کہ زباں بند ہو گئی ، مجھکو جہاں خیال ہوا عرضِ حال کا

نظارہ تیرے شوق میں غرقِ نشاط ہے ہر جنبشِ نگاہ چمن ہے جمال کا

اب دل کی آرزو ہے نہ دلبر کی آرزو لذّت شناس ہوں خلشِ بے مآل کا

کیا پوچھتے ہو ہجر میں کیونکر بسر ہوئی منظر بدل گیا تھا نگاہ و خیال کا

دل چاہیے کہ پاک ہے نقشِ غیر سے کیوں شیفتہ ہوا ہے جہانِ مثال کا

مطلب نکالے خاک اشارہ ہے کوئی عالم تمام خواب ہے وہ بھی خیال کا

نظریں اٹھیں اور اٹھ کے جھکیں تمکنت کے ساتھ گویا یہی جواب تھا میرے سوال کا!

اک نغزگو کی بات مرے دل میں کھب گئی
ہو رائگاں، کمال یہی ہے کمال کا
کچھ اور نیک و بد کی حقیقت نہیں آرشؔ
انسان آئنہ ہے خود اپنے خیال کا

اور اک جلوہ ہر اک جلوے میں پنہاں دیکھ کر
بند کر لیتا ہوں آنکھیں روئے جاناں دیکھ کر

اُن کا دامن دیکھ کر، میرا گریباں دیکھ کر
دیکھ کر ہے دیدۂ خونابہ افشاں دیکھ کر

دم زدن میں اس طرح آئی، گئی فصلِ بہار
رہ گیا حسرت سے میں سوئے گریباں دیکھ کر

تیر چلتا تو ہے مجکو دل نشانہ خراب تر
عشق کی راہیں ہیں کٹھنا پاؤں ناداں دیکھ کر

سخت حیرانی کی ندامت نے کیا اُس کو ہلاک
جس نے روئے صبح دیکھا، شامِ ہجراں دیکھ کر

اے فلک شمس و قمر تیرے بھی ہیں گرمِ سفر
خوش نہ ہو پامالئ گورِ غریباں دیکھ کر

وہ غلط انداز نظریں دل کو پھر تڑپا گئیں
مجکو محوِ لذّتِ غمہائے پنہاں دیکھ کر

گُل کی فطرت میں بکھرنا ہے، نکھرنا ہے جہاں
بجھ گیا دل سازو سامانِ گلستاں دیکھ کر

پرتوِ خورشید میں ذرّے تھے وہ سب نور کے
تیری رحمت کو جو دیکھا اپنے عصیاں دیکھ کر

عمر بھر تڑپے، مگر ذوقِ خلش باقی رہے
تو جسے دیکھے نگاہِ فتنہ ساماں دیکھ کر

کوئی ایسا بھی نہ ہو نا آشنائے دردِ دل
ہنس دیا کافر مجھے مایوسِ درماں دیکھ کر

بند ہو کیونکر درِ حیرت سرا آنکھوں پہ اثر
آئنہ دیکھا کسی نے مجکو حیراں دیکھ کر

فریب خوردۂ افسونِ چشمِ یار آئے — کہ فرطِ شوق میں گل سر بسر کنار آئے
چمن چمن یہی شوریدہ سر پکار آئے — شبابِ یار سے ملتی ہوئی بہار آئے
نگاہ کچھ کہے، چتون کچھ اور، ادا کچھ اور — تمہیں بتاؤ کہ اب کس کا اعتبار آئے
وہ تشنہ کام ہوں دیکھوں جو دورِ پیمانہ — بجائے نشہ ہر اک آنکھ میں خمار آئے
مثالِ شعلۂ تصویر سرد تھا دوزخ — گناہگار جو محشر میں شرمسار آئے
بہارِ آئنہ، رنگِ شکستِ آئینہ — کہاں سے روز نیا اک دلِ فگار آئے
یقیں نہ آنے پہ تو دل میں اک تلاطم ہے — جو حیلہ جو ترے وعدے کا اعتبار آئے

ریاضؔ عشق کا اے بلہوس پتا یہ ہے
جہاں لہو میں نہائی ہوئی بہار آئے

حسرتوں کو صرفِ کاوشہائے پیہم کر دیا — پھر دلِ ناشاد نذرِ اشکِ ماتم کر دیا
شوقِ آرائش ہوا حسنِ تماشا دوست کو — عشق نے سامانِ خود بینی فراہم کر دیا
کب شفق آلود تھی اس لطف سے صبحِ چمن — اک تبسم نے ترے کچھ اور عالم کر دیا

دل میں پھر اک موج اٹھی کروٹیں لیتی ہوئی — پھر کوئی افسوں نگاہِ ناز نے دم کر دیا

درد لذت آفریں ہے، غم نشاط آلود ہے — عشق نے مفہوم کو ہستی کے مبہم کر دیا

اب تجھی پر فیصلہ ہے اے دلِ صبر آزما! — شیوۂ تسلیم نے لطفِ خلش کم کر دیا

عشق جب نا آشنائے حرفِ مطلب ہے اثرؔ

کیا ہوا اسرارِ عالم کا جو محرم کر دیا

نور کی محفل تھی، دَورِ بادۂ گلفام تھا — عرش کا ٹوٹا ہوا تارا چھلکتا جام تھا

کچھ وہی سمجھے جنھیں ناکامیوں سے کام تھا — اِک نئے آغاز کی بنیاد ہر انجام تھا

کس کا دیوانہ ہوں، کسکو یاد، مدت ہو گئی — پوچھنے والے تجھی سے ملتا جلتا نام تھا

سرنگوں اِک قطرۂ خونِ جگر، زیبِ مژہ — کسقدر لبریزِ معنیٔ عشق کا پیغام تھا

وصل و ہجراں، درد و درماں، بیخودی، ذوقِ خبر — صورتیں گو مختلف تھیں، ایک ہی انجام تھا

طائرِ جاں، پر شکستہ قیدِ ہستی سے چھٹا — مَوجۂ تارِ نفس اُلجھا ہوا اِک دام تھا

خار خارِ دشتِ وحشت اور میں زار و نزار — ہر قدم پر اک نئی منزل، نیا پیغام تھا

خاک ہو کر خاک کا ہر ذرہ ہے منزل سے دُور — دل کو یوں برباد کرنا آپ ہی کا کام تھا

ہمنشیں کیا جانیے سینے میں دل کو کیا ہوا — ورنہ پہلے جوشِ گریہ باعثِ آرام تھا

آہ اُسنے بے سُنے قاصد کو رخصت کر دیا　　آخری حسرت تھی میری آخری پیغام تھا
چارہ گر میں باز آیا اِس تری تدبیر سے　　صرفِ درماں ہو گیا قسمت میں جو آرام تھا
چشمۂ آبِ بقا تھا موج زن پیشِ نگاہ　　ہونٹ پھر بھی تر نہ کرنا عاشقوں کا کام تھا
نزع کی تکلیف کیسی چین سے سویا اثرؔ
جو ہوا تعلیم آدم کو وہ لب پر نام تھا

کہاں دردِ دل نے سنبھلنے دیا　　تڑپنے کو پہلو بدلنے دیا
کبھی ضبط سے اور کبھی آہ سے　　بہر طور دل کو بہلنے دیا
رہا ایک اُف میں بھی اُسکو دریغ　　جہاں تک جلا مجکو جلنے دیا
پھر اس آہ دل کی نہیں ہے پناہ　　جو شورش کے قالب میں ڈھلنے دیا
وہ آتے ضرور آتے اے دردِ دل　　کہاں وقت ہم کو اجل نے دیا
تجھے کیا کہوں شوق بے دست و پا　　کلیجے سے ناوک نکلنے دیا!
خدا جانے کیسا تھا یہ اضطراب　　کہ دم بھر نہ دل کو سنبھلنے دیا
نہ بہلا کسی طرح جب دل اثرؔ
بہلنے کی خاطر مچلنے دیا

شروعِ عشق کی رنگینیاں بیاں میں نہیں　　وہ شرحِ شوق جھلکتی ہوئی زباں میں نہیں
فقط یہی نہیں، رونق اب اس مکاں میں نہیں　　فروغِ شمعِ حرم دوریِ بتاں میں نہیں
تری تلاش کی دشواریاں، خدا کی پناہ!　　کہ نام نام کو ہے اور نشاں نشاں میں نہیں
نگار خانۂ رضواں بھی ہو تو ویراں ہے　　ترے خیال کا آئینہ جس مکاں میں نہیں
کرم قبول، مگر لذتِ ستم کے لئے　　خطا معاف! مزا عیشِ جاوداں میں نہیں
پھر ایسی تلخ نوائی سے فائدہ اے دل!　　کشودِ کار کی ہمت اگر فغاں میں نہیں
یہ طعن سن کے تو اُٹھے نگاہِ شرم آلود　　کوئی بھی تیر اس اتری ہوئی کماں میں نہیں
جگر کی سمت پلٹ جائیں پارہائے جگر　　کمی لہو کی ابھی چشمِ گلفشاں میں نہیں
مرا معاملہ کیوں حشر پر اُٹھا رکھا　　ہنوز بھی رشک ذرا تم سے بدگماں میں نہیں
ہزار رنگ ہیں، ہر رنگ میں ہے بیرنگی　　ہزار راز ہیں جو وہمِ راز داں میں نہیں
جہاں جہاں تجھے آواز دی، صدا آئی　　ابھی ابھی تھا مگر اب وہ اس مکاں میں نہیں
مجھے بتاؤ یہ سودائے جستجو کیوں ہے؟　　اگر وہ یوسفِ گم گشتہ کارواں میں نہیں

چمن نہیں ہے اثرؔ بزم ہے یہ احسن کی
غزل ہے، دستۂ گل دستِ باغباں میں نہیں

جس نے دیکھا نگار کا عالم پھر نہ دیکھا بہار کا عالم
ہے تصور میں چشمِ ساقی کے مستیِ بے خمار کا عالم
وصل و ہجراں کی ایک حالت ہے ایک ہے انتظار کا عالم
برق پارہ اسیر ہو جیسے اُف ! دلِ بیقرار کا عالم
اثرِ دلفگار سے پوچھو
اُس تغافل شعار کا عالم

خبر کچھ اور دیتا ہے اثر ہشیار ہو جانا مژہ کا گلفروشِ دیدۂ خونبار ہو جانا
ارے توبہ، کسی کا طالبِ دیدار ہو جانا اور اسیرِ قہر، محوِ شوخیِ گفتار ہو جانا
نظر ملتے ہی پلکوں کا جگر کے پار ہو جانا نگہ کے پھرتے پھرتے دل پہ سو وار ہو جانا
انھیں درپیش تالیفِ اداۓ بے نیازی ہے غضب تھا عشق کا لذت کشِ آزار ہو جانا
مبارک سیرِ آئینہ کہ اب یہ شغل ہے پہروں سنورنا، مسکرانا، پھر خفا اِک بار ہو جانا
شعاعِ مہر سے ذرّے اگر چمکے تو کیا چمکے مرے داغوں سے سیکھیں مطلعِ انوار ہو جانا
یہ شرطِ اولیں ہے اعتمادِ دل بڑھانے کو دیارِ عشق میں سر سوا سر بازار ہو جانا
بس اتنی سی خطا پر کیوں سوۓ ساحل نظر اٹھی وہ موجوں کا سمٹ کر بیچ میں دیوار ہو جانا

بلاؤں پر بلائیں ہیں، شکستوں پر شکستیں ہیں — مبارک ہو جنوں کو عشق کا غمخوار ہو جانا

خدا معلوم کس سے نیم باز آنکھوں نے سیکھا ہے — کبھی بیمار کر دینا، کبھی بیمار ہو جانا

نیازِ عشق کامل ہے تو ذوقِ جبہہ سائی کیوں — یہاں سجدے میں جھکنا ہے ذلیل و خوار ہو جانا

کسی کا مسکرا کر جھانک لینا غرفۂ شب سے — وہ دشت و کوہ و صحرا کا تجلی زار ہو جانا

نویدِ وصل جاناں سے نہیں کچھ کم نشاط افزا
سحر کا لے کے انگڑائی اثر بیدار ہو جانا

مژدہ اے دل! تیرے خوں ہونے کا ہنگام آگیا — دورِ آخر کے لئے وہ دور میں جام آگیا

کس لئے تڑپوں قفس میں مجھ کو آرام آگیا — طائرِ گم آشیاں خود تہِ دام آگیا

شوقِ دیدار امتحاں کا تیرے ہنگام آگیا — وہ نقاب الٹے ہوئے کوئی لبِ بام آگیا

تیرہ بختانِ محبت اب سحر کی کیا امید — پیچ میں اُن گیسوؤں کے طرۂ شام آگیا

اِک تصرف یہ بھی ساقی کی نگاہِ مست کا — ہاتھ کانپا، مے نہ چھلکی، تا لبِ جام آگیا

اضطرابِ شوق نے مہلت سمجھنے کی نہ دی — ورنہ ہر جنبش میں دل کی ایک پیغام آگیا

اے نگاہِ نازِ جاناں تیری خاطر کیا کروں — پرورش میں داغ کی سب خونِ دل کام آگیا

اللہ اللہ عیشِ رفتہ، تیرے نشے کا خمار — اشک بھر آئے، مسرت کا جہاں نام آگیا

الاماں خطرے ترے اے وادیِ پُرخارِ عشق! جس جگہ دم لے لیا، غفلت کا الزام آگیا

حد سے جب الجھن بڑھی اور چھاگئیں مایوسیاں دل کے ہر پردے سے شور اٹھا کہ پیغام آگیا

لاکھ نیت کی مگر واعظ اسے کیا کیجئے جب خیالِ توبہ آیا، سامنے جام آگیا

ہائے وہ محوِ تصور جو فریبِ شوق سے حسرتِ پیغام کو سمجھا کہ پیغام آگیا

دل نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہدیا "یادش بخیر" جب زباں پر محویت میں آپ کا نام آگیا

شب کی محفل میں یہاں تک جوشِ مستی تھا اثر
جب لڑیں ساقی سے آنکھیں، دور میں جام آگیا

ڈھونڈتے سب رہ گئے انوارِ عرفاں کے قریب جذبِ دل اُن کو لگا لایا رگِ جاں کے قریب

ایک ہی تحریک میں شل ہوگیا دستِ جنوں ورنہ چاکِ دل بھی تھا، چاکِ گریباں کے قریب

وہ گھڑی بھی آگئی جس کا تمھیں تھا انتظار اُٹھ گئے، بیٹھے تھے جو بیمارِ ہجراں کے قریب

وائے حسرت! دل ہمارا ساتھ اب دیتا نہیں خضرِ منزل چھوٹتا ہے کوئے جاناں کے قریب

جھک گیا سر دیکھ کے رنگینیِ نقشِ قدم رُک گیا دستِ تمنّا، جا کے داماں کے قریب

دل جگر ناکام دونوں ہیں مگر یہ فرق ہے ایک ہے پیکاں سے دور، اک پیکاں کے قریب

ہمنوا اہلِ قفس سے ذکر اس کا کیا ضرور صبحِ خنداں ڈیرے ڈالے ہے گلستاں کے قریب

اشکِ خوں آمیز سے دامن پہ ہے طرفہ بہار — جیسے پھولوں کی دکاں گنجِ شہیداں کے قریب

تابِ انساں کو کہاں دیدار کی اُسکے اثرؔ
پر فرشتوں کے جلیں جسکے شبستاں کے قریب

سلسلہ قطع ہوا رشتۂ گوہر ٹوٹا — تارِ اشکوں کا جہاں سے مژۂ تر ٹوٹا
رخصت اے حسرتِ گلشن کہ قفس سے چھٹ کر — ایک ہی جنبشِ پرواز میں شہپر ٹوٹا
اُنکو الزام اگر دوں تو میں خود مجرم ہوں — اُنکے پیماں کی طرح جب دلِ مضطر ٹوٹا
بات کی اور رگِ جاں کو چھوا بجلی نے — سانس لی اور دلِ زار میں نشتر ٹوٹا

ایسی توبہ سے تو میخوار ہی رہنا تھا اثرؔ
دل پر اک ہاتھ ہے، اک ہاتھ میں ساغر ٹوٹا!

ترے ہجر میں ستمگر وہ اذیتیں سہی ہیں — کہ وہ دل نہ ولولے ہیں نہ وہ شورشیں رہی ہیں
جو کسی نے تجھکو پایا، دل مبتلا نے پایا — تری آرزو ہے سب کو، ترے منتظر سبھی ہیں
نہ اٹھا گلی سے اپنی، کہ غریب ناتواں ہوں — نہ ہو بدگمان اتنا، کبھی حسرتیں کہی ہیں؟
نہ وہ شوقِ خونچکاں ہے نہ وہ کربلا کا مقتل — رہِ عشق میں کسی کے قدم استوار بھی ہیں؟
کسی شوخ کا یہ کہنا اور اثرؔ کا رنگ اُڑنا — جنھیں شاعری کا دعویٰ ہے یہ کہیئے آپ ہی ہیں؟

آگاہ نہیں عشق کے آغاز سے کوئی ۔۔۔ کیا راز ہے واقف نہیں اس راز سے کوئی
تم نے جسے مارا اُسے پھر موت نہ آئی ۔۔۔ مُردوں کو جلایا کرے اعجاز سے کوئی
آواز کے مانندِ رہِ شوق سے گزروں ۔۔۔ آواز سنا دے جو کبھی ناز سے کوئی
یہ کہکے پھر اُسنے نہ سنی میری کہانی ۔۔۔ انجام نکلتا نہیں آغاز سے کوئی
اِک تیرِ قضا ہے کہ خطا ہو نہیں سکتا ۔۔۔ کیا دل کو بچائے نگہ ناز سے کوئی
تو چشمِ تماشا ہے تو ہی بزمِ تماشا ۔۔۔ آگاہ نہیں پھر بھی ترے راز سے کوئی!
افراطِ تحیر سے اگر بند ہوں آنکھیں ۔۔۔ آتا ہے نظر دل کے در باز سے کوئی
دزدیدہ نگہ، لب پہ ہنسی، آنکھوں میں شوخی ۔۔۔ پھر دیکھ لے مجکو اُسی انداز سے کوئی

عرفان میں ڈوبا ہوا، انوار سے معمور
پلٹا ہے اثر جلوہ گہ ناز سے کوئی

داغ یوں بجھے دل کے ضبطِ آہِ سوزاں سے ۔۔۔ رخصتِ بہاراں ہو جس طرح گلستاں سے
اُسنے جب اِدھر دیکھا، ہمنے آنکھ نیچی کی ۔۔۔ دل نہ بچ سکا پھر بھی چشمِ فتنہ ساماں سے
انحصار وحشت ہے وقت پر نہ موسم پر ۔۔۔ چاہیئے ذرا تحریک دشت یا گلستاں سے
تمکو اے چمن والو سیرِ گل مبارک ہو ۔۔۔ ہم کو تو محبت سی ہو گئی ہے زنداں سے

دُھن یہی تھی وحشی کو آپ چاک ہو جائے — دم ہوا خفا کیا کیا تنگیِ گریباں سے
زاہدوں کے مذہب کو دور سے سلام اپنا — کھنچ کے رہیے بچیے، ہاتھ دھو کے ایماں سے
وجد میں صراحی ہے، رقص میں ہے پیمانہ — گونجتا ہے میخانہ ہائے و ہوئے مستاں سے
دل مجھے سنبھالے تھا دل کو میں سنبھالے تھا — ناگہاں ہوا آئی جانبِ گلستاں سے

کوئی تو شفق سمجھا، کوئی گرد رنگ آلود
دورِ آخرِ بہار اتنی گزری اہلِ زنداں سے

کیونکر یہ کہا جائے کہ ویرانہ نہیں ہے — وہ دل جو ترے عشق میں دیوانہ نہیں ہے
ہے بیش دو عالم سے مرے شوق کی وسعت — اس بادۂ سرجوش کا پیمانہ نہیں ہے
زاہد تری مسجد میں ہیں گنتی کے نمازی — کیا اسکی بغل میں کوئی میخانہ نہیں ہے
اِک شعلۂ جوالہ نظر آئے گا ساغر — گردش میں ابھی نرگسِ مستانہ نہیں ہے
جانبازیِ پروانہ میں کچھ شک نہیں لیکن — جلنے کے لئے شمع ہے، پروانہ نہیں ہے
یکساں ہے مجھے کافر و دیندار سے اُلفت — محرم کی نظر میں کوئی بیگانہ نہیں ہے
صورتگریِ شاہدِ معنی نہیں ممکن — کہنے کے لئے عشق کا افسانہ نہیں ہے
سامان تماشا ہے مہیا ترے دل میں — آنکھوں کیلئے جلوۂ جانانہ نہیں ہے

جو رقص کے عالم میں عرش سے گزرے   لب پر ابھی وہ نعرۂ مستانہ نہیں ہے

گو نشئے میں ہے چور اثر بات یہ کیا ہے

آلودہ مئے خنقۂ رندانہ نہیں ہے

لاؤں کہاں سے دیدۂ بینا کہیں جسے ۔ تو بھی تو وہ نہیں ہے کہ تجسا کہیں جسے

ہر چند اب وہ دل ہے نہ طوفاں طرازیاں ۔ قطرے میں گم ہے وسعت دریا کہیں جسے

وہ دیکھنا کسی کا باندازِ دلبری   میرا سکوت، نالۂ رسوا کہیں جسے

وجہِ خودی، وسیلۂ ترکِ خودی بھی ہے   نیرنگ ہست و بود کہ دنیا کہیں جسے

کچھ آج سے نہیں ہوں ہیں ناکام آرزو ۔ دل پر ہے داغ ازل سے سویدا کہیں جسے

بیتابیوں کی نذر ہوئی، انتظار میں ۔ وہ بیخودی، کہ شوق کا پردا کہیں جسے

پہلو میں ایک دل ہے سو ویران اسقدر ۔ اہل نظر بھی دیکھ کے صحرا کہیں جسے

رنگیں اسی سے دامنِ حسنِ دوام ہے   گو نقش بے ثبات ہے، دنیا کہیں جسے

بسمل گہِ نیاز میں وہ بھی گناہ ہے   اک اضطراب، شرحِ تمنا کہیں جسے

چھپتا ہے کب چھپائے سے دردِ نہاں اثر

خاموش اسطرح ہو، تماشا کہیں جسے

دُکھنے لگے پہلوے فراشی — لو ہم تھے سکون کے تلاشی
ہے آہ کو حکم دور باشی — دیکھا ذوقِ جگر خراشی!
اللہ رے ضبط سوز باطن — زرکار ہیں داغ کے حواشی
اِک روز نقاب رخ الٹ دے — کبتک در پردہ برق پاشی

سیکھیں اہلِ ہنر اثر سے
لفظوں میں کمال بت تراشی

آج حسبِ عادت وحشت نے ساماں کردیا — صورتِ گل ایک رنگ جیب و داماں کردیا
اسطرح دیکھا کہ دردِ دل فراواں کردیا — حال یوں پوچھا کہ سب مرنے کا ساماں کردیا
حسرت و ارماں کا شیرازہ پریشاں کردیا — بیخودی نے بے نیازِ وصل و ہجراں کردیا
ہم کو اپنی بیکسی سے جیسے الفت ہوگئی — کام مشکل تھا مگر غیرت نے آساں کردیا
آتشِ دل کم نہ تھی جو لے نگاہِ فتنہ ساز — آستین شعلہ سے پیدا گریباں کردیا
تیری زلفوں نے بکھر کے عارضِ پرنور پر — کفر کو منجملۂ اجزائے ایماں کردیا
آج خزاں اپنی خزاں ہے اور بہار اپنی بہار — دل کو ہم خوں کیا، یعنی گلستاں کردیا
نشۂ توحید ٹپکا دیدۂ خونبار سے — عشقِ کافر کیش نے آخر مسلماں کردیا

جب نگاہِ شوق سے مشکل ہوا پڑا اُٹھیں　　دیکھنا شوخی کہ مجھسے مجھکو پنہاں کردیا
آتشِ غم نے جلایا ہجر میں تیرے، مگر　　اس لطافت سے کہ جسمِ زار کو جاں کردیا
تھا تقاضائے مکرر کا بھلا کس کو دماغ　　اِک نگہ پر جان و دل دونوں کو قرباں کردیا
زلف کی ہو برہمی، یا عشق کی آشفتگی　　تیری رعنائی کا اِک پہلو نمایاں کردیا
دیدۂ حیراں میں تھا کیا خاک، شکووں کے سوا　　اِک تبسم نے ترے گلشن بداماں کردیا
نیند کے متوالے، آ میرے حریمِ دل میں آ!　　شوق نے آراستہ تیرا شبستاں کردیا

کارفرمانے اثر پوچھا تو کیا دو گے جواب
چند سانسیں تھیں اُنھیں بھی صرفِ عصیاں کردیا

وہ اُمنگیں ہیں نہ اب طنطنۂ شادی ہے　　یادِ اسبابِ طرب، ماتمِ بربادی ہے
خستہ و زار رہا تنگ ہے غمِ ہجر میں دل　　غنچۂ گل کے چٹکنے نے بھی ایذا دی ہے
دل کی وہ لاگ نہیں جس سے رہائی ہو جائے　　جب نہیں رنجِ اسیری، غمِ آزادی ہے
قول ہے ایک مدبر کا، سنو! غور کرو!　　زندگی قوم کی جمعیتِ اضدادی ہے
سینۂ سنگ میں بھی چین نہ لے مثلِ شرر　　یہ تمنائے سکوں، دشمنِ آزادی ہے
عرصۂ حشر بھی شورشکدۂ امکاں کی طرح　　میرے ہی دشتِ جنوں خیز کا اِک وادی ہے

حسن تکمیل ہے جذبات محبت کی اثر
کعبۂ عشق کا جو سنگ ہے، بنیادی ہے

تا سحر زیب مژہ لختِ جگر رکھتے ہیں ، کچھ نہ کچھ نالۂ شبگیر اثر رکھتے ہیں
تیر کرتا نہیں جو کام نگاہوں نے کیا ، پوچھئے اُن سے جو پہلو میں جگر رکھتے ہیں
منزلِ عشق کی ہے رسم نئی، راہ نئی ، بے خبر رہتے ہیں جو ذوق خبر رکھتے ہیں
ہم گنہگار کہاں اور کہاں ابر کرم ، آسرا تیرا فقط، دیدۂ تر رکھتے ہیں
اللہ اللہ دمِ سرد یہ تاثیر تری ، داغ، افسردگیٔ شمع سحر رکھتے ہیں
صورتِ قبلہ نما پھرتی ہے منزل بھی اُدھر ، مستیٔ شوق میں ہم پاؤں جدھر رکھتے ہیں
یہ نہ ہوتے تو کبھی قدر نہ ہوتی اُنکی ، بے ہنر آبروئے اہل ہنر رکھتے ہیں

بجلیاں دل پہ گراتا ہے تصور تیرا ، م
کیسے وہ لوگ ہیں جو تاب نظر رکھتے ہیں

مل گیا عشق جنوں ساز کا حاصل مجکو ، ایک آتے ہیں نظر جادہ و منزل مجکو
سانس لینا بھی ہوا عشق میں مشکل مجکو ، چین لینے دے ذرا اے تپشِ دل مجکو
شل نہ ہو پائے طلب، ٹوٹے نہ ہمت اے دل ، "اور دو گام" صدا دیتی ہے منزل مجکو

کیا ستم اے نگہِ تفرقہ پرداز کیا ۔ دل کو میں بھول گیا، بھول گیا دل مجکو
کششِ حُسن جفا کار لئے پھرتی ہے
شوقِ منزل نہ طلبگاریِ منزل مجکو

نہ کہے جاؤ تغافل کوئی بیداد نہیں ۔ اب مرے ہاتھ میں سررشتۂ فریاد نہیں
صفحۂ دل سے مٹے نقش و نگارِ ہستی ۔ اُف تری یاد کہ اب کچھ بھی مجھے یاد نہیں
حیف وہ خاک نہ پہنچی جو ترے دامن تک ۔ حیف وہ دل جو تری راہ میں برباد نہیں
اور عالم میں اسیری ہے نہ آزادی ہے ۔ مبتلا جو نہیں تیرا وہی آزاد نہیں
تو جسے بھول گیا، اُس کو زمانہ بھولا ۔ تو جسے یاد ہے کچھ اور اُسے یاد نہیں
خوگرِ جور ہوے چاہنے والے تیرے ۔ ان پر اب لطف سے بڑھکر کوئی بیداد نہیں
حسرتِ تازہ ہر اک مرگِ تمنا نے دی ۔ اب کوئی چارہ کار اے دلِ ناشاد نہیں
کچھ تو ہے جس نے کہ خاموش کیا ہے ہمدم ۔ ذوقِ غم بے خبرِ لذتِ فریاد نہیں
اپنی ہی حسرتِ دیدار لیے پھرتی ہے ۔ میں کوئی چیز تھا لیکن مجھے اب یاد نہیں
خار خارِ اَلم و بیکسی و تنہائی ۔ ذمے فرہاد کے خون سرِ فرہاد نہیں
مستند یوں تو ہوے اور سخنور بھی اثر ۔ صاحبِ طرز کوئی میر سا اُستاد نہیں

رات ہے، پچھلا پہر ہے، گرم بزمِ ناز ہے　　حُسن خود بینُ خود آرا آئینہ پرداز ہے
اے دلِ پرخوں تجھے کیوں چشم ترسے ساز ہے　　پردہ داری ہو چکی جب راز داں غمّاز ہے
یوں تو جانِ صد تماشا ہر ادائے ناز ہے　　خود نمائی اور پردا یہ عجب انداز ہے
بیخودی بزمِ تمنّا میں فسانہ ساز ہے　　حُسن سرگرمِ تماشا، عشق محوِ ناز ہے
اے نسیم! اے پیکِ گلشن! عازمِ کوئے حبیب　　میری مشتِ خاک کو بھی حسرتِ پرواز ہے
وہ صدائے روح پرور اور وہ صبحِ ازل　　آج تک فطرت تری ہر شئے گوش برآواز ہے
ہر نفس کے ساتھ مرگِ نو کا آتا ہے پیام　　اب ترے بیمار کے جینے کا یہ انداز ہے
گو لبوں تک آہ فرطِ ضعف سے آئی نہیں　　جس جگہ دل تھا وہاں اک شعلۂ آواز ہے
شوقِ ناکام تمنا، دردِ محرومِ تپش　　اُس کا کیا انجام ہوگا، جس کا یہ آغاز ہے
بے گناہی ہے مرے اشکِ ندامت سے خجل　　تجھ پہ رحمت کو، مجھے رحمت پہ تیری ناز ہے
دل حجابِ اسپرِ تعین ہے حجاب اندر حجاب　　ورنہ محرم بھی تو ہی ہے اور تو ہی راز ہے
گوشِ دل سے سُن کسی دن یا مرے کانوں سے سن　　اک جہانِ نغمہ آہنگِ شکست ساز ہے
ہر قدم پر دل پسے آنکھیں بچھیں، فتنے اٹھے　　یہ ستمگر کیا تری رفتار کا انداز ہے
جو کرشمہ ہے، کرشمہ ہے وہ تیرے حسن کا　　جو ادائے ناز ہے تیری ادائے ناز ہے

بزمِ ساقی میں کسی کا راز داں کوئی نہیں
اللہ اللہ! کیا فریبِ نرگسِ غمّاز ہے

اے جرس کیا کیجئے فریاد کی رخصت نہیں
ورنہ میرا دل بھی آزر خانۂ آواز ہے

دل میں رہتی بھی نہیں دل سے نکلتی بھی نہیں
یہ بھی شوخی میں کوئی شوخیِ نگاہِ ناز ہے

ہائے وہ اٹھتے ہوئے آنسو جنھیں پینا پڑا
اُف وہ ٹھنڈی سانس جس کی بیکسی دمساز ہے

ضبطِ نالہ سے نزاکت یہ بہم پہنچی اثرؔ
سانس لینا بھی مزاجِ عشق کو ناساز ہے

کاہیدہ اس قدر ہوئے دردِ نہاں سے ہم
تیرا نشان پاتے ہیں اپنے نشاں سے ہم

اے دل سنبھل سنبھل انھیں لائیں کہاں سے ہم
اے اضطراب دم لے گئے اپنی جاں سے ہم

پوچھا تو اُس نے، کہہ نہ سکے کچھ زباں سے ہم
کیا کیا نہ اُلجھے شوقِ شکستہ بیاں سے ہم

خونِ جگر ودیعتِ مژگاں تھا، دے چلے
واقف ہوئے نہ حاصلِ ضبطِ فغاں سے ہم

اُف پردہ داریاں تری اے جانِ آرزو
بیگانہ آج تک ہیں ترے راز داں سے ہم

تارِ نفس ہے سر بسر اک موجِ اضطراب
ہمدوش ہیں جو شوقِ گسستہ عناں سے ہم

ہر چند آب و گل کے سلاسل میں ہیں اسیر
گزرے ہیں بامِ عرش و فرازِ مکاں سے ہم

مجبوریوں کے ساتھ ہے مقدور اس قدر
گردش بدل دیں چرخ کی چاہیں جہاں سے ہم

بوے گل و نسیم سحر گاہ کی طرح ملتے ہیں جھومتے ہوئے اس آستاں سے ہم
ساحل سے ہمکنار نہ دریا سے آشنا درسِ حیات لیتے ہیں گرداب داں سے ہم
اب بھی جو چاک سینۂ قفس ہے تو اے جنوں آ، مانگ لائیں تھوڑی فضا آسماں سے ہم
آوارگانِ عشق کی منزل نہیں کوئی یہ سُن رہے ہیں کیا جرسِ کارواں سے ہم
وقتِ اخیر عشق کی دنیا بدل گئی کچھ مہرباں سے وہ ہیں تو نامہرباں سے ہم

کنجِ قفس میں دل نہ لگے کس طرح اثر
مانوس ہونے پائے تھے کب آشیاں سے ہم

اُن کو سمجھاتا ہے، آتے ہیں جو سمجھانے کو کون دیوانہ کہے گا ترے دیوانے کو
مژدہ اے بادہ کشو فصلِ بہار آپہونچی بوے گل ساتھ لئے پھرتی ہے میخانے کو
وہ لٹی مئے، وہ اُڑے ہوش، وہ ساغر کھنکے وہ صراحی گری، لیتی ہوئی پیمانے کو
گرمیِ حُسنِ رخِ دوست، الٰہی توبہ، جلوۂ شمع سے انکار ہے پروانے کو
آج پھر قید میں اندازۂ وحشت کیلئے، تیری تصویر دکھائی گئی دیوانے کو
تیرا احساں ہوا اے برق پشیماں کیوں ہے پوچھتا کون تھا اجڑے ہوئے کاشانے کو
خوبیٔ ناز تو دیکھو کہ اُسی نے نہ سُنا، جس نے افسانہ بنا یا مرے افسانے کو

تم کو بیکار اثر فکر ہے آبادی کی
سونپ دو یہ دلِ ویراں کسی ویرانے کو

منع کرتا ہے یہ کہہ کر، مرے تڑپانے کو ۔ سنئے کس دل سے ترے دکھ بھرے افسانے کو
میں سمجھتا تھا کہ اب قدر کرے گا دل کی ۔ اُس نے ٹھکرا دیا ٹوٹے ہوئے پیمانے کو
حشر ہے دور بہت، یاد رہے یا نہ رہے ۔ سن کبھی لو بیٹھ کے دم بھر، مرے افسانے کو
نام کے ساتھ بدلتی ہے کہیں نوعیت ۔ جس کا جی چاہے وہ کعبہ کہے بت خانے کو
جو سنا جس سے سنا، تجھ سے ہی منسوب کیا ۔ دور کی سوجھتی ہے اب ترے دیوانے کو
نذر لے یاس بھرا گھر ہے تمناؤں کا ۔ یادِ بے مہر کی رہنے دے، قسم کھانے کو
آج ہر قطرۂ مے خون کی بو دیتا ہے ۔ دل دھڑکتا ہے اٹھاتے ہوئے پیمانے کو

رشک ہے جانِ وفا شمع پہ جلنا تھا اثر
ایک ہی وقت میں بس ایک ہی پروانے کو

عشق سے حاصل ہوا جب دیدۂ بینا مجھے ۔ زندگی کا ہر ورق سادہ نظر آیا مجھے
کیسی غربت ہے کہ کم قابل ہر اک سمجھا مجھے ۔ اِس طرح پامال کرنا تھا نہ اے دنیا مجھے
شوق نے جب گم کیا، اور رشک نے پایا مجھے ۔ جو نظر آیا ترا جویا نظر آیا مجھے

دل میں ہمت ہو تو ہیں ناکامیاں بھی کام کی   ہر قدم منزل ہے یا رستا نہ ملتا تھا مجھے

دم بخود کیونکر نہوں حیرت سے مانندِ حباب   موج بھی آئی نظر لبِ تشنۂ دریا مجھے

اِک ذرا گردن جھکائی اور دل خالی ہوا   کاش مل جائے خلوصِ سجدۂ مینا مجھے

بے نیازِ وصل و ہجراں، محرمِ اسرارِ عشق   تو نے سب کچھ دیدیا جب دل دیا ایسا مجھے

میری طینت ہے خیالِ آسودۂ حُسنِ عمل   دوش بھولا خواب ہے، افسانہ ہے فردا مجھے

نقش نقشِ سجدہ ہے اک یوسفستانِ جمال   تو نے ذوقِ جبہہ سائی کردیا رسوا مجھے

دل کی دل میں رہ گئی اور دم لبوں پر آگیا   اُس نے دیکھا اور اس انداز سے دیکھا مجھے

غمزہ و ناز و ادا کا اِک حشم ہمراہ تھا   اور کہنے کو ملا بیداد گر تنہا مجھے

تنگ جب ہوتی ہیں دل پر دو جہاں کی وسعتیں   پوچھ جاتا ہے وہ میرا پوچھنے والا مجھے

ساز و برگِ عافیت تم کو مبارک ہو اثرؔ

اور ہی عالم کی ہے تمہید یہ دنیا مجھے

دل میں سو زخم ہیں، ہر زخم میں اک تیر بھی ہے   مژدہ اے بے اثری آہ میں تاثیر بھی ہے!

تھا ادھورا ہی نشیمن کہ گرفتار ہوئے   یاد گلشن ہی نہیں، حسرتِ تعمیر بھی ہے

یوں تو آشفتگیِ دل کے ہیں اسباب بہت   ایک ازانجملہ تری زلفِ گرہگیر بھی ہے

کام تدبیر کا تقدیر سے لینے والے بھول جاتے ہیں کوئی مالکِ تقدیر بھی ہے

بے گنا ہوں کو دمِ ذبح پشیمان کیا پوچھ کر اُس نے "تمھاری کوئی تقصیر بھی ہے"؟

یہی خورشیدِ قیامت کا بھرم کھولے گی حلقۂ داغ میں اک نور کی تحریر بھی ہے

صورتِ موج رہِ شوق سے مستانہ گزر

اور راہوں میں اثر پھیرے، تاخیر بھی ہے

جیسے آئینے میں تصویر اتر آئی ہے مہِ نو نیم کشیدہ تری انگڑائی ہے

وحشتِ دل مجھے عالم وہ دکھا لائی ہے کہ تماشا ہے جہاں اور نہ تماشائی ہے

جو ترا حیرتی اے جلوۂ یکتائی ہے عرصۂ حشر اُسے عالمِ تنہائی ہے

دیکھنے والو کہاں حُسن خود آرا دیکھا حائل جلوہ سراپردۂ بینائی ہے

بحث آرائی الفاظ و معانی کیا خوب آئنہ آپ ہی اپنا تری یکتائی ہے

عشق جس وقت ہوا قیدِ تعیّن سے بری بندگی کفر ہے اور شرک جبیں سائی ہے

چاک سلتے ہیں بہت چاک گریباں سے مرے گل کو بھی یاد تری نیند کی انگڑائی ہے

میری آنکھوں میں بسی ہے تری اک ایک ادا میرے دل میں تری تصویر اُتر آئی ہے

وہ خموشی کہ لرزتی ہے خموشی جس سے تیرے بیمار پہ کیا عالمِ تنہائی ہے

منتظر میں ہی فقط بھولنے والے کا نہیں
ایک ایک نس تنِ لاغر کی اُبھر آئی ہے

اب تو ہر سانس میں آتی ہے صدا شیون کی
آئیے، آئیے، بس ختم شکیبائی ہے

بدگمانی کا سبب شک ہوا ہے ورنہ
عشق بھی حسن کا اِک جلوۂ رعنائی ہے

یاد دلواؤ اسیروں کو نہ بھولی ہوئی بات
ہمصفیرو نہ کہو فصلِ بہار آئی ہے"

چشمِ مخمور کا ہے کس کی تصوّر کہ اثر؟
جام پر جام ہے، انگڑائی پہ انگڑائی ہے!

آنکھیں سپید ہوگئیں رونے سے پھر بھی کام ہے
صبحِ فراق دیدگاں، تیرہ مثالِ شام ہے

تیرا بُرا ہو اضطراب، آہ یہ کیا ستم کیا
منزلِ دوست تھا جو دل، ہو کا وہی مقام ہے

جذبۂ عشق ناتمام، حسن تغافل آشنا
قیدِ حیات میں نشاط، ایک خیالِ خام ہے

تکیہ کلام ہی سہی، رشک سے مر رہا ہوں میں
کیوں کہو بات بات پر "دیکھو بھلا سا نام ہے"

عرش سے لے کے فرش تک اور ازل سے تا ابد
عشق کی ہے چہل پہل، آگے خدا کا نام ہے

آنکھوں سے جوئے خوں رواں، لب پہ فغاں، جگر تپاں
عشق ہے اِک بلائے جاں، زندگی اہتمام ہے

دہر کی کوئی شے نہیں غرقِ نیاز جو نہ ہو
درسِ ہزار معرفت، ایک سکوتِ شام ہے

حیف کرشمۂ خودی، آہ فریبِ آرزو
جس کی مجھے تلاش تھی وہ دلِ تشنہ کام ہے

ایک گدا کے ساتھ تھا خاک نشیں وہ رات کو   جسکی طرف گمان تھا، عرش بریں مقام ہے
شکوۂ جور اسی کا تھا، ہمنے بنائی بات یوں   ذکر تھا اور شخص کا، نام پہ تیرے نام ہے
صحبت شب کی یادگار، عیش گزشتہ کا نشاں   ایک ستارۂ سحر، ایک شکستہ جام ہے

چین بجبیں ہے کس لئے، دشنۂ غمزہ تیز کر
چاک دل اثر اگر مائل التیام ہے

آہ محجوب نہ کر جلوۂ جاناں مجکو   دے تو نظارے کی رخصت دل حیراں مجکو
تیرہ بختی کا یہ عالم کہ الٰہی توبہ   اٹھ گیا دے کے دعائیں مرا مہماں مجکو
شکر ہے گل کی طرح جامہ تہِ جامہ تھا   رخت ہستی نے تو چھوڑا ہی تھا عریاں مجکو

سوزِ دل سے ہی اک شکل مفر کی تھی اثر
لے لیا خاک نے میری تہ داماں مجکو

جس سمت نظر اٹھتی ہے تو جلوہ نما ہے   یہ طرفہ تماشا ترے پردے نے کیا ہے
ہونے دو اگر وا درِ میخانہ ہوا ہے   ساقی کا تصور ہی مئے ہوش ربا ہے
بن بن کے مٹا ہوں کبھی مٹ مٹ کے بنا ہوں   ہستی مری پروردۂ آغوشِ فنا ہے
ہشیار! کہ اٹھنے کو ہیں وہ نیچی نگاہیں   اک شعلہ بھی وابستۂ دامانِ حیا ہے

ہر لحظہ قیامت سی گزر جاتی ہے دل پر   چاہت نہیں آفت ہے، مصیبت ہے، بلا ہے

میں نے تو کہا تھا دلِ برباد تمنا،   الطاف و کرم تازہ جفاؤں کی بنا ہے

یہ ذوق خبر کس لئے، یہ اپنی طلب کیوں؟   کہتے ہیں جسے "میں" کوئی شے مجھ سے جدا ہے

الزام نہ دے، آگئی فریاد جو لب پر   خود مانگے حذر جس سے جفا تیری جفا ہے

جس حال میں ہوں رہنے دے اے واعظ خود بیں   تیرا جو خدا ہے، کوئی میرا بھی خدا ہے

اے نالۂ جانسوز! سلگتا ہے کلیجا   اے آہ بس اب حم، نفس آبلہ پا ہے

نیرنگ محبت کے اثر سب ہیں کرشمے

دل اُس سے جدا اور نہ وہ دل سے جدا ہے

یکسر حُسن ہے تو، عشق سراپا ہوں میں   آئینہ تیرا بت آئینہ سیما ہوں میں

شوق بھی تجکو نہ تھا انجمن آرائی کا   جب سے شیدا ترا اے شاہدِ رعنا ہوں میں

جانتا ہوں کہ ہے پیماں شکنی خو تیری   پھر بھی حسرت کشِ رنگینیِ فردا ہوں میں

اور کیا آنکھوں میں اب نقش سویدا کھنچ جائے   سر بسر تو نگہ جلوہ تقاضا ہوں میں

سجدہ کیونکر کروں تمثال ہے اسکی دل میں   درِ جاناں پہ اسی سوچ میں بیٹھا ہوں میں

چار سو ڈھونڈتی پھرتی ہے مجھے بیخبری   ایک لغزش میں رہِ شوق سے گزرا ہوں میں

پوچھنا یاد ہے آئینہ مقابل رکھ کر
"کیوں اثرؔ! مجھ سے یہ اچھا ہے کہ اچھا ہوں میں"؟

اپنے ہی شوق میں آوارہ و رسوا ہوں میں
جس میں انداز ہیں مجنوں کے وہ لیلیٰ ہوں میں

دلِ حسرت زدہ اہلِ تمنّا ہوں میں
جو چمکتا ہے دھندلکے میں وہ تارا ہوں میں

جسقدر غور کرو اور اُلجھتا ہوں میں
کوئی حل ہی نہیں جس کا وہ معمّا ہوں میں

وہ قدح خوار ہوں اس میکدۂ اُلفت میں
ہوش اڑتے ہیں اگر ہوش میں آتا ہوں میں

آج محکوم تصور ہوئے اُن کے جلوے
بند آنکھیں ہیں مگر محو تماشا ہوں میں

شوق میں سانس رکی، کان بجے، دل دھڑکا
ایک بھی بات جو اس شوخ کی سمجھا ہوں میں

اس طرح خاک اُڑا ذوق طلبگاری میں
ذرّہ ذرہ یہ پکار اُٹھے کہ صحرا ہوں میں

پتلیاں جلنے لگیں اور پلک تر نہ ہوئی
کبھی رویا ہوں تو اِس شان سے رویا ہوں میں

دل جہاں ڈوبتے ہیں، پاؤں پکڑتی ہے زمیں
جستجو میں تری اُس راہ سے گزرا ہوں میں

دیکھ لینے دے ذرا بیخودیٔ شوق مجھے
کوئی ہے بھی مرے پہلو میں کہ تنہا ہوں میں

راس آئی نہ اثرؔ گرمیِ بازار مجھے
آگ دے جس کو خریدار وہ سودا ہوں میں

باقی ہے ایک داغ ابھی قلبِ زار میں — روشن ہے اک چراغ رہِ انتظار میں
اپنا یہ حال ہے چمنِ روزگار میں — جیسے گلِ فسردہ ہو فصلِ بہار میں
بیگانہ ہوں تصورِ فردا و دوش سے — بھولا ہوا ہوں سب کو ترے انتظار میں
کس سے کہوں کہ چارۂ دردِ جگر کرو — رسمِ وفا و مہر نہیں اس دیار میں
جب مے نہیں تو ذکرِ مے لالہ فام ہے — اک نشۂ سرور کی بھی ہے میرے خمار میں
جوشِ جنوں میں چاک گریباں ہوا تو کیا — وحشت بسی ہوئی ہے ابھی تار تار میں

جب دل میں کچھ ہو اور زباں پر ہو اور کچھ
کیونکر نہ آئے فرق اثر اعتبار میں

جب جنونِ عشق میں پابندیِ منزل نہ تھی — ہم پہ آساں جو نہ ہو ایسی کوئی مشکل نہ تھی
اشکِ گلرنگ اک طرف، صد گنجِ گوہر اک طرف — منعموں کے پاس سب کچھ تھا، متاعِ دل نہ تھی
دیکھنا پاسِ ادب، کیا کیا نہ دل تڑپا، مگر — ایک بھی پروازِ بسمل جانبِ قاتل نہ تھی
میں بغل پروردۂ طوفانِ غم ہوں ناخدا — میری ناکامی کبھی منت کشِ ساحل نہ تھی
لوحِ دل سے جب مٹے نقش و نگارِ آرزو — اک طلسمِ وہم تھا، پھر ہستیِ باطل نہ تھی
ہنسنے والے، دل کی بربادی پہ کیا ہنستا ہے تو — برق کی محتاج کب یہ کشتِ بے حاصل نہ تھی

ہر قدم پر منظرِ ہستی بدلتا ہی رہا — تھی جنوں کی ہرزہ گردی ختم منزل نہ تھی

جب نیازِ عشق سے جذبِ نظر کامل ہوا — جلوہ لیلےٰ سے کم گردِ پسِ محمل نہ تھی

خود حریمِ ناز سے باہر نکل آتا کوئی — شانِ استغنا صدا میں تیری اے سائل نہ تھی

خودنمائی میں بھی تھی اک شانِ خودبینی اثرؔ

وہ جہاں تھا جلوہ آرا پھر وہاں محفل نہ تھی

دل خواہ اُسکے حالِ دلِ زار ابھی نہیں — کیوں ورنہ سرگزشت ہماری سُنی نہیں

سجدہ گناہ، حسرتِ عرضِ نیاز جُرم — یہ عاشقی ہے، کھیل نہیں، دل لگی نہیں

پُرسش کا منتظر ہیں، انھیں ضد کہ خود کہے — بات ایسی آ پڑی ہے کہ بس کہنے کی نہیں

مرنا ہزار بار قبول ایسی زیست سے — اک شمع پُرگداز اگر زندگی نہیں

بیدرد میرے نالۂ طاقت رُبا نہ سُن — پہلی سی اِن میں بے اثری اب ہی نہیں

پھر دل پہ ہاتھ رکھو جو تم کو یقیں نہ ہو — خود دیکھ لو تپش میں ذرا بھی کمی نہیں

میرا ہی کیوں کہا نہ ہو، کہتا ہوں صاف اثرؔ

جس شعر میں تڑپ نہ ہو وہ شعر ہی نہیں

دل ہوا خوں نہ تسلّی ہوئی ارمانوں کی — لو سواری چلی رُوٹھے ہوئے مہمانوں کی

کوئی تخصیص ہے اپنوں کی نہ بیگانوں کی　　قابلِ رشک مساوات ہے دیوانوں کی

طاقِ کسریٰ کو بھی شرماتی تھی جنکی رفعت　　بج گئی اینٹ سے اینٹ آج انھیں ایوانوں کی

اے جنوں بات پہنچ جائے جگر یا دل تک　　روز تجدید کہاں تک ہو گریبانوں کی

تاب کہنے کی مجھے اور نہ سننے کی تمھیں　　سرخیاں دیکھ لو بس ہجر کے افسانوں کی

اثرِ بادہ کیا موجِ صبا نے پیدا　　گُل ہیں تصویر چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

نہ ہوئی پر نہ ہوئی گُل کو گریباں سے نجات　　نقل کرنے کو بہت کی ترے دیوانوں کی

یوں فنا ہوتے ہیں کامل ہے جنھیں ذوقِ فنا　　صبح ہوتے نہ رہی خاک بھی پروانوں کی

اب وہ کیوں آئیں گے، آباد رہیں، شاد رہیں　　لے گئے لوٹ کے دنیا مرے ارمانوں کی

باغبانِ چمنستانِ معانی ہوں میں　　سرسری سیر نہیں میرے گلستانوں کی

میرزا صاحبِ قبلہ، اثر زہد مآب

کافرِ عشق ہوئے، سیر ہے بتخانوں کی

بہ غلط شامِ ہجر صبر کیا　　تا بمقدور دل پہ جبر کیا

زلزلہ اُس زمین کو ہے جسے　　منتخب میں نے بہرِ قبر کیا

چارۂ کار ہی اثر نہ رہا　　کوئی اپنی خوشی سے صبر کیا؟

اے جنوں اب وہ ہوائیں تیرے گلشن میں نہیں گُل کے مانند گریباں مرے دامن میں نہیں
دل ہی مرکز ہے تجلّی کا مگر دل تو ہو اس میں وہ جلوے ہیں جو وادیِ ایمن میں نہیں
ذوقِ غم کس لیے منّتِ کشِ تاثیر ہوا اب وہ پہلی سی کشش نالۂ شیون میں نہیں
ابھی ہم رنگِ جنوں فصلِ بہار آئی ہے کچھ سلاسل کے سوا خانۂ گلشن میں نہیں
برق شرمندہ اُدھر، میں ہوں پشیماں ادھر چار تنکوں کے سوا خاکِ نشیمن میں نہیں
پھر سے آراستہ ہو انجمنِ شیفتگی لُطفِ دیرینہ بہم شیخ و برہمن میں نہیں

کیوں نہ دل دادۂ اندازِ غزل ہوں، کہ اثر
کون شیوہ ہے جو اس کافرِ پُرفن میں نہیں

بحرِ سبیلِ فنا عشق کا حاصل نہ سمجھنا اِس بحر کو شرمندۂ ساحل نہ سمجھنا
اِک آگ لگائی ہے تصوّر نے کسی کے اِک شعلہ ہے سرگرمِ تپش، دل نہ سمجھنا
زنجیر کے حلقے نہیں آغوشِ پری ہے دیوانوں کو پابندِ سلاسل نہ سمجھنا
اے خضرِ رہِ شوق، ہے امداد کا ہنگام دشوار ہوا جادے کو منزل نہ سمجھنا
آسان سے آسان ہے، دشوار سے دشوار خوں گشتہ تمناؤں کا حاصل نہ سمجھنا
تڑپانے کی خاطر تھیں تسلّی کی وہ باتیں اب لاکھ کوئی کچھ کہے اے دل نہ سمجھنا

یہ قاتلِ بیدرد نے کیا طرح نکالی — بسمل جسے کرنا اُسے بسمل نہ سمجھنا
کچھ نشۂ تحقیق ہے کچھ بیخودیِ شوق — رندانِ خرابات کو غافل نہ سمجھنا
نظارگیِ شوق کا عنوان ہے کچھ اور — جلووں کو بھی پردا ہیں حائل نہ سمجھنا

اسرارِ حقیقت ہیں اس آشوبِ دوئی میں
ہستی کو اثرؔ ہستیِ باطل نہ سمجھنا

حسرتیں کیا پوچھتے ہو اُس دلِ ناشاد کی — جسکو حسرت رہ گئی جی کھول کے فریاد کی
دل بھر آیا، آہ کی، نالہ کیا، فریاد کی — اپنی حالت دیکھ کر جب اپنی حالت یاد کی
نقشِ ہستی کو مٹا کر نقشِ باطل کی طرح — عشق نے اک راہ تجھ سے ملنے کی ایجاد کی
اب یہ کہتا ہے کہ مجکو شوق پامالی نہیں — ہائے کیا اُس شوخ نے مٹی مری برباد کی
جسقدر کھنچتا ہے تو کھنچتا ہے دل تیری طرف — دیکھئے کبتک رہیگی یہ کشش اضداد کی
عشق میں کیوں حُسن کی رنگینیاں پیدا نہوں — سُرخیاں ہیں دل کے افسانے میں تیری یاد کی
دیکھ کے رنگِ زمانہ راہ پر آتے نہیں — اپنی حالت ہے بعینہ کورِ مادرزاد کی
کیا قفس میں رو دئیں کر کے یادِ دادِ چمن — عمر گزری دیکھتے جن کو نظر صیاد کی
عشق میں ناکام رہنا عشق کی معراج ہے — محنتِ برباد سے شہرت ہوئی فرہاد کی

جس نے مانا شیوۂ معشوق ہے جور و جفا   تو نے او بے درد لذت چھین لی فریاد کی

دیدۂ حق بیں میں وحدت کے سوا کچھ بھی نہیں
ایک ہی ہے، لاکھ کثرت ہو اثر اعداد کی

بزمِ امکاں جلوۂ جانانہ سے معمور ہے   آنکھ ہو تو ہر طرف روشن چراغِ طور ہے
وضع میں داخل نہ ہو جو شیوۂ منصور ہے   اُسکو اُتنا درد دے، جتنا جسے مقدور ہے
"جان دینا سہل ہے، لیکن وفا سے دور ہے"   کہنے والے یہ بھی کہدے تجھکو کیا منظور ہے
قُرب کہتے ہیں جسے دوری ہے، اپنی ذات سے   جسقدر نزدیک ہے اُتنی یہ منزل دور ہے
کُھل گیا رازِ حقیقت کفر کی زینت بڑھی   غازۂ روئے صنم خاکسترِ منصور ہے
ختم کر اک لغزشِ مستانہ میں سیر و سفر   جادۂ عمرِ رواں، خمیازۂ مخمور ہے
دیکھنے والو کہاں دیکھا جمالِ دلفروز   نور سمجھے ہو جسے، وہ بھی غبارِ نور ہے
پوچھتے کیا ہو دلِ حسرت زدہ کا مدعا   جوہرِ آئینہ عرضِ حال سے معذور ہے
کہہ رہا ہے یہ دلِ پُر معصیت کا اضطراب   ظلمتوں کا حد سے بڑھ جانا پیامِ نور ہے
ٹھوکریں کھا کھا کے پہنچا بھی جو میں حرماں نصیب   یہ صدا آئی، پلٹ جا، میکدہ "معمور" ہے
مل گئی ہیں گو مکان و لامکاں کی سرحدیں   جس کا میں جویا ہوں اے ہمت وہ منزل دور ہے

دل یہاں تک حسرتِ دیدار میں رنجور ہے
تن اشکوں پر گلِ نرگس کا دھوکا ہو گیا

جب میں کہتا ہوں، ستمگر کس لئے عذرِ ستم؟
ہنسکے کہتا ہے "آثرؔ کیا کیجئے دستور ہے"!

وہ اُمنگیں نہیں، وہ ولولے، وہ جوش نہیں
درِ میخانہ کھلا ہے، کوئی مینوش نہیں

یہ خرابات مغاں کارگہِ ہوش نہیں
بزمِ رنداں ہے یہاں دخلِ ہوس کوش نہیں

اک تماشا ہوا دیدار کی حسرت نہ ہوئی
دل اگر صورتِ گل بسترِ آغوش نہیں

دمیدانِ عمل ہیں وہی اہلِ ہمت
جن کو اندیشۂ فردا و غمِ دوش نہیں

اک نظر اور تری شانِ کریمی کے نثار
یادِ عصیاں کی ابھی دل سے فراموش نہیں

مشربِ عشق میں ہے بے خبری عین خبر
ہوش میں آئیں جو کہتے ہیں مجھے ہوش نہیں

سانس لیتے ہوئے ڈرتے ہیں محبت والے
ترجمانِ غمِ دل جز لبِ خاموش نہیں

دیکھئے صبح کے تارے کو تسلی کیا ہو
خوب آویزہ ہے لیکن وہ بناگوش نہیں

ہم نے دیکھی ہے حبابوں کی نمائش لبِ جُو
میرے اشکوں کی طرح آبلہ بردوش نہیں

جام خالی کو چھلکتے کبھی دیکھا ہے آثرؔ؟
شعر میں جوش کہاں، دل میں اگر جوش نہیں

اک جرأتِ رندانہ کا مقدور نہیں ہے
کب جام بکف نرگسِ مخمور نہیں ہے

کس بزم میں اُس شوخ کا مذکور نہیں ہے
اٹھ جائے اگر پردہ تو کچھ دور نہیں ہے

مجبور ہمارا دلِ مجبور نہیں ہے
مقدور یہاں تک ہے کہ مقدور نہیں ہے

ہم رندوں میں تقلید کا دستور نہیں ہے
اب کفر انا الحق ہے جو منصور نہیں ہے

میں لاؤں کہاں سے ہوسِ بال فشانی
صیاد رہائی مجھے منظور نہیں ہے

مانا کہ عدم کے بھی ادھر ہے تری منزل
کامل ہے اگر شوق تو کچھ دور نہیں ہے

ہاں نغمۂ نو اے دلِ سرشارِ حقیقت
منظور ہم آہنگیِ منصور نہیں ہے

اب شکوۂ بیداد پہ موقوف ہے بیداد
فریاد کہ ہم میں تو یہ دستور نہیں ہے

غنچوں کو سکھانا ہے ادا جامہ دری کی
انگڑائی بہانہ ہے وہ مخمور نہیں ہے

اسلام کا ناموس ہے، اور کفر کی زینت
وہ شوخ کسی رنگ میں مجبور نہیں ہے

اپنے کیلئے نالۂ رسوا میں اثر ہو
کونین وہ دیں، میں کہوں منظور نہیں ہے

ہشیار آثر دامنِ نظارہ نہ جل جائے
یہ شعلۂ دل برقِ سرِ طور نہیں ہے

طرزِ حجابِ جلوۂ دلبر لیے ہوئے — نظارہ اک نقاب ہے رُخ پر لیے ہوئے

ہر اشک ہے وفورِ الم سے اک آبلہ — ہر آبلہ ہے اک دلِ مضطر لیے ہوئے

تا حدِّ شوق کوئی تمھیں دیکھے کس طرح — رگ رگ میں ہے لئے خون کے نشتر لیے ہوئے

وہ بدگماں ہیں میری خموشی سے اور میں — مرتا ہوں حسرتِ شوقِ مکرر لیے ہوئے

میرا وجود اور ہے، میری نمود اور — پیکر اک اور ہوں نہ پیکر لیے ہوئے

اب تو پلک جھپکنے دے، گزری تمام رات — ہاتھوں میں تجکو اے دلِ مضطر لیے ہوئے

پھر دل میں جوش زن ہوئی اک موجِ اضطراب — تہ میں ہزار فتنۂ محشر لیے ہوئے

پھر دل سے دودِ آہ شکن در شکن اُٹھا — طرزِ شکستِ زلفِ معنبر لیے ہوئے

پھر حسرتوں کی مجلسِ ماتم بپا ہوئی — شورِ نشور حلقے کے اندر لیے ہوئے

جس سمت آنکھ اُٹھ گئی، بیہوش کر دیا — اِک میکدہ ہے چشمِ فسونگر لیے ہوئے

پھر لطفِ معدلت نہ وہ شورِ نشور تھا — نامے سیاہ اُٹھ گئے محشر لیے ہوئے

وہ بات پوچھ لے تو بڑی بات ہے اثرؔ
بیٹھے ہیں آپ شکووں کے دفتر لیے ہوئے

پھر نالوں سے برپا ہوا غوغائے قیامت — پھر دل نظر آنے لگا صحرائے قیامت
پھر عشق کی پرسش ہوئی میدانِ عمل میں — پھر گرم ہے بازارِ تماشائے قیامت
پھر گرمِ خرام اُس بتِ طناز کو دیکھوں — آئے اُسی انداز سے پھر آئے قیامت
کافر ہو جو انکارِ قیامت ہو اثر کو
ہے نیم تبسم ترا ایمائے قیامت

شرمندہ کس لیے دل ایذا پسند ہے — آہوں میں ضبط سے بھی زیادہ گزند ہے
سرگرمِ کار ہیں یہی رندانِ میگسار — زاہد ہے، اعتکاف ہے، واعظ ہے، پند ہے
گو ہم سے وقت شرم و حیا کا نہیں رہا
لو پاس آؤ دیدۂ مشتاق بند ہے

اِس میکدے میں شوق کے کیا کیا نہیں ہوں میں — ساقی نہیں کہ بادہ و مینا نہیں ہوں میں
کچھ اور ہو تغافلِ جاناں الم فزا — اب تک ہلاکِ عرضِ تمنا نہیں ہوں میں
درسِ نیاز لینے لگا مجھ سے اِک جہاں — پھر بھی تری نظر میں سماتا نہیں ہوں میں
اے شاہدِ جمال بجا ہے ترا حجاب — خود اپنے شوق کا ابھی پردا نہیں ہوں میں
اب تک زبانِ خار پہ افسانہ ہے مرا — گو مدتوں سے بادیہ پیما نہیں ہوں میں

اپنی ہی آرزوؤں پہ رشک آگیا مجھے — مرتا ہوں شامِ وعدہ کہ تنہا نہیں ہوں میں
کیوں میری بیکسی پہ تجھے رحم آگیا — کیا یادگارِ عہدِ تمنا نہیں ہوں میں
شاید بدل گیا مے منصور کا مزاج — بدمست جسقدر ہوں بہکتا نہیں ہوں میں
مٹ مٹ کے اور اُبھریں گے نقشِ وفا مرے — کچھ رنگِ بے ثباتیِ دُنیا نہیں ہوں میں

غفلت کا چارہ ساز کی پھر کیا گلہ اثرؔ
جب اپنے دردِ دل کا مداوا نہیں ہوں میں

کس طرح آئے نظر منزل کی صورت دیکھیے — ہر قدم پر جب نئی دنیا ہے حیرت دیکھیے
نام سے کچھ اور ہے رنگِ طبیعت دیکھیے — آئیے اپنے مریضِ غم کی حالت دیکھیے
ہے جوابِ صاف پر تکرارِ حرفِ آرزو — بے نیازیہائے شوقِ بے نہایت دیکھیے!
حسرتِ دیدار پردا بن گئی دیدار کا — شوق کتنا ہی رہا جی بھر کے صورت دیکھیے
اب تو فرطِ ضعف سے آنکھیں بھی کھل سکتی نہیں — راہ کب تک اے دلِ دیدار حسرت دیکھیے
اللہ اللہ اُنکے جلوؤں کی حجاب آرائیاں — گم ہوئی ہنگامۂ کثرت میں وحدت دیکھیے!
اُنکی ناکامی کا اندازہ بہت دشوار ہے — جس کو حسرت رہ گئی انجامِ حسرت دیکھیے
ذرّے ذرّے میں نہاں اِک جلوۂ گلفام ہے — شرط یہ ہے ہو کے سرشارِ محبت دیکھیے

جوہرِ آئینہ کو جنبش ہے مژگاں کی طرح　　دیکھیے، کافر نگاہوں کی شرارت دیکھیے
دیدۂ تر سے ڈھلک کر دامنِ رحمت میں تھا　　لغزشِ مستانۂ اشکِ ندامت دیکھیے

فطرتِ سرکش کو تابع کر لیا اپنا اثر
ایک مشتِ خاک کی پروازِ ہمت دیکھیے

ہر داغِ دل سے جلوۂ گل آشکار ہے　　میری خزاں بھی آئینہ دارِ بہار ہے
مینا و مے پہ بند نہیں کارِ اہلِ ذوق　　اُتنا سرور ہے اُنھیں جتنا خمار ہے
شوخی سے کہہ رہے ہیں وہ اک محوِ شوق سے　　میں جانتا تھا تجھکو مرا انتظار ہے
شاید تری مراد تسلی سے تھی یہی　　کچھ اور بیقرار دلِ بیقرار ہے
ہم محوِ انتظار رہیں گو بسر کنار　　خالی حباب وار ہمیشہ کنار ہے
دشوار ہے کہ ختم ہوں گھڑیاں فراق کی　　خود انتظار کو بھی ترا انتظار ہے
جنبش سے اضطراب عناں گیرِ بیخودی　　اک وہمِ آرزوئے شکیب و قرار ہے
پیشِ نظر ہوا وہی جو کچھ یقیں کیا　　دنیا تمام دامگۂ اعتبار ہے
اک عمر رہ چکا ہے نشیمن وہ روح کا　　جس صید گہ میں طائرِ سدرہ شکار ہے
پھر کوئی خوش خرام اِدھر سے گزر گیا　　پھر بوسہ گاہِ گُل مری خاکِ مزار ہے

جلوے ہزار، تاب نظارہ کسے اثر
سُنتے رہو کہ حسرتِ دیدارِ یار ہے

نہیں ہے جادہ و منزل سے راہ، کیا کہنا — طریقِ اہلِ خرابات، واہ کیا کہنا
تم اور تم کو خیال اپنے جاں نثاروں کا — تم اور پرسشِ حالِ تباہ کیا کہنا
نگاہ مل نہ سکی حشر میں بھی قاتل سے — ترے نثار، دلِ دادخواہ کیا کہنا
ہوس بہشت کی اور اشتیاق حوروں کا — جنابِ زاہدِ عصمت پناہ کیا کہنا
اثر گمان ہے فریاد کا خموشی پر
یہ ضبطِ آہ باندازِ آہ، کیا کہنا

میں اپنے جذبِ محبت سے شرمسار ہوا — وہ بیقرار ہوئے، دل جو بیقرار ہوا
یہ ربطِ حسن و محبت سے آشکار ہوا — کہ شوقِ پردہ دری، تیرا پردہ دار ہوا
تجھے بس اے دلِ وعدہ خلاف کیا کہیے — پھر اُن کے وعدۂ فردا کا اعتبار ہوا
ہنوز گن ہی رہا تھا میں اپنے داغِ جگر — کہ پھر بپا وہی ہنگامۂ بہار ہوا
اُسی کو شوق نے شہرگ سے کر دیا نزدیک
کبھی خیال بھی جس سے نہ ہمکنار ہوا

مگر ہر قدم پہ چھلکتی رہی　　یہ بجلی سوئے دل لپکتی رہی
ادب لاکھ تھا، پھر بھی اسکی طرف　　نظر میری اکثر بہکتی رہی
اگر ہونٹ سی بھی لیے، کیا ہوا　　نگاہوں سے الفت ٹپکتی رہی
غبارِ دلِ مضطرب چھو گیا　　صبا اپنا دامن جھٹکتی رہی
نہ کھلنے پہ بھی میرے دل کی کلی　　گلِ تر کی صورت مہکتی رہی
دلِ زار کی آہ بھی زار تھی،　　اگر آئی لب تک سسکتی رہی

اثرؔ کی سی شیوا بیانی کہاں
بہت یوں تو بلبل چہکتی رہی

اُمیدیں دل سے رخصت ہو رہی ہیں شادمانی کی　　اثرؔ تعبیر ملنے کو ہے خوابِ زندگانی کی
کیا آزاد اے صیاد، تو نے مہربانی کی　　مگر میں کیا کروں، طاقت نہ ہو جب پر فشانی کی
نہ سمجھا خوبرویوں میں ادائے ناز ہے یہ بھی　　مری شامت جو آئے، وجہ پوچھی سرگرانی کی
دلِ ناشاد تو اس طرح آہ سرد بھرتا ہے　　مرے اشکوں سے طاقت سلب ہوتی ہے روانی کی
نسیم صبح خاکہ ہے خرامِ ناز کا تیرے　　چمن دھندلی سی اک تصویر تیری نوجوانی کی
حجاباتِ تعین درمیاں سے اٹھتے جاتے ہیں　　عدم پر چھوٹ پڑتی ہے شعاعِ زندگانی کی

شکستِ رنگِ ہستی سے نمایاں رنگِ ہستی ہے　　فنا تعلیم ہے درسِ حیاتِ جاودانی کی
بہائے خونِ ناحق اس سے بڑھکر اے اثر کیا ہے
تبسّمہائے قاتل نے لحد پر گلفشانی کی۔

کافر کی سادگی پہ کیونکر نہ پیار آئے　　آئے تو دل دُکھانے اور شرمسار آئے
کیونکر حضور تیرے اے کردگار آئے　　وہ بدنصیب جسکو اپنے سے عار آئے
اُٹھ حشر سامنے ہے، اک حشر ہے جلو میں　　ہم آستانِ بت پہ کس کو پکار آئے
عہد استوار اگر ہے، آنکھیں ملا کے کہہ دو　　نیچی ہوں جب نگاہیں کیا اعتبار آئے
وہ میں نہیں رہا ہوں، وہ دل نہیں رہا ہے　　کیوں چھیڑیے کہ رونا بے اختیار آئے
یہ کونی دیکھنا ہے، نشتر سے دل میں ٹوٹے　　اس طرح دیکھ دل کو میرے قرار آئے
اے سرزمینِ جاناں کیا دلکشی ہے تجھ میں
اُٹھے نہ پھر یہاں سے جو ایک بار آئے

جو کہا جائے وہ کیا جائے ؟　　تم یہ کہتے ہو! کیا کہا جائے
اُس کو بھولوں میں کس طرح صیاد　　جو نشیمن جلا دیا جائے
سعیِ ناکام اب اجازت دے　　کسی گوشے میں مر رہا جائے

اُن سے افسانۂ فراق اے دل ✓ نہ کہا جائے یا کہا جائے
اب یہ داغوں سے دل کا عالم ہے جیسے آئینے کی جِلا جائے
یوں چلیں دل سے حسرتیں جیسے غول "اُداسی" فقیروں کا جائے
ہم اُسی کو خدا سمجھتے ہیں ✓ جو مصیبت میں یاد آجائے
گریہ راتوں کا شرمِ عصیاں سے
خوب ہے شغل اثرؔ چلا جائے!

فروغِ حُسن دستِ یہ رنگ ہے نقاب کا کہ جیسے موج بحر میں ہو عکس آفتاب کا
سوال پر سوال ہے، جواب ہے جواب کا گئے وہ دن کہ حوصلہ تھا ضبطِ اضطراب کا
کہیں جو نسخۂ وفا میں لفظ اجر آگیا دلِ غیور نے ورق اُلٹ دیا کتاب کا
یہ خود فریب، خود پسند زاہدوں سے پوچھیے گنہ کا ذوق اگر نہیں تو ڈر ہے کیوں عذاب کا
خرید لو، خرید لو، دلِ شکستہ اے بتو! گہر جنے سے بڑھا ہے مول اِس دُرِ خوش آب کا
ملا تو اس طرح ملا کہ مجکو مجھسے کھو دیا، اثر ہوا تو یہ ہوا دعائے مستجاب کا
گلے پہ میرے تیغ ہو، رواں نہ ہو، جدا نہ ہو مزا ہے اتحاد ہو حجاب اور عتاب کا
حریمِ دل میں جا بجا، تڑپ رہی ہیں بجلیاں "کلیمِ طورِ بیخودی" لقب ہے اضطراب کا

اثرؔ کی یہ غزل ہے یا کھلا ہوا ہے میکدہ
ہر ایک شعر جام ہے وہ آتشہ شراب کا

ہزار لذتیں قربان جس پر، ایسا درد
مزے مزے کا گلہ اور میٹھا میٹھا درد

سنبھالنے کو سنبھالا دلِ ستمکش کو
جہانِ عشق میں ہے تہلکہ، وہ اُٹھا درد

خدا کے واسطے بس باز آ تغافل سے
کہ دل میں تیری جگہ لے رہا ہے تیرا درد

ازل کو مجھ سے جو پوچھا تجھے ہے کیا درکار
مراد عشق تھی لیکن زباں سے نکلا "درد"

بفیضِ عشق کہ سرمایہ دارِ فطرت ہے
بھرا ہے دل میں اثرؔ کے زمانے بھر کا درد

قیامت کی تجلی ہے جمالِ روح پرور میں
پڑینگی جھائیاں آئینہ خورشیدِ محشر میں

سجائے جائینگے اک دن حریمِ نازِ دلبر میں
وہ آئینے جو حیرت نے لگائے ہیں مرے گھر میں

حریفِ شوخیِ جلوہ نگاہِ شوق کیونکر ہو
ابھی کچھ تھے، ابھی کچھ ہو، ابھی کچھ اور دم بھر میں

رُخِ گلنار ساقی کی جو پیہم چھوٹ پڑتی ہے
شفق میں بجلیاں حل ہیں، نہیں ہے بادہ ساغر میں

میں کیونکر باز آؤں سعیِ بے حاصل سے اے ناصح
جہاں لکھا ہے سب کچھ یہ بھی لکھا ہے مقدر میں

خوشی سے اپنی میں تڑپوں تو اے صیاد مجرم ہوں
سمٹ کر حسرتِ پرواز کھنچ آئی ہے شہپر میں

تو ہی دل ہے، تو ہی دلبر، تو ہی ہے مدعا دل کا
ہزاروں معنی رنگیں ہیں اک حرفِ مکرر میں

تری جنت کا کیا کہنا، تری کیا بات اے واعظ
مگر یہ طول کیوں، مطلب جو نکلے ایک ساغر میں

نظارہ اک شعاعِ نور کے مانند لرزاں تھا
یہ عالم اضطرابِ شوق کا تھا بزمِ دلبر میں

تجلی زارِ عرفاں ہے ہر اک داغِ دلِ سوزاں
چراغِ طور روشن ہے سرشکِ دیدۂ تر میں

ہجومِ شوق میں کھوئی ہوئی نظر نہ سہی
یہ ذوقِ بیخبری، حاصلِ خبر نہ سہی

ہوئی جو قسمتِ ایام، بچ رہی شبِ ہجر
قرار پایا کہ اس رات کی سحر نہ سہی

سیاہ خانۂ دل ہی سلگ اُٹھے شاید
کچھ اور نالۂ شبگیر میں اثر نہ سہی

یہ نفس ٹھوکریں کھالے تو راہ پر آئے
رہی سہی بھی یہ تمیزِ خیر و شر نہ سہی

اِدھر بھی دیکھ لے اے گلفروشِ نظارہ
نگاہِ قہر سہی، لطف کی نظر نہ سہی

تھکے ہوئے ہیں، مسافر ہیں، دم ذرا لے لیں
بتا دو کوئی ٹھکانا، تمھارا در نہ سہی

یہ خشک آنکھیں ہیں دو پھول آفتابِ زدہ
نہیں جو زیبِ مژہ پارۂ جگر نہ سہی

سُنا، سُنا، مجھے رودادِ آشیاں صیاد
بجرمِ نیم تپش پھر یہ بال و پر نہ سہی

دلِ خراب کی تسکیں کو مُنہ سے کچھ کہد و
نظر سے مِل نہیں سکتی اگر نظر نہ سہی

وہی ہے گرمیٔ محفل، وہی ہے جوشِ نشاط
نہیں ہے ایک تری بزم میں اثر نہ سہی

جنوں کے جوش میں کس نے قدم گھر سے نکالے ہیں — نظر جاتی جہاں تک دشت میں چھالے ہی چھالے ہیں
ابھی نا آشنائے التفاتِ چشمِ جاناں ہوں — مرے ارمان جتنے ہیں وہ سب اشکوں کے پالے ہیں
ملایا خاک میں اہلِ وفا کو مہرباں ہو کر — ذرا سوچو تو یہ کیسے چلن تم نے نکالے ہیں
خدا کے واسطے دم لے جنونِ بادیہ پیما — سمجھ میں کچھ نہیں آتا، شرارے ہیں کہ چھالے ہیں
یہاں فریاد کرنا جرم کا اقرار کرنا ہے — دیارِ حسن کے آئین دنیا سے نرالے ہیں
سنا اُن کا کہا ہے، پپیہے کی صدا سن کر — جگر کے پار ہوتے ہیں عجب پُر درد نالے ہیں
یہاں تک بدگمانی ہے شہیدانِ محبت سے — کہ سیرِ لالہ و گل میں بھی اب حیلے حوالے ہیں
ٹھہر جا اے اجل دم بھر یہ عالم اور رہنے دے — مرے دل پر ہے اک ہاتھ ایک سے وہ دل سنبھالے ہیں
عجب کیفیت ہے جبینِ شیشہ و خم سے عرق ٹپکے — ترے میخوار اے ساقی وہ دھاوے پینے والے ہیں
طریقِ رندی و پاکی، ارے توبہ! ارے توبہ! — ظروفِ بادہ نوشی آبِ زمزم سے کھنگالے ہیں!

نوا سنجانِ گلشن اپنے اپنے زمزمے بھولے
اثر تو نے وہ نغمے شعر کے قالب میں ڈھالے ہیں

رفیق و ہادیِ منزل نہ راحلہ درکار رہِ طلب میں ہے پائے پُر آبلہ درکار
ہزار دور ہو لیکن قریب ہو، یعنی نگاہِ شوق کو ہے اور فاصلہ درکار
وہ بدگماں کہ گماں ہے اُسے تغافل کا مجھے یہ ناز کہ ہے ناز کا گلہ درکار
مزا ملاپ میں ہے اور بگاڑ میں لذّت کسے ہے حُسن و محبت کا فیصلہ درکار
نیازِ عشق کا انجام بے نیازی ہے تجھے کرم ہے دلِ تنگ حوصلہ درکار!
ادائے حُسنِ تغافل شعار نے مارا کہ دل جہاں تھا وہاں ہے "اک آبلہ" درکار"
نہ تال سم کی ضرورت، نہ لَے نہ سرگم کی نشیدِ شعر کو ہے جوش و ولولہ درکار
مذاقِ عشق میں کہتے ہیں دل اسی کو اثرؔ
جسے قرار کی خاطر ہو زلزلہ درکار

قصورِ فطرتِ نافہم ہے اندیشہ درماں کا، تپش آمادہ رہنا ہی مناسب ہے رگِ جاں کا
بھلا کیا ہوش میں لائے گا اُن کو شور امکاں کا فلک اک شیشۂ خالی ہے جن کے طاقِ نسیاں کا
بہار آتے ہی عالم اور تھا صحنِ گلستاں کا شگوفے کیا کھلے، دفتر کھلا خونِ شہیداں کا
یہ مانا مشہدِ الفت میں بسمل کب تڑپتے ہیں، مگر جو کشتہ ہو قاتل کی خوئے ناپشیماں کا؟
کبھی ہنگامۂ گلشن، کبھی آشوبِ صحرا ہوں نہ جانے حشر کیا ہو گا مری خاکِ پریشاں کا

رہا ہر شوق کا، چاہا کئی وعدے مسلسل ہوں — کیا ردِّ عمل اُس شوخ نے پیماں سے پیماں کا
سنا ہے مذہب و ملت کا اکثر تجزیہ میں نے — محبت جس کو کہتے ہیں وہی جوہر ہے ایماں کا
حسنِ تبسم شعلہ سے نکلی تجلّی پیشوائی کو — یہاں پروانوں نے احرام باندھا شمعِ سوزاں کا
لبِ معشوق بل کھا کھا کے لے جس طرح انگڑائی — یہی نقشہ ہے اب شوقِ شہادت میں رگِ جاں کا

غلط سودائے راحت ہے، جنوں فکرِ تن آسانی
اثر جب تک سفر درپیش ہو صحرائے امکاں کا

ترا شباب ترے حُسن کا جواب ہوا — اک آفتاب تھا جو مہِ آفتاب ہوا
جہانِ عشق میں کیا کیا نہ انقلاب ہوا — سکوں پذیر جو دم بھر کو اضطراب ہوا
ظہورِ عشق ہوا پردۂ حقیقت سے — جو خلوتی تھا وہ محفل میں باریاب ہوا
عجیب شان سے آئی بہار توبہ شکن — شمیمِ گل سے مجھے نشۂ شراب ہوا
نگاہِ شوق سے بیکار ہے ترا پردہ — نگاہِ شوق کا پردا ترا حجاب ہوا
رموزِ بندگیِ عشق کیا کہوں زاہد — وہ سجدہ ننگِ جبیں ہے جو مستجاب ہوا
میں شک لاؤں کہاں سے پے قبولِ کرم — کہ دل تو شرمِ معاصی سے آب آب ہوا
تمام نشۂ وحدت ہے تمام بے خبری — ذرا جو ہوش میں آیا وہی خراب ہوا

ہزار برق کے پردے جلا کے نکلا تھا وہ جلوہ جو دلِ عارف میں بے نقاب ہوا
مثالِ شمعِ فروزاں رہِ نشاط کر سفر ہے ختم جہاں عزم پا تراب ہوا

نہ پوچھ شورشِ ہنگامۂ فراق اثر
نفس نفس میں نیا دورِ انقلاب ہوا

کرشمے کیا کیا دکھائے مجکو کسی کے اندازِ دلربا نے
عتاب و قہر و کرم نمانے، حجاب و لطف و ستم نمانے

ترے تبسم سے کیا تعجب، شگفتگی مستعار لی ہو،
مرے فگارِ جگر کی صورت، شفق نے، گلزار نے، صبا نے

چمن میں ہر گل ہے چشمِ حیرت، ہر ایک غنچہ ہے نقشِ حسرت
بہار کو آئینہ دکھایا، کسی کی رنگینیٔ ادا نے

دل و جگر دونوں مل کے باہم، مجھی کو الزام دے رہے ہیں
کہ جیسے اُسکی جفا کے بدلے، مٹایا ان کو مری وفا نے!

ہزار افسوس اُس کے نزدیک دور کی اک نوائے خوش تھی
دلوں کو بیکار کر دیا تھا اثر کی جس دُکھ بھری صدا نے

ہمنشیں کیا بتاؤں کب آیا — ہوش کس کو رہا وہ جب آیا

بیقراری میں بن گیا نالہ — جو سخن دل سے تا بلب آیا

وقت کہنے کا ہے نہ سننے کا — آہ! آیا بھی وہ تو کب آیا

کیوں نہ ہو ناز اپنی قسمت پر — ہم میں وہ ہاشمی لقب آیا

ہم نے رو رو کے رات کاٹی ہے — آنسوؤں پر یہ رنگ تب آیا

میرؔ کے معتقد سبھی ہیں اثرؔ
میر کے شعر کا نہ ڈھب آیا

سنا ہے ہو نوید شکیب جاں کیلیے — بہانے اور بھی ہیں مرگِ ناگہاں کیلیے

کسی نے حال نہ پوچھا، کسی نے داد نہ دی — جگر کا خون ہوا آہِ رائگاں کیلیے

بہار ہی میں جو بجلی گرے تو گرنے دو — بچائے میری بلا آشیاں خزاں کیلیے

مجھے تو شوق سے تڑپا کہ اب تڑپنے میں — سکونِ دل کیلیے ہے، قرارِ جاں کیلیے

تپش نے دل کی مہیا کیے، مبارک ہو — تمام برق کے انداز آشیاں کیلیے

نیازِ عشق کو ذوقِ سجود ہے لیکن — کہاں سے لاؤں جبیں تیرے آستاں کیلیے

دماغ عرش پہ رہتا ہے خاکساروں کا — غرور شرط ہے تیرے مزاجداں کیلیے

گزر جو بزم میں ہوتا تو کس طرح ہوتا — مجھی سے کام نکلتے ہیں پاسباں کیلیے
تمیز و ہوش نے کیا کیا طلسم باندھے ہیں — وگرنہ راز کہاں تیرے رازداں کیلیے
ہوا و آتش گل، برق و باغباں، صیاد — ابھی سے اتنے کھکھیڑ ہیں آشیاں کیلیے
تم اور جور سے نادم، تم اور عہد وفا! — کہیں نہ رشک کا باعث ہو آسماں کیلیے
سحر کو نو مبارک، طیور کو نغمے — زباں ہے میرے لیے اور میں زباں کیلیے

بجائے زیور صدق و صفا اثرؔ افسوس
یہ آب گل کے سلاسل عروس جاں کیلیے

لرزتا تھا ابھی اشک ندامت نوک مژگاں پر — کہ بجلی رحمت حق کی گری خاشاک عصیاں پر
طبیعت عشق کی مائل ہوئی جب شرح امکاں پر — فقط اک نقش حیرت رہ گیا اوراق عرفاں پر
نشے میں سر تو جھکا جاتا تھا، مسجد ہو کہ میخانہ — غرور توبہ سے تازہ مصیبت آئی ایماں پر
صفائے قلب کے بدلے کدورت ہے، کثافت ہے — یہاں تک گرد ہستی جم گئی آئینۂ جاں پر
وداع حسرت دیدار کا ہنگام آپہونچا — وہ دامن میں ہی خون دل کا جو قطرہ تھا مژگاں پر
کبھی دیوانوں میں ضرب المثل تھی انکی چالاکی — وہ دست شل جواب کھائی ہیں ہتلے ہے گریباں پر
اثرؔ ادنیٰ سا یہ اعجاز ہے ان کے تبسم کا — کھلا رہتا ہے اک آئینہ خانہ چشم حیراں پر

خدارا اب نہ ہنس ظالم مرے حالِ پریشاں پر
گریباں چاک ہوتے ہیں مرے چاکِ گریباں پر

تڑپ کر جان دے دینا نہ تھا دستور کچھ ایسا
جلا ہے رات دل کیا کیا تعب ملے فراواں پر

تغافل سے کسی کے دیدۂ بے نور سے ہے گویا
وہ زخمِ دل جو ہنستا تھا کبھی شورِ نمکداں پر

نہ ہو یارب کوئی مجھ سا بھی محرومِ شکیبائی
فراواں شوق ہوتا ہے شکستِ عہد و پیماں پر

نظر پڑتی ہے جبکی پھر دھمک سے نہیں جاتی
کچھ ایسی بھی ہیں چھینٹیں خون کی دیوارِ زنداں پر

کہاں رنگینیاں قاتل کے اندازِ تبسم کی
صبا نے پھول بکھرائے تو کیا خاکِ شہیداں پر

بلا تشبیہ مسجد میکدہ معلوم ہوتی تھی
جنابِ شیخ تھے رطب اللساں جنت کے عنواں پر

دمِ تحریرِ خطِ شوق آثرؔ قرباں ہوتی ہے
صفیرِ بلبلِ رنگیں نوا، کلکِ غزلخواں پر

عشق میں دل کو پیچ و تاب رہا
عمر بھر خستہ و خراب رہا

تپشِ شوق میں کمی نہ ہوئی
گو، ہر اک لحظہ اضطراب رہا

منزلِ قبر میں پہونچ کر بھی
کچھ سکوت اور کچھ حجاب رہا

تری تلاش میں اس طرح کھو گیا ہوں میں ۔ جدا ہوں سب سے مگر سب سے آشنا ہوں میں
کشاکش غم ہستی میں مبتلا ہوں میں ۔ فریب خوردۂ نیرنگ ماسوا ہوں میں
تمام دہر ہے آئینہ تیرے جلووں کا ۔ تعینات سے ہٹ کر جو دیکھتا ہوں میں
نہ پوچھ میری تمنا کہ اب یہ عالم ہے ۔ نیاز و ناز سے بیگانہ ہو چکا ہوں میں
گلوں کو شوق، صبا کو ہے آرزو میری ۔ کسی کی راہ میں جس دن سے مٹ گیا ہوں میں
زبان پر اگر آئے زبان جل جائے ۔ یہ کس کے سوز محبت کا ماجرا ہوں میں
حباب وار مرے سر میں تیرا سودا ہے ۔ کہ بحر میں ہوں مگر بحر سے جدا ہوں میں
ہزار بزم تماشا ہے ایک بے خبری ۔ ہزار جلوۂ نادیدہ دیکھتا ہوں میں
تھپیڑے موج فنا کے مٹا نہیں سکتے ۔ محیط عشق کے آغوش میں پلا ہوں میں
یہ کیسے چشم فسوں ساز کے اشارے تھے ۔ ہزار نغمۂ سرشار سن رہا ہوں میں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم بود و نبود
نہ تھا تو کیا تھا اثر اور ہوں تو کیا ہوں میں

صد شکر ابھی ذوق نظر عام نہیں ہے ۔ کب جلوہ نما شاہد بے نام نہیں ہے
اب کوئی تمنا دل ناکام نہیں ہے ۔ انجام بجز حسرت انجام نہیں ہے

وہ آئے ہیں ارمانوں کا کچھ کام نہیں ہے ۔ یہ خلوت دل جلوہ گہ عام نہیں ہے

اچھا ہوا غش کھاکے گرے حضرت موسیٰ ۔ اب ہوش میں رہنے کا تو الزام نہیں ہے

طوف حرم عشق میں پروانوں کے مانند ۔ شعلے کے سوا جامۂ احرام نہیں ہے

جو دل میں ہے سُنتا ہوں وہی ذوق خبر میں ۔ اب آرزوئے نامہ و پیغام نہیں ہے

یا ہنسنے ہنسانے کے سوا کام نہیں تھا ۔ یا رونے رُلانے کے سوا کام نہیں ہے

اب ہے یہ سیہ مستی میخوار کا عالم ۔ اک نقش تحیر ہے، خط جام نہیں ہے

ہم دل میں کسی سے کبھی کینہ نہیں رکھتے ۔ یہ شیوۂ رندان مے آشام نہیں ہے

تو حور کسے کہتا ہے اے زاہد خوش خو ۔ اصنام کی فہرست میں یہ نام نہیں ہے

جی بھر کے ابھی دیکھ لے اے دل دم آخر ۔ کمبخت تڑپنے کا یہ ہنگام نہیں ہے

یہ داغ جگر ہے اثر سوختہ اختر
گلنار شفق سے ورق شام نہیں ہے

جو مدعا ہے دو عالم کا، مدعا وہ مانگ ۔ زمانہ بھر کہے آمیں، اثر دعا وہ مانگ

نصیب نہ ہو وہ جسکی ہے شان قہر و غضب ۔ جو ظلمتوں میں ترا ساتھ دے، خدا وہ مانگ

اِدھر ہے عیش دو روزہ، اُدھر نشاط ابد ۔ اب اختیار ہے تجکو یہ مانگ یا وہ مانگ

بجائے خوں تری رگ رگ میں جوش کھائے تپش ۔۔۔ قرار جس کو نہ ہو جانِ مبتلا وہ مانگ

اثر ہجوم بلاؤں کا ہے تو غم کیا ہے
یہ سب خوشی میں بدل جائیں، ابتلا وہ مانگ

تیری نگاہ سے تجھے دیکھا کرے کوئی ۔۔۔ اتنا تو جذب عشق میں پیدا کرے کوئی
کس طرح جلوہ گر ہو کہ مٹ جائے اختلاف ۔۔۔ کتنا صفات و ذات میں جھگڑا کرے کوئی
کہتا ہے شوقِ حسن ہے نادیدہ آج تک ۔۔۔ برپا ہزار بزم تماشا کرے کوئی
جب خود نظارہ پردۂ انوارِ حسن ہو ۔۔۔ کیا اعتبار دیدۂ بینا کرے کوئی
آیا تھا کچھ خیال کہ دنیا بدل گئی ۔۔۔ کیا شرح بے ثباتیِ دنیا کرے کوئی
بیخود نظارہ، ہوش ربیت، گم خودی ۔۔۔ بند نقاب شوق سے اب وا کرے کوئی
لطف و کرم تو ایک طرف، ہمنشیں مجھے ۔۔۔ حسرت رہی کہ شکوۂ بیجا کرے کوئی
ہر چند پاس شیوۂ اہل وفا نہیں، ۔۔۔ دل ہی نہ ہو تو خاک تمنا کرے کوئی
جب تیرا آستاں، نہ تری رہگزر ملے ۔۔۔ پھر کیوں جبینِ سجدہ کو رسوا کرے کوئی
احساسِ مرگ و زیست سے بیگانہ کر دیا ۔۔۔ اس طرح بھی نہ وعدۂ فردا کرے کوئی
ہاں ہاں مری وفاؤں کی پروا نہیں اُسے ۔۔۔ دل پر جو اختیار نہو، کیا کرے کوئی

اے بیکسیٔ شوق، ملے سادگی کی داد — بیمار اس لئے ہوں، مداوا کرے کوئی
مشتاقِ دید جا کے پلٹتے ہیں بار بار — یہ شرط ہے کہ پہلے تقاضا کرے کوئی
کل کائنات ایک دلِ بیقرار ہو — آباد طرزِ نو سے یہ دنیا کرے کوئی

لطفِ سخن ہے دور، بقولِ اسدؔ اثر
"پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی"

یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے — اے شوقِ دید اب پھرا در بدر مجھے
قاصد پیامِ اُن کا نہ کچھ دیر ابھی سنا — رہنے دے محوِ لذّتِ ذوقِ خبر مجھے
جھونکا نسیمِ صبح کا، موجِ شراب ہے — ایمائے میکشی ہے طلوعِ سحر مجھے
حسرت پرستیوں کی ملی داد اس طرح — الزام دے رہی ہے کسی کی نظر مجھے
پھر میرے اضطراب کی دنیا بدل چلی — پھر دیکھ اسی نگاہ سے او فتنہ گر مجھے
کافر نہ کہہ کہ ضبط کی طاقت نہیں رہی — تڑپا رہی ہے لذتِ دردِ جگر مجھے
نقشِ قدم پہ اپنے نہ سجدے میں گر پڑوں — اے خضرِ شوق لے کے چلا ہے کدھر مجھے
اللہ رے جذبِ عشق کی حیرت فروشیاں — آئینہ بن گیا ہے کوئی دیکھ کر مجھے
بھر لوں گلِ مراد سے دامانِ آرزو — مل جائے اک نگاہ کی رخصت اگر مجھے

اُسکی حیا نے اور وفا نے مری اثرؔ
محروم شرحِ شوق رکھا عمر بھر مجھے

وہی ارمان نکلتا نہیں، افسوس، افسوس   دل سنبھالے سے سنبھلتا نہیں افسوس افسوس
لاکھ بہلائیے لیکن دلِ ناشاد اپنا   کسی صورت سے بہلتا نہیں افسوس افسوس
تیرے ملنے کی نکلتی نہیں تدبیر کوئی
دم بھی فرقت میں نکلتا نہیں افسوس افسوس

آفت میں کس طرح کی گرفتار ہو گئے   اس جرم پر کہ اُن کے طلبگار ہو گئے
لکنت بھی ہے زبان کو وعدے کے ساتھ ساتھ   یعنی شکستِ عہد پہ تیار ہو گئے
اِک نو بہارِ ناز کی رنگیں خرامیاں   کوچے تمام غیرتِ گلزار ہو گئے
دل سے خیالِ بادۂ و ساغر نہ مٹ سکا
"ہم توبہ کر کے اور گنہگار ہو گئے"

بقا سے تکملۂ شورشِ فنا معلوم   تسلیٔ دلِ ہنگامہ آشنا معلوم
شکستِ دل کو بنا پردۂ سازِ ہستی کا   وہ کان سُن لیں جو نغماتِ بے صدا، معلوم
مسلّم آئنہ سامانیٔ بہار، مگر   بقدرِ یک "نگہ مہر آشنا" معلوم

یہ کیا ہے رنگ تماشا، یہ کیسی جلوہ گری
کہ آشنا کو نہیں راز آشنا معلوم

زرد اُن کے رُخ سے رنگ شفق ہے — روئے گُل تر عرق عرق ہے
خورشید پرتو، عارض کا نیّر — نقش تبسّم، موجِ شفق ہے
ہے نفی سے بھی اثبات پیدا — آنکھیں اگر ہوں، باطل بھی حق ہے
دونوں جہاں سے بیگانہ ہونا — مکتب میں دل کے پہلا سبق ہے
عیش و طرب کا وہ دَور گزرا — مدّت سے غم کا نظم و نسق ہے
تسکیں دے کر اد جانے والے
جیسا قلق تھا، ویسا قلق ہے

اک دَور تھا جو ہو چکا، اک دَور ہے جو آئیگا — اک خواب دیکھا جا چکا، اک خواب دیکھا جائیگا
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے، ہر بات کو جھٹلائیگا — توبہ کرو، توبہ کرو، وہ شوخ کیا شرمائیگا
یا اک نگاہ ملتجی، یا بیکسانہ التجا — یہ دل کہ قابو میں نہیں کیا کیا نہ آفت ڈھائیگا
سُود و زیاں کچھ اور ہے، سوچو ذرا، سمجھو ذرا — شاید سُنی ہو گی مثل "جو کھوئیگا سو پائیگا"
فرقت میں ضبط آساں نہیں، ہر سانس کے ہمراہ اثر — لب پہ فغاں آ جائیگی، سینے میں دم گھبرائیگا

دردمندوں سے بھلا دل کیا سنبھالے جائیں گے / پیچ زلفوں کے اگر یوہیں نکالے جائیں گے
دیدۂ تر کی طرح ہر اشک ہے اک آبلہ / اور ہم خوش تھے کہ رونے سے یہ چھالے جائیں گے
سانس لینا بھی انھیں دوبھر ہوا ہے شامِ غم / جنکو دعویٰ تھا فلک کے پار نالے جائیں گے
آہ پہلے سوچنا تھا اے اسیرِ دامِ زیست / اسقدر عصیاں کے پشتارے سنبھالے جائیں گے
طرح ایسی ہے کہ بے امدادِ معشوقہ اثرؔ / اک ذرا مشکل سے اچھے شعر ڈھالے جائیں گے

داغ پر داغ ترے عشق میں یوں حاصل ہو / جیسے آغوشِ مہِ نو میں مہِ کامل ہو
ایک صورت پہ نہیں سیرِ طلسمِ ہستی / موجِ طوفاں ہو کبھی تشنگیِ ساحل ہو
حسن اور عشق کی تفریق سراسر مٹ جائے / دل نہ ہو اور اگر ہو تو پھر ایسا دل ہو
بیچ میں ہے یہ سراپردۂ ہستی حائل / بند آنکھیں ہوں تو دیدار ترا حاصل ہو

اے بیدردو یہ آنسو جو تھم تھم کر نکلتے ہیں / لیے دامن میں اپنے روح کا جوہر نکلتے ہیں
رہینِ حسرتِ بیدادِ محرومِ شکیبائی / نہ پوچھو مجھ سے دل کے حوصلے کیونکر نکلتے ہیں
گئے وہ دن کہ ضبطِ گریۂ خونیں کا یارا تھا / لیے اب بخت دل آنکھوں سے اشکِ تر نکلتے ہیں

مبارک ہو اثرؔ ذوقِ نظر کی آزمائش ہے
وہ مشتاقوں کی خاطر پردے سے باہر نکلتے ہیں

ہراں پڑوں طرف رہیں راستہ گھیرے ہوئے — اِس بہانے اُنکے در کے شب کئی پھیرے ہوئے
ن گئی دنیا کسی کی اور کسی کی عاقبت — وہ ملا جو جس نے مانگا، اک نہ تم میرے ہوئے
فق بعض عرق افشاں بدن میں تھرتھری — یوں کوئی اٹھا مرے بالیں سے منھ پھیرے ہوئے
رہ جاوید ہیں صرف اہل دل اہلِ کمال — صاحبِ جاہ و حشم کہنے کو بہتیرے ہوئے
طاعت میں مبارک زاہدوں کو حورِ خلد — اُنکے مشتاقوں کے یہ سب تحفے ہیں پھیرے ہوئے
نے بندوں کو رحمت پر تری ربِ کریم — تو ہمارا ہو چکا جس وقت ہم تیرے ہوئے

رشکِ صد فردوس، یعنی ارضِ پاکِ کربلا
فضلِ خالق سے اثرؔ اپنے وہاں ڈیرے ہوئے!

عشق بیتاب ہے پھر حُسن کی مہمانی کو — مصر کا تاج مبارک مہِ کنعانی کو
تپشِ دل نے کیا تارِ نفس کو روشن — شعلۂ آہ نے دی آگ تنِ آسانی کو
آئینہ سنگِ درِ دوست ہوا سجدوں سے — پھر بھی سجدوں کی ہوس ہے مری پیشانی کو
ساتھ سیلابِ حوادث کے بہا چل اے دل — خوفِ گرداب نہیں کشتیِ طوفانی کو

ایک تصویر میں سو رنگ نظر آتے ہیں
کبھی سمجھو تو آثرؔ صنعت حیرانی کو

دلجوے عالم بیداد تیری کس سے کروں میں فریاد تیری
طاعت یہی ہے، جنت یہی ہے دم بھر نہ بھولے دل یاد تیری
شیوہ آثرؔ ہے ایثار جب تک
محنت نہ ہوگی برباد تیری،

ڈر نہیں آہِ دلِ سرکش سے پھول کھلتے ہیں اسی آتش سے
رحم، اے عشق! کہ سر کھینچے گا شعلۂ آہ دلِ سرکش سے
مرگیا صید زبوں حسرت میں تیر نکلا نہ ترے ترکش سے
برق بیدار! تجلی ہشیار ہوش آتا ہے کسی کو غش سے
روح الہام آثرؔ نے پھونکی
شاعری میں سخن دلکش سے

اُن کو ایماں ہو مبارک جنکو ایماں چاہیئے مجکو اک دل جس میں تم دم بھر ہو مہماں چاہیئے
زخم پیکاں چاہیئے، تدبیر درماں چاہیئے اور کیا کیا اے دلِ ہنگامہ ساماں چاہیئے

ن نہ روؤں یاد کر کے خندۂ صبحِ وطن　　روشنی تھوڑی سی اے شامِ غریباں چاہیے

گئے داغِ جنوں آخر ہوئی فصلِ بہار　　اب فقط عرضِ نکوہش کو گریباں چاہیے

قدر بیباک رونے میں ہوئی ہے چشمِ تر　　تار تارِ پیرہن ہر تارِ مژگاں چاہیے

سے لیکر پاؤں تک لپٹی ہو زنجیرِ بہار　　ہم سے دیوانوں کو گلشن ہی میں زنداں چاہیے

ندا نے جب سنایا مژدۂ ساحل مجھے　　بڑھ کے ہمت نے کہا آغوشِ طوفاں چاہیے

رواں کیا، غبارِ کارواں پیدا نہیں　　اور کچھ تعجیل اے عمرِ گریزاں چاہیے

ن آساں ہے دلِ پُر شوق شرحِ آرزو　　سُرخیِ خونِ تمنا زیبِ عنواں چاہیے

رتِ دیدار ہے تو آپ سے بیگانہ ہو　　دامِ نیرنگِ تماشا چشمِ حیراں چاہیے

ب نزول آفات کا ہو اور بلاؤں کا ہجوم　　صبر کیا۔ آدمی کو شکرِ احساں چاہیے

تے روتے کاٹ دیجئے زندگی کے چار دن　　دردِ دل کہئے کسی سے اور نہ درماں چاہیے

باش اے بوالہوس یہ ہے حریمِ کوئے دوست　　اس جگہ خونِ شہیداں سے چراغاں چاہیے

میں نے مانا قیدِ امکاں سے رہائی ہو چکی
سعیِ آزادی اثرؔ تا حدِ امکاں چاہیے

ہر نفس میں جنوں کی ہے تحریک مژدہ فصلِ بہار ہے نزدیک
پاؤں رکھنا سنبھل کے اے ناداں بال سے راہِ عشق ہے باریک
جب سے اوجھل ہوے وہ آنکھوں سے میری آنکھوں میں ہے جہاں تاریک
تلخئ زہر میں حلاوت ہے
ہجر میں ذوق وصل بھی ہے شریک

جب کہا اسنے، مدّعا کہیئے سوچتے رہ گئے کہ کیا کہیئے!
پھروں قابو میں دل نہیں آتا حال کیا اضطراب کا کہیئے
کسی بیکس کا دل دُکھانے سے کیا ملا آپ کو بھلا، کہیئے
اب یہی ہے نباہ کی صورت ناسزا سنیے، مرحبا کہیئے
شکوۂ جورِ آشنا کیا خوب! خلشِ آہِ نارسا کہیئے
وہی عالم ہے اسکی غفلت کا باوفا کہیئے، بے وفا کہیئے
زخمِ دل کو سراہیئے نہ اثر
تیغِ قاتل کو مرحبا کہیئے

تصوّر لے گیا کس انجمن میں — بسی ہے بوئے یوسف پیرہن میں
غبارِ راہ اٹھ کر کہہ رہا ہے — نہ پہونچا قافلہ کوئی وطن میں
محبّت اور اظہارِ محبّت — یہی تو بات ہے دیوانے پن میں!
وہ نغمہ تو نے اے مطرب سنایا — کہ برپا سنسنی ہے تن بدن میں

اثر ہے تیرے نادیدہ ودیعت
نہ کیوں تاثیر ہو میرے سخن میں

ہے عشق وہاں محرم اے اہلِ فرزانہ — جس بزمِ حقیقت میں اندیشہ ہے بیگانہ
جب سوزِ جگر کہنے بیٹھا کوئی دیوانہ — اک اُف کی صدا آئی اور ختم تھا افسانہ
ان کانپتے ہاتھوں سے اٹھتا نہیں پیمانہ — اب تو ہی سہارا دے اے لغزشِ مستانہ
فانوس کے پردے میں لو شمع کی تھرائی — اللہ رے اندازِ جانسوزیِ پروانہ!
اک شورشِ پیہم ہے، اک لرزشِ مبہم ہے — یہ دل کی حقیقت ہے، وہ ضبط کا افسانہ
خمخانۂ ہستی میں یوں عمر گزاری ہے — یا خندۂ ناکامی، یا گریۂ مستانہ
سب تیری بدولت ہے جو زیست میں لذت ہے — اے باعثِ محرومی، اے ہمتِ مردانہ
یہ بادِ صبا آکر کیا کہہ گئی چپکے سے — لبریز ہے نغموں سے سازِ پرِ پروانہ

اک شعلہ ہے بال افشاں، اک برق لپکتی ہے اب دور میں ساغر ہے، گردش میں ہے پیمانہ
ہر غنچہ سناتا ہے، ہنگامِ سحر مجکو اُن مست نگاہوں کا، رنگین اک افسانہ

تفریقِ مذاہب ہے، کیا کام اثرؔ مجکو
اک سجدے سے مطلب ہے، کعبہ ہو کہ بُت خانہ

شکوے تھے صرف لذّتِ گفتار کیلیے من جاؤ روٹھنے نہیں بیکار کیلیے
آتا ہے ایک رنگ، تو جاتا ہے ایک رنگ تُو آئے تھے وہ پرسشِ بیمار کیلیے
پھر اک نگاہ وہ غلط انداز ہی سہی بے مہر کچھ تو شورشِ آزار کیلیے
رحمت تو دیکھنا کہ گوارا نہیں ہوئی اشکوں کی سرزنش بھی گنہگار کیلیے
ساقی کی مست آنکھوں میں ڈورے ہیں سرخ سرخ رنگینیاں ہیں خانۂ خمار کیلیے
کیا کیا نہ وضع کارگہِ دیر میں ہوئیں کافر ادائیاں نگہِ یار کیلیے
عشقِ ستیزہ کار رہا مائلِ نمود ہنگامے ہے برپا رسن و دار کیلیے
لب تشنۂ وصال کا اللہ رے اضطراب بوسے گلوئے خشک نے تلوار کے لیے

اک حرفِ زیرِ لب نے مہیّا کیا اثرؔ
صد گونہ اضطرابِ دلِ زار کیلیے

تیرے ہونے کی اک دلیل ہوں میں — صورتِ معنئ جمیل ہوں میں
آتش نفس کو ناز ہے مجھ پر — پرتوِ حسنِ بے عدیل ہوں میں
مجھ سے روشن ہے شمعِ دیر و حرم — کبھی آزر، کبھی خلیل ہوں میں
خلوتِ دل بنی ہے میرے لیے — حرمِ عشق میں دخیل ہوں میں
رات دن مثلِ موج گرمِ سفر — بے سر و پا و بے سبیل ہوں میں
ہوش آتے ہی ہوش کھو بیٹھا — آہ اب کس قدر ذلیل ہوں میں
کوئی پرساں نہ تھا گناہوں کا — بولی رحمت کہ میں کفیل ہوں، ہاں!
اور جو چاہے آزمائش کر — اک ذرا صبر میں بخیل ہوں میں

کچھ نہیں ہوں، مگر بقولِ اثر
"تیرے ہونے کی اک دلیل ہوں میں"

سر و بازار ہوش ہے مجھ سے — عشق مستی فروش ہے مجھ سے
مطرب اپنا مقام بھولا ہے — وہ سماع خموش ہے مجھ سے
کھو گیا ہوں ترے تصور میں — بیخودی عینِ ہوش ہے مجھ سے
مجھ سے ہے ہائے و ہوئے مستانہ — لذتِ نائے و نوش ہے مجھ سے

ایک ہو میں تجلیاں برسیں — شہرۂ مے فروش ہے مجھے
بیخبر یا ہوں لاکھ صورتِ موج — بحرِ ہستی پر جوش ہے مجھے
سب ہیں ہنگامہ زائیاں میری — سب یہ جوش و خروش ہے مجھے
ہر تعین ہے میرا افسانہ — نقشِ فردا و دوش ہے مجھے
کون ہوں، کیا ہوں، اور کیوں ہوں میں — عاجزِ ادراک ہوش ہے مجھے
تشنۂ رحمت بغیر عصیاں تھی — پردۂ پردہ پوش ہے مجھے

مردِ عارف اثرؔ ہو، تم تو سنو!
کیا خطابِ سروش ہے مجھے

رنگ تیرا ہے عارضِ گل میں — تو کشش ہے صفیرِ بلبل میں
کثرتِ آئینہ دارِ وحدت ہے — فرق دشوار ہے جزو و کل میں
صورتِ ماہ منزلیں طے کر — کیا ترقی میں، کیا تنزل میں
سچ تو ہے کوئی اشتباہ نہیں — گلِ عارض میں، عارضِ گل میں!
زلفِ پُرپیچ اس طرح بکھری — دور قائم ہوا تسلسل میں
صبر کر صبر اے دلِ مضطر، — مصلحت ہوگی کچھ تغافل میں

دیدنی رنگ اس چمن کا نہیں — دل کے ٹکڑے ہیں دامنِ گُل میں
بے نیازی، مگر نیاز کے ساتھ — کچھ عجب لطف ہے توکّل میں
گل ہے محوِ جمالِ دوست اثرؔ
کیا اثر ہو فغانِ بلبل میں

سنور بن کے نظر پر وہ چھائے جاتے ہیں — ادائے خاص سے بجلی دبائے جاتے ہیں
نیاز و ناز کے جھگڑے چکائے جاتے ہیں — نشانِ گورِ غریباں مٹائے جاتے ہیں
ذرا جو ہوش میں دیوانے پائے جاتے ہیں — زِ سرِ نو وہ حیرت بڑھائے جاتے ہیں
یہ بیکسی کا ہے عالم کہ سرگزشت اپنی — کوئی سنے نہ سنے ہم سنائے جاتے ہیں
نہ دیکھ چشمِ حقارت سے خاکساروں کو — جو آپ مٹ نہیں جاتے، مٹائے جاتے ہیں
ہجومِ شوق ذرا آنکھ تو جھپکنے دے — حجاب بڑھتے ہیں، جتنے اٹھائے جاتے ہیں
معاف رکھ مجھے تجدیدِ عہد سے اے شوخ — یہ مجھ سے کب تجھے جو وعدے گنائے جاتے ہیں
الجھنے کے لیے بجلی کو اک بہانہ ملا — چمن کی خیر! نشیمن بنائے جاتے ہیں
شبِ فراق کی آمد ہے، دل دھڑکتا ہے — چراغ شام ہی سے جھلملائے جاتے ہیں
ہم آپ جادہ ہیں اپنا اور آپ ہی منزل — برنگِ شمع رگِ جاں جلائے جاتے ہیں

مزاجداں ہیں جو نیرنگیٔ محبت کے — جگر ہو خون مگر مسکرائے جاتے ہیں
نگاہِ یاس سے طے کیجیے مسافت کو — قدم تو ضعف سے اب لڑکھڑائے جاتے ہیں
مثال اس دلِ آفت پسند کی اپنے — کہ جیسے شام کو طائر ستائے جاتے ہیں
حریفِ رنگِ تماشا نہیں نظر، ورنہ — پھر آج طور کے جلوے دکھائے جاتے ہیں

اثرؔ اُٹھائے گئے آج اُس کی محفل سے
ہمیں یقین تھا یہ بے بلائے جاتے ہیں!

شبِ فرقت لبوں پہ رہی جانِ زار — ارے اُف وہ کٹھن گھڑیاں اور انتظار
یہی معراجِ آوارۂ عشق ہے — سرِ سودا زدہ اور پائے نگار
یہی دل اور کعبے میں بس فرق ہے — کوئی تیرا احترام اور کوئی رہ گزار
وہی بے التفاتی وہی بے رُخی — نہ تو مہر و مروت، نہ چاہت نہ پیار
مجھے تو آزماتا ہے، خیر آزما — ترے دل پہ نہیں کچھ مرا اختیار

مگر اتنا کہوں گا کہ یہ بدظنی
نہ ہو وجہ پشیمانیٔ انجامِ کار

ذوق مستی سے جو اندازۂ مستی ہوتا   کون خمیازہ کش بادۂ ہستی ہوتا

خود پرستی سے نہ تھی کوئی عبادت بہتر   ہیں اگر مائل اوہام پرستی ہوتا

جام سے کھیلتی تھی برقِ نگاہِ ساقی

یاد ایام کہ ہنگامۂ مستی ہوتا

ردۂ صنعت گری دل پہ اگر فاش ہو   آئینہ تصویر ہو، نقش بھی نقاش ہو

ستے اُٹھائے بہت، دم لو گھڑی دو گھڑی   دل بھی تمھارا ہے گھر، شوق سے شاباش ہو

نہیں ایسے نصیب، پھر بھی تمنّا یہ ہے   دل میں ہو مہمان تم، کاش ہو، اے کاش ہو

ہ کے یہ اوجھل ہوا، نظروں سے وہ مہ لقا   میں نہیں تجھ سے جدا، راز اگر فاش ہو

کفر بھی ہے دینِ اثر، دیدۂ بینا نہیں

نفی بھی اثبات ہے، دُور جو پرخاش ہو

ں سے وفا کی آرزو، پاسِ وفا کو کیا ہوا   کیوں دلِ دردآشنا، تیری حیا کو کیا ہوا

نت یاس و بیکسی، اتنا بھی ہوش اب نہیں   آہ رسا کو کیا ہوا، دستِ دعا کو کیا ہوا

کبھی جلوہ ساز تھا، رونق بزم ناز تھا   اے دل تیرہ خانماں، تیری ضیا کو کیا ہوا

شنہ لبانِ عشق ہیں، اور وہی ذوق ناتمام   دیر سے انتظار ہے، موجِ فنا کو کیا ہوا

کیسی ہوا بدل گئی، پھر میں یہ سوچتا ہوں میں　　رسمِ وفا کو کیا ہوا، صدق و صفا کو کیا ہوا

بعدِ ممات اے اثر، ایک حیات اور ہے

یہ ہے اگر تو فکر کیا، حکم قضا کو کیا ہوا

دلکشی یوں تو ہر اک غمزۂ غماز میں ہے　　بات کچھ اور تری بات کے انداز میں ہے

موجِ صہبا میں، صبا میں، نہ کسی ساز میں ہے　　وہ جو اک لطفِ ترنم تری آواز میں ہے

مدعا حرفِ غلط، نقشِ تمنا باطل　　جو ہے بیگانہ تری انجمنِ ناز میں ہے

اب یہ عالم ہے ترے عشق کے سودائی کا　　اک بگولہ ہے کہ سرگرمِ تگ و تاز میں ہے

درد سے جسکو علاقہ ہو وہ دل پیدا کر　　بزمِ ہستی کا ہر اک نغمہ اسی ساز میں ہے

خستۂ کارِ محبت ہے سرور و مستی　　شورشِ تشنہ لبی دور کے آغاز میں ہے

کلمہ پڑھتا تھا ابھی خوش نظری کا تیری　　دیکھ تو دم بھی حریفِ لبِ اعجاز میں ہے؟

اُف وہ نشتر جو اچانک دلِ زخمی کو چھوئے　　اُف وہ شوخی جو نگاہِ غلط انداز میں ہے

جو عیاں ہے، وہ نہاں ہو، جو نہاں ہے وہ عیاں　　چشمِ حیراں یہی اک رمز ہر اک راز میں ہے

جانتا ہوں کہ نشیمن نہیں باقی صیاد،　　پھر بھی اک لطفِ خلش حسرتِ پرواز میں ہے

آج اُن کی نگہِ ناز نے چھیڑا دل کو　　آج اک زمزمہ خلش ریزِ رگِ ساز میں ہے

سچ ہے کیا کام تمھیں گریۂ خونیں سے اثر
یہ شفق پھولی ہوئی دیدۂ غمّاز میں ہے؟!

بس وہی تیرے تصوّر سے ہم آغوش ہوا
بند جس پہ درِ صورت کدۂ ہوش ہوا

کوئی موسم ہو، سماں ہو، کہ تغیّر ہو کوئی
جب تمھیں دیکھ لیا، وقت فراموش ہوا

عشق میں کفر نہیں، تم جو فراموش ہوئے
کفر ہے عشق جو دم بھر کو فراموش ہوا

دل ہے وہ طور جہاں چشم نمائی کے عوض
جلوہ حیرانِ سراسیمگیٔ ہوش ہوا

قطرے کو بحر کیا، بحر میں طوفان بنا
اس ادا سے دلِ بیتاب میں روپوش ہوا

حسرتِ عرضِ تمنّا میں جو لذّت ہے نہ پوچھ
ساز میں اتنے بھرے نغمے کہ خاموش ہوا

ناز اپنے دلِ حیراں پہ نہ کیوں ہو مجھکو
تم سے خود بیں کو جب آئینہ فراموش ہوا

نگہِ شوق سے بچنے کی یہ تدبیر تو دیکھ
منہ چھپانے کے لیے مجھ سے ہم آغوش ہوا

عشق ہے جان مری، عشق ہے ایمان مرا
تم نے آزاد کیا، میں نہ سبکدوش ہوا

کیوں نہ حیرت ہو یہ سنکر کہ اثر سا آزاد
می پرستوں میں رہا پھر بھی نہ مینوش ہوا

جب نہیں تیرے سوا دیکھنے والا تیرا پردہ پھر کس سے ہے اے جانِ تمنا تیرا
بے نیازی نے تری طرفہ بنائیں ڈالیں کوئی بیگانہ ہوا، کوئی شناسا تیرا
آئنہ خانۂ فطرت میں سنورنے والے دل بھی مدت سے ہے مشتاقِ تماشا تیرا
نگۂ شوق کو شوخی سے بنایا پردا اُٹھ چکا طالبِ دیدار سے پردا تیرا!
حرم و دیر کی تخصیص ابھی مٹ جائے ہر سجدہ جو ملے نقشِ کفِ پا تیرا
دل کی آنکھوں سے کبھی دیدۂ حیرت میں سے
دیکھ لیتا ہے اثر جلوۂ رعنا تیرا

رشکِ گل، رشکِ چمن، رشکِ سحر ہوتا ہے پار جس دل کے ترا تیرِ نظر ہوتا ہے
سجدۂ زہد کا مقصود؟ جبیں کی تابش سجدۂ رند، پئے زینتِ در ہوتا ہے
وہم میں بھی جو فرشتوں کے نہ آئے ہوں گے اُن مقامات پر انساں کا گزر ہوتا ہے
ہر بُنِ مو سے لہو پھوٹ نکلتا ہے اثر
نالہ ہنگامۂ طلبِ وقتِ سحر ہوتا ہے

عشرتِ اہلِ نظر، ترکِ تمنا کرنا دل میں آباد ترے درد کی دنیا کرنا
لذتِ غم کیلیے شکوۂ بے جا کرنا چاہیے تھا دلِ بیتاب کا کہنا کرنا

پنے کھوئے ہوئے دل کا بھی تقاضا کرنا ۔۔۔ اُن کے نزدیک ہے اظہارِ تمنّا کرنا
نگ لائے نہ کہیں راز کا اِفشا کرنا ۔۔۔ خونِ منصور سے سمجھو بوجھ کے دعوے کرنا
ہی آغازِ ازل ہے، تو ہی انجامِ ابد ۔۔۔ پھر بھی ممکن نہیں موجود کو پیدا کرنا
قطرہ دریا میں جو ہو محو تو دشوار نہیں ۔۔۔ کام ہے قطرے کو ہم مشربِ دریا کرنا
ت وہ کہہ کہ مرے دل کو یقیں آ جائے ۔۔۔ وعدے میں وعدہ نہیں وعدۂ فردا کرنا
گر طرزِ تغافل دلِ ناشاد نہ ہو ۔۔۔ مجھ کو تجدیدِ ستم کا ہے تقاضا کرنا
رئہ شوق نے رندوں کا بھرم کھول دیا ۔۔۔ توبہ میں قہر تھا ذکرِ مے و مینا کرنا
یا تماشا ہے کہ دعوے ہے مسیحائی کا ۔۔۔ اور آتا نہیں بیمار کو اچھا کرنا
للہ اللہ یہ انوارِ تجلّی کا فروغ ۔۔۔ کہ ترا پردہ نہ کرنا بھی ہے پردا کرنا
ب یہی دُھن ہے ترے چاک گریبانوں کو ۔۔۔ حُسن کو چاہیے ہر رنگ میں رسوا کرنا

شورشِ تشنہ لبی عشق کا حاصل ہے اثرؔ
تم نہ بھولے سے کبھی شکرِ مداوا کرنا

آتی ہے یہ صدا دلِ وحشی کے ساز سے ۔۔۔ "عالم تمام راز ہے اک بے کے راز سے"
نکھرا کچھ ایسا حُسن حقیقت مجاز سے ۔۔۔ آئینہ چھٹ پڑا کفِ آئینہ ساز سے

کچھ بس چلا نہ حیرتِ بیگانہ ساز سے نظریں گزر چکی تھیں حجاباتِ راز سے

میرے مذاقِ عشق میں سجدہ روا نہیں، جب تک نہ نکلے ناز کا پہلو نیاز سے

معبود اور عبد میں راز و نیاز ہو، جب یہ نہیں تو کچھ نہیں حاصل نماز سے

مجھ کو ملا کے خاک میں اللہ ری خوشی رکھتا نہیں ہے پاؤں زمیں پر وہ ناز سے

بیگانگی بہانہ ہے دیدار کے لیے چن لے گلِ مراد ریاضِ مجاز سے

اک گونہ اضطراب ہو، اک گونہ بیخودی کچھ اور مدعا نہیں عرضِ نیاز سے

منصور جس کو پیتے ہی بدمست ہو گیا سرخوش ہوں میں اسی مئے مینا گداز سے

کوئی نہ کوئی حسن و محبت میں ربط ہے محمود یاد آتا ہے ذکرِ ایاز سے

جس کا طواف اہلِ بصیرت کی عید ہو تعمیر کر وہ کعبہ دلِ پُر گداز سے

نشتر کدہ بنا نہ اثرؔ قلبِ زار کو

باز آ تصورِ مژہ ہائے دراز سے

شاید ہے یہی عشق میں مفہومِ تمنا، دل بزمِ تمنا میں ہے محرومِ تمنا

اب دل میں بجز نامِ خدا کچھ بھی نہیں ہے۔ یا کھلتے تھے کیا کیا گلِ موہومِ تمنا

شیرازۂ کونین ہوا اک آہ میں برہم؟ لے تیری خوشی اے دلِ مغمومِ تمنا

حیرت نے مٹائے ہیں آثار نقش خودی کے
صد شکر کہ اب دل نہیں محکوم تمنا

یوں خون میں ڈوبا نہ رہے تار نفس تک — گلشن کی ہوا بھی اگر آجائے قفس تک
منزل کا نشاں ایک طرف اے دل مضطر — کچھ دیر سے آتی نہیں آواز جرس تک
رنگینیِ بیداد کا عالم جو یہی ہے — مرنے پہ کمر باندھیں گے ارباب ہوس تک
تکلیف نہ دے عرض تمنا کی ستمگر — ہم غمزدوں کی زیست ہے اک ضبط نفس تک

شاید ہو یہی شاہد مقصود کی منزل
اک روز در دل پہ اثر دیکھیے دستک

اس کی ایک نظر بھی سوئے قاتل کیسی — اور ہوتی ہے ہوس اے دل بسمل کیسی!
دیکھنے والا تجھے تیرے سوا کوئی نہیں — آپ سے شرم یہ اے صاحب محمل کیسی
اس بحر میں منجملۂ طوفاں ہو جا — ہم سے اے ذوق تمنا، حسرت ساحل کیسی
جس طرف دل نہ اٹھے بھول کے وہ راہ نہ چل — رہبری جو نہ کرے دل کی وہ منزل کیسی
لذت درد ہو بیگانۂ درماں طلبی — یہ بھی آساں ہو دل زار، تو مشکل کیسی
رات رہ جائے گی اور وقت گزر جائے گا — بے رخی فرح میں اے خنجر قاتل کیسی

کچھ دھواں سا بھی اُٹھتے نظر آیا تھا آثرؔ
دیکھ تو آگ لگی ہے طرفِ دل کیسی ؟

ایک دل وہ بھی صد ریش ہے　　اور مہم سخت در پیش ہے
دل لگانا دل آزار سے　　دردمندوں کا یہ کیش ہے
عشق موقوف ہے ظرف پر　　نوش اِسے ہے، اُسے نیش ہے
درد دل ضعف میں ہمنشیں
کم سے کم، بیش سے بیش ہے

چارۂ درد سے حال اور دگرگوں ہوتا　　کہ اگر داغ نہ ہوتا تو یہ دل خوں ہوتا
چشمِ حیراں بھی ملی، ذوقِ تماشا جو ملا　　اور کیونکر ترا چاہا دل مفتوں ہوتا؟
جب ذرا پردۂ محمل کو اُٹھاتی لیلےٰ　　ذرّہ ذرہ نگراں صورتِ مجنوں ہوتا
عمر بھر ایک اسی نے تو مرا ساتھ دیا　　کیوں نہ برگشتگیٔ بخت کا ممنوں ہوتا
چشمِ مخمور کا جادو بھی چلا ساتھ آثرؔ
کس طرح کوئی حریفِ لبِ میگوں ہوتا

وجد کے عالم میں رقصاں شعلۂ گلفام ہے | یا مجسم اک تپش، پروانہ جس کا نام ہے
ماسوا اس کے محبت میں خیالِ خام ہے | تشنگیٔ شوق اپنا آپ ہی انجام ہے
کاش ظلمت خانۂ دل میں بھی ہو تیرا گزر | اے کہ تیرے رخ کے پرتو سے شفق گوں شام ہے
فصلِ گل آئی کسی کی بوئے مستانہ لیے | جنبشِ موجِ صبا، تحریکِ دورِ جام ہے
ایک دن خمخانۂ دل کی بھی زاہد سیر کر | حسنِ ساقی، عشقِ رندِ معرفت آشام ہے
وہ حیا پرور نگاہیں مائلِ پرسش ہوئیں | خواب ہے اے بیکسی یا حشر کا ہنگام ہے
عشق سے آزاد کر، ورنہ پرِ پرواز دے | میرے سر میں آجکل تیری ہوائے بام ہے
لذت آموزِ فنا ہوں، شمعِ سوزاں کی طرح | جل بجھوں جب تک نہ میں جلنے سے مجھکو کام ہے
پر فشانی کی ہوس نے کر دیا آخر اسیر | کیا خبر تھی اپنی ہر پرواز سوئے دام ہے
جو ہے سنتا ہے فقط اپنی صدائے بازگشت | مبتدا ہے بے خبر، آغاز بے انجام ہے
سرگزشتِ طور بھی ہے، محشرِ مشہور بھی | جلوہ تیرا خاص ہے، دیدار تیرا عام ہے
جب سے چشمِ مست ساقی کا اشارہ پا گیا | زندگی کا لمحہ لمحہ اک چھلکتا جام ہے
جذبۂ دل نے تا درِ جانانہ پہنچا تو دیا | آگے اب اے لغزشِ مستانہ تیرا کام ہے
کعبۂ دل کا اثر درپیش ہے جب سے طواف | زحمتِ ہستی بے تکلف جامۂ احرام ہے

دل ہے مرے پہلو میں وہ کشورِ آئینہ — خود ناز کرے جس پر صنعت گرِ آئینہ

جب سے ہوی محویت تو دور نہیں وہ دن — زانو پہ اتر آئیں سب جوہرِ آئینہ

میرا دلِ حیراں بھی مشتاقِ تجلّی ہے — اے گلبنِ رعنائی، اے دلبرِ آئینہ

اُس حسنِ خود آرا کے پیارے کرشمے ہیں — خورشید و مہ و گل سے تا منظرِ آئینہ

دھوکا ہے اثرؔ جو کچھ نیرنگِ تماشا ہے
آپ اپنے مقابل ہے روشنگرِ آئینہ

خانۂ دل کبھی آباد تھا ارمانوں سے — ایک دھمال رہا کرتی تھی مہمانوں سے

کام اُن کو ہے نہ اپنوں سے نہ بیگانوں سے — چاہیے اہلِ خرد درس لیں دیوانوں سے

جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھا، نہ سنا تھا جو سنا — دل کے ہاتھوں، نہیں آنکھوں سے نہیں کانوں سے

دلرُبائی کے طریقے کوئی اُن سے سیکھے — وہ جو انجان بنے بیٹھے ہیں بیگانوں سے

ہے ہلالِ شفقی رنگ، خراشِ ناخن — پھوٹ نکلے گی بہار آج گریبانوں سے

حُسن بھی عشق سے کچھ کم نہیں یکرنگی میں — رات بھر شمع یہ کہتی رہی پروانوں سے

خاک سے بہرِ خدا لوٹتے دامن کو اُٹھا — ہاتھ وحشت نے نکالے ہیں گریبانوں سے

کل جہاں کان پڑی کوئی نہ سنتا آواز — آج آواز نہیں آتی اُن ایوانوں سے

نگہِ مست کسی رند کا دل ٹوٹ گیا — اُف کی آواز ابھی آئی تھی پیمانوں سے
مجلسِ وعظ سے اک رند یہ کہتا اُٹھا — کافر اچھے ہیں دل آزار مسلمانوں سے
باز آ، اے اثرِ خستہ جگر، بس باز آ،
اُڑ گئی نیند ترے دکھ بھرے افسانوں سے

ساقی مجھے وہ بادۂ سرجوش پلا دے — جو نبض کی رفتار کو مستانہ بنا دے
شیشے سے بھی نازک دلِ سرشارِ وفا ہے — دین اُس کی ہے جو چاہے وہ بندے کو خدا دے
پانے سے نہ فرصت ہوئی جوشِ طرب میں — ساقی نے تو چاہا تھا سُبو منہ سے لگا دے
تو ہے کہ تصور کی ترے جلوہ گری ہے — دیوانہ ہوا جاتا ہوں آواز سُنا دے
ظالم ارے ظالم بس اب اک آہ کی رخصت — کب تک کوئی بیداد سہے اور دُعا دے
یہ تو کوئی دشوار نہیں او ستم آرا، — درماں جو نہ کر درد ہی کچھ اور بڑھا دے
ہے عشق یہی اور یہی عشق کا حاصل — اک نقشِ تحیّر کے سوا جو ہے مٹا دے
مشکل ہوئی تمیز ہوس اور طلب میں — اے کاش نہ اب ساتھ مرا دستِ دعا دے
اک عمر کی حسرت کا صلہ کیا یہ بہت ہے؟ — اک بار ادھر دیکھ لو، فرصت جو حیا دے
شاہد ہے خدا، پہنچا ہوں جس طرح یہاں تک — اب تیری خوشی، رہنے دے، یا در سے اٹھا دے

خاکسترِ پروانہ میں بھی آگ دبی ہے   اے بادِ صبا دیکھ کے دامن کی ہوا دے

میخانے کا در اب نہیں کھلتا، نہیں کھلتا

جب تک نہ اثر جا کے فقیرانہ صدا دے

جوشِ مستی میں ہوا چاک، گریباں ہم سے   اب نہیں جانے کا یہ لطف پریشاں ہم سے

ہم کو بھی چھین لے ہنگامۂ ہجراں ہم سے   دیکھی جاتی نہیں پامالیٔ ارماں ہم سے

اس قدر شوق پہ یہ رنگ ہے محرومی کا   تم نے دیکھے ہیں کہیں بے سر و ساماں ہم سے؟

کیوں قسم کھاتے ہو، بھیجے ہیں گلوں کو مکتوب   کہیں چھپتی ہے بھلا شوخیٔ عنواں ہم سے؟

تیری طینت میں وفا جب نہیں پھر عذر ہے کیوں   توڑنے کیلیے ہوتے رہیں پیماں ہم سے

بحرِ ہستی میں ہیں گو مثلِ حبابِ سرِ موج   موج میں جوش ہے اور بحر میں طوفاں ہم سے

حسن ہے ناز ترا، عشق ہے انداز ترا   دل ہے اک راز ترا، راز کا عرفاں ہم سے

قیدِ ہستی سے بہر طور رہائی ہو گی   ہم نہ چھوٹینگے تو چھوٹے گا یہ زنداں ہم سے

اب تو حسرت ہے کہ حیرت کے زباں بھی ہوتی   راز کہتا ہے ترے دیدۂ حیراں ہم سے

یہ گھٹا، ایسی بہار، ایسی فضا، یہ موسم   آہ کس وقت میں چھوٹا ہے گلستاں ہم سے

آگ کیا پھونکتی، اک اُس نے جلایا جیسا   خشمگیں اور کریں خارِ بیاباں ہم سے

تمنائے بیخودیٔ شوق بیاں کیونکر ہو ۔ طے نہیں ہوتا اس افسانے کا عنواں ہم سے
عالمِ عشق و جنوں عالمِ حیرت بھی ہے ۔ چاک ہوتا نہیں وحشت میں گریباں ہم سے
بدگمانی پہ گماں ہو نہ پشیمانی کا ۔ اسقدر دور نہ پھر غیرتِ خوباں ہم سے
یاد اور یاد میں تھوڑی سی خلش رہنے دے ۔ اور جو چاہے وہ لے لے غمِ جاناں ہم سے
گئے وہ دن کہ پلک مارتے آنسو امڈے
یادگار اب ہے اثر خشکیٔ مژگاں ہم سے

خوشی ہوتی ہے دل کو آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں ۔ ستمگر کی وفا میں جور کے پہلو نکلتے ہیں
صحیفے لالہ و گل کے پڑھے فطرت کے مکتب میں ۔ ترے ہی کشتگانِ خنجرِ ابرو نکلتے ہیں
تمنا ہے اِدھر بھی آئے مشقِ ناز کو اک دن ۔ وہ کافر ہر ادا میں جسکی سو پہلو نکلتے ہیں
کوئی رووے تو کیا رووے کہ دل ہی بجھ گیا ہمدم ۔ کہیں دیکھا ہے شمع کشتہ کے آنسو نکلتے ہیں؟
اثر تو صبر میں کوہِ گراں تھے، کیا ہوا اُن کو؟
سنبھالے دل کو اکثر گھر سے بے قابو نکلتے ہیں!

اب تیری خوشی اے دل شیدا نہ کرینگے ۔ بھولے سے بھی اظہارِ تمنا نہ کرینگے
بے آپکے کرتے نہ تھے ہم ہوش کی باتیں ۔ بے آپکے اب ہوش میں آیا نہ کرینگے

کیا کیا تری الفت میں گوارا نہ کیا ہے — کیا کیا تری اُلفت میں گوارا نہ کرینگے
بے کیف ہے وہ سجدہ جو سو بار ادا ہو — تقلیدِ سبو، بیعتِ مینا نہ کرینگے
کیا ہم نے چھلکتے ہوئے پیمانے میں دیکھا؟ — یہ راز ہے میخانے کا افشا نہ کرینگے
ہر وقت کی بیداد اُٹھائی نہیں جاتی — توبہ ہے کہ اب عشق بتوں کا نہ کرینگے

کبتک نہ اُدھر دیکھینگے اُس شوخ کی جانب
کبتک نگہِ شوق کو رسوا نہ کرینگے

تیرے کرم و لطف کا چرچا نہ کرینگے — ایسے ہی تو ہیں غیر کہ ایسا نہ کرینگے
من جاؤ دلِ زار کا کہنا نہ کرینگے — اب سے گلۂ رنجشِ بیجا نہ کرینگے
کہتی ہیں یہ اُن شوخ حسینوں کی نگاہیں — دل لیں گے مگر دل کا تقاضا نہ کرینگے
مطلوب تمنّا ہے اگر خونِ تمنّا — ہم ترکِ تمنّا ستم آرا نہ کرینگے
یہ تازہ ستم! عہدِ وفا لیکے ستمگر — کہتے ہیں ذرا پاسِ وفا کا نہ کرینگے
ارمانوں کو اک راہ نکلنے کی نہ مل جائے — پہلو سے جدا تیر تمہارا نہ کرینگے
در پردہ اگر یہ بھی شکایت ہے تمہاری — تو شکوۂ بیداد تمنّا نہ کرینگے
لو مائل پرسش ہوئی وہ چشمِ فسوں گر — کیونکر ستمِ غیر گوارا نہ کرینگے

معلوم[۱] نہیں سُن کے وہ حالِ دلِ بیمار
کچھ فکر کرینگے بھی اثرؔ یا نہ کرینگے

راہ مسدود، نامہ بر موقوف — بند پیغام اور خبر موقوف!
شور نالوں کا اب نہیں اُٹھتا — ہوگئے دل کے نوحہ گر موقوف
خلشِ آہِ نیم شب رخصت — لذتِ گریۂ سحر موقوف
تپشِ دل، نہ التہابِ جگر — یہ اِدھر اور وہ اُدھر موقوف
اب حیا بر سرِ حکومت ہے — کارفرمائیِ نظر موقوف
دل جہاں ہے وہیں تجلّی ہے — نہیں موسیٰ و طور پر موقوف

ہوچکی صرفِ تابِ گویائی
کیجیے فکرِ شعر اثرؔ موقوف

خود اپنا نقشِ رنگیں ہیں مقابل دیکھنے والے — کہیں دل کھو نہ بیٹھیں جلوۂ دل دیکھنے والے
نہ جانے شوق تیرا اور کیا کیا گل کھلائے گا — یہاں منزل کہاں آثارِ منزل دیکھنے والے
حقیقت جلوہ ہائے نو بنو اپنے دکھاتی ہے — کدھر ہے دھیان تیرا، نقشِ باطل دیکھنے والے

۱؎ یہ دونوں غزلیں طرز و طرحِ مومنؔ میں اپنے عزیز دوست اور بھائی خان بہادر میرزا علی سجاد حسین کی فرمائش سے کہی تھیں۔ اثرؔ

تکلف بر طرف یہ بھی کوئی پردے میں پردا ہے　　تمھیں دیکھا کیے اندازِ محمل دیکھنے والے

تھپیڑے موجِ طوفاں کے مجھے آغوشِ راحت ہیں　　وہ کوئی اور ہونگے سوئے ساحل دیکھنے والے

نگاہِ یاس میں کس قہر کی تاثیر تھی یارب　　تماشا بن گئے ہیں رقصِ بسمل دیکھنے والے

کسی منزل میں دم لیتے نہیں جو اہلِ ہمت ہیں
سمجھتے ہیں زوالِ ماہِ کامل دیکھنے والے

مثلِ حباب ہم پھرے موجِ ہوائے یار میں　　آنکھ کھلی تو آپ تھے، اپنے ہی انتظار میں

یوں ہی رہے گی حشر تک خاکِ لحد فشار میں　　ایک تپش بھی دفن ہے ساتھ مرے مزار میں

موجِ نسیمِ شوق اُٹھی پھر دلِ بیقرار میں　　جلوہ کسی کا دیکھکر آئینۂ بہار میں

اُن پہ نہیں کچھ اختیار، دل ہی نہیں اختیار میں　　عمرِ ابد گزار دوں کاہشِ انتظار میں

جوشِ جنوں میں کہہ گئی قصۂ ہوش و بیخودی　　نکہتِ خوش بسی ہوئی جیب کے تار تار میں

دل کو ہوس ہے عیش کی، عیش فسانہ و فسوں　　صبحِ طرب ہو کیا عیاں خانۂ سوگوار میں

تیرِ نظر کی آرزو، زخمِ جگر کی آرزو　　دل کو قرار آچکا پہلوئے بیقرار میں

قیدِ حیات میں رہے پیشِ نظر ہزار بار　　جبر کی فتنہ زائیاں پردۂ اختیار میں

تیرگیٔ زمانہ سے دل کی صفا نہ جائیگی　　آئنہ پھر ہے آئنہ، لاکھ اَٹے غبار میں

مستیٔ عشق اور ہے، مستیٔ بادہ اور ہے
اور ہی کچھ ہے کیفیت نشۂ بے خمار میں

سارا چمن ہے میکدہ آئی ہے وہ بہار مست
بیٹھے ہیں بادہ خوار مست، پھول بھرے کنار میں

نقش خودی مٹ سکا، دخل دوئی نہ اُٹھ سکا
وصل ہو کیا نصیب اثرؔ دل تو ہے غیر یار میں

اس قدر خاک اُڑائی ہے ترے در کیلیے
گردشیں رہ نہ گئیں میرے مقدر کیلیے

عید نوروز ہے اتنی تو پلا دے ساقی
سال بھر بہکے نہ نیت مری ساغر کیلیے

در سے کچھ دور سہی، در کے برابر نہ سہی
مجکو تھوڑی سی جگہ چاہیے بستر کیلیے

بے وفا ٹوٹے ہوئے دل کو مرے نام نہ رکھ
حسن ہے دل کیلیے، عیب ہے ساغر کیلیے

طرح اندازیٔ آشوب قیامت، کیا خوب!
جیسے کچھ کم ترا سودا تھا مرے سر کیلیے

ہجر اور ہجر میں اک وعدہ فراموش کی یاد
ہے مصیبت پہ مصیبت دل مضطر کیلیے

آہ اُمید چمن، شل ہوئے بازو، لیکن
رعشہ پرواز کی ترتیب ہے، شہپر کیلیے

دل میں ہمت ہے اگر چھوڑ دے ساحل کا خیال
شور امواج ہیں نغمے شناور کیلیے

ہوس سجدہ میں جو کچھ ہے، کہاں سجدے میں
دور پھرتا ہوں ترے در سے ترے در کیلیے

ہاتھ کانپا ہی کیا شوق میں ساغر کے اثرؔ
دل تڑپتا ہی رہا بادۂ احمر کیلیے

ہشیار کو اک آن میں دیوانہ بنا دے — دیوانہ جسے نرگسِ مستانہ بنا دے

مستی کو نہ کیوں ہوش کا پیمانہ بنا دے — مستانہ جسے جلوۂ جانانہ بنا دے

ہستی کو اثرِ ہستیِ پروانہ بنا دے — اک کیف میں ڈوبا ہوا افسانہ بنا دے

آغوشِ تحیّر کو پری خانہ بنا دے — یوں سلسلہ در سلسلہ دیوانہ بنا دے

یوں بیخود و بدمست گزر راہِ فنا سے — منزل کو بھی اک لغزشِ مستانہ بنا دے

یا منکرِ توحید ہو اور کفر سراسر — یا کفر کو توحید کا پیمانہ بنا دے

محدود نہ کر وسعتِ ذوقِ نظری کو — ہر بزم کو اک محفلِ رندانہ بنا دے

بدمست کو ہشیار کہ ہشیار کو بدمست — جو چاہے جسے گردشِ پیمانہ بنا دے

کھل جائے اگر بادۂ گلگوں کی حقیقت — یکساں حرم و دیر سے بیگانہ بنا دے

بھڑکے جو کہیں اس دلِ بیتاب کا شعلہ — خود حسن کو بھی عشق کا دیوانہ بنا دے

پھر ہے یہی دل شمعِ شبستانِ تجلّی — پہلے اسے ہم مشربِ پروانہ بنا دے

شایانِ کرم جب نہیں اربابِ تمنّا — تو پھر انھیں امید سے بیگانہ بنا دے

آتشکدہ ہے خاک بھی اس شعلہ نفس کی — جو دل کو ترے حسن کا پروانہ بنا دے

سن اے دلِ ناشاد وہ کیا پوچھ رہے ہیں — حسرت کی نگاہوں کو اب افسانہ بنا دے

پھوٹے لبِ مے نوش کو تکیۂ تبسم   اک صورتِ گلپوشیِ پیمانہ بنادے

وہ نیم نگہ جس پہ حیا چھائی ہوئی ہے   میں کیا ہوں فرشتے کو بھی دیوانہ بنادے

جلوے ترے آباد، مرا شوق سلامت   تا حدِ نظر ایک پری خانہ بنادے

دامن نہ ہو آلودہ اثر گردِ دوئی سے
مقصود کو مطلوب سے بیگانہ بنادے

کیسا ستم، کرم کی بھی طاقت نہیں رہی ۔ وہ دل نہیں رہا، وہ طبیعت نہیں رہی

حرمان و یاس باعثِ آرام ہو گئے ۔ پہلی سی اضطراب کی حالت نہیں رہی

اک درد دل میں تیری محبت بھی جاگزیں ۔ اب تو ہی تو ہے تیری محبت نہیں رہی

اللہ رے تصورِ جاناں ترا فروغ ۔ نظارۂ جمال کی حسرت نہیں رہی

میں کیا سناؤں دردِ محبت کا ماجرا ۔ حد ہو گئی کہ تم سے شکایت نہیں رہی

ہر ذرہ آفتاب ہے تیرے ظہور کا   کثرت نقابِ چہرۂ وحدت نہیں رہی

دنیا نہ کیوں نمونۂ دوزخ بنے اثر
آپس میں رسمِ مہر و مروت نہیں رہی

اس قدر مانوسِ حرماں قلبِ مضطر ہو گیا
اُن کا ملنا بھی نہ ملنے کے برابر ہو گیا

یوں نگاہِ منفعل سے مجکو اے رحمت نہ دیکھ
دامنِ تر سے مُشابہ دیدۂ تر ہو گیا

لاکھ سمجھایا کہ ہم دونوں کی منزل ایک ہے
دل طریقِ عشق میں بیگانہ اکثر ہو گیا

اللہ اللہ نرگسِ مخمورِ ساقی کا اثر
جام متوالا ہوا، مدہوش ساغر ہو گیا

عمر بھر پھیرے اپنے ہی دل کا کیا اُسنے طواف
جس کو اک سجدہ ترے در کا میسّر ہو گیا

باعثِ کلفت ہوا تھا ربط زانو و جبیں
وقت سودا خوش کہ اک ہنگامہ دم بھر ہو گیا

عشق میں جب حُسن کی رعنائیاں پیدا ہوئیں
ایک عالم ہو گیا اور ایک منظر ہو گیا

ایک میری بات کا اُس کو یقیں آتا نہیں
ورنہ جو جس نے کہا فی الفور باور ہو گیا

لو چلا آتا ہے ناصح پھر ملامت کیلیے
یہ بھی میری جان کو میرا مقدّر ہو گیا

چھا گئی جس پر خیالِ دوست میں وارفتگی
نکہتِ گل کی طرح آپے سے باہر ہو گیا

شوخیِ جلوہ دمِ آرائشِ گیسو نہ پوچھ
آئنہ اک پیکرِ رگہائے جوہر ہو گیا

میر و غالب سے اثر ہے گرمیِ بزمِ سخن
وہ خدائی کر گیا اور یہ پیمبر ہو گیا

بیقراری بڑھتے بڑھتے بیخودی ہوجائیگی　　زندگی اک دن حجابِ زندگی ہوجائے گی
تا بحدِ شوق فرصت دید کی ہوجائیگی　　جب یہ بزمِ ہوش بزمِ بیخودی ہوجائے گی
زندگی کے راز سے بھی آگہی ہوجائیگی　　ایک آہنگِ تپش جب زندگی ہوجائے گی
داغِ حرماں کیوں مٹاتا ہے فلک رہنے بھی دے　　کیا ترے تاروں میں کچھ اس سے کمی ہوجائے گی؟
اب ترے بیمار کا جینا نظر آتا نہیں　　ایک صورت ہے کہ اُس کی زندگی ہوجائے گی
قائلِ تقدیر ہوں لیکن بس اتنے کیلیے　　دوستی جس سے کروں گا دشمنی ہوجائے گی
پھر اُمید و یاس نے ہنگامہ برپا کردیا　　آہ پھر وقفِ کشاکش زندگی ہوجائے گی
جسم ہے بیدار لیکن روح سوتی ہے ابھی　　جاگتے ہی اسکے دُنیا دوسری ہوجائے گی
رازِ ہستی وہ کہے گا اور سُنے گا اک جہاں　　اپنی ہستی سے جسے بیگانگی ہوجائے گی
ہیں فنا نا آشنا جبتک یہ اجزائے حیات　　جسقدر ترتیب دوگے ابتری ہوجائے گی
تجکو زاہد کیا رموزِ معصیت سے آگہی　　تیرگی حد سے گزر کر روشنی ہوجائے گی
میری نظروں میں یہ دُنیا ہوگئی بزمِ خیال　　اب تصوّر میں تری صورتگری ہوجائے گی
ایک سجدے سے زیادہ عشق میں جائز نہیں　　ورنہ آلودہ جبینِ بندگی ہوجائے گی
بخیۂ چاکِ جگر زحمت ہی زحمت ہے اثرؔ　　ایک انگڑائی میں پھر حالت وہی ہوجائیگی

نگاہ پڑنے لگی میکشوں پہ ساغر کی　　نصیب چرخ ہوئیں گردشیں مقدر کی

نفس نفس میں ہے تحریک محشر دیگر کی　　یہ انتظار کی حد تم نے کیوں مقرر کی

نظر ہے دل کی طرف حسن روح پرور کی　　لطافتیں ہیں دو بالا فضا و منظر کی

وہی ہیں اسکی جفائیں وہ فلک کے پردے میں　　اگرچہ میں نے شکایت کی اور اکثر کی

زبان حال سے کہتی ہے قصۂ شب غم　　شکن مریض کے ماتھے کی ہو کہ بستر کی

ہزار نغمۂ خوابیدہ کر دیے بیدار　　کچھ اس مزے سے چبھی دل میں نوک نشتر کی

کسی کا خندۂ دنداں نما ارے توبہ　　چمک ہو نور کے تڑکے میں جیسے اختر کی

کچھ انفعال کی لذت تھی کچھ تھا عفو کا شوق　　گنہ گنہ پہ کیے اور خطا خطا پر کی

ادھر ہی پھر گئی منزل جدھر قدم اٹھا　　طریق عشق میں حاجت نہیں ہے رہبر کی

بڑے نصیب سے ملتا ہے دیدۂ بیدار　　مقام شکر ہے برگشتگی مقدر کی

نظارہ گریۂ خونیں سے گل بدامن تھا　　نہ پوچھو سیر چمن کی قفس میں کیونکر کی

نگاہ مست سے جنت کا در کشادہ ہوا　　خرام ناز سے اک موج اٹھی کوثر کی

وہ روز عید ہے جب روح قید تن سے چھٹے　　صدف سے دور ہمیشہ ہے قدر گوہر کی

اثر یہ عشق سے ہے آداب عشق ہیں کچھ اور　　گناہگار ہوے اب اگر مژہ تر کی

سماں وہ یاد ہے؟ عارض پہ جب گیسو بکھر جاتے	وہ بل کھاتے، بگڑتے تم، بگڑنے میں سنور جاتے!
نہ یہ انداز تمکیں تھا نہ یہ شیوہ تغافل کا	جو دل لیتے وہ منت سے تو شوخی سے مکر جاتے
یہ مانا پرسشِ غم حسن کا شیوہ نہیں لیکن	کوئی مشکل نہ تھی او بے وفا بس اک نظر جاتے
نہ بھی یاد ہی حرماں نے باقی عیشِ رفتہ کی	نہیں تو بات کرتے دن مصیبت کے گزر جاتے
یہ جذبِ شوق ارے توبہ، یہ بیتابی معاذ اللہ	کہ ناوک دل میں جتنے ڈوبتے اتنے ابھر جاتے!
اٹھانے والے در سے، ہاں پھر آئے ہم، مگر سن تو	یہی درسِ رہ پایا، کہاں جاتے کدھر جاتے؟
مثالِ آئنہ بے رنگ ہے ہر نقشِ حیرانی	تمنا رہ گئی تصویر میں تم رنگ بھر جاتے
کرم سے پہلے پرسش دادرِ محشر ضروری تھی	گنہگار اس طرح آبِ ندامت میں نہ تر جاتے
دمِ رفتار جنکے نقشِ پا سے پھول کھلتے ہیں	کبھی تو بھول کر گورِ غریباں سے گزر جاتے
یہ رونا ہمنشیں رونا تھا اک دنیائے حسرت کا	لہو سے آستین و جیب و دامن کیوں نہ بھر جاتے

غلط شکوہ زمانے کا گلہ تقدیر کا باطل
تمہیں کرنا جو کچھ ہوتا اثر کیا کچھ نہ کر جاتے

نفس بے کسی کا، ہم ہیں اور خلوت گزینی ہے	مشامِ جاں میں مثلِ غنچہ خوشبو بھینی بھینی ہے
ہے انجام خود بینی کہ وہ ہیں اور آئینہ	حیا کو نام رکھتے ہیں، ادا پہ نکتہ چینی ہے!

زباں قفلِ دہن ہوگی حقیقت آشنا ہو کر   کہ درسِ خامشی کی ابتدا باریک بینی ہے
صدا دیتی ہے یہ زنجیر کی جھنکار اسیروں کو   ثبات و عزم و ہمت سے تو آزادی یقینی ہے

صفائے قلب کا آغاز ہے آئینہ بن جانا
صفائے قلب کا انجام حیرت آفرینی ہے

میں دل سے بدگماں ہوں، دل مجھ سے بدگماں ہے   بیدرد یہ بھی کوئی اندازِ امتحاں ہے؟!
پُرکیف ہیں مناظر، پُرلطف ہر سماں ہے   آنکھیں ہیں جلوہ گاہیں دل دوست کا مکاں ہے
حسرت پرستیوں کا دم سے ترے مزا تھا   یادش بخیر اے دل کیا جانیے تو کہاں ہے
اے ماہِ مصرِ خوبی، معلوم تیرا ملنا   اپنی ہی جستجو میں آوارہ کارواں ہے
انسان ماہیت پر اپنی کبھی نظر کر   اے نقشِ بے ثباتی تو ہی ابد نشاں ہے
زندانِ آب و گل سے آزاد ہو چکا ہوں   آغوشِ رنگ و بو میں مدت سے آشیاں ہے
اللہ رے جوشِ غفلت، آنکھیں کھلی ہیں لیکن   سب خواب کی سی باتیں اور خواب کا سماں ہے
اے ذوقِ دردمندی ہے ضبط نام اسی کا؟   اُڑتا ہے رنگ پیہم، سینے میں دل تپاں ہے
دیر و حرم سے گزرا اب آپ سے گزر جا   ہمت نہ ٹوٹے اے دل بس آگے لامکاں ہے
دیکھو شعور دیکھو، شانِ ظہور دیکھو   کس حسن سے عیاں ہے، کس لطف سے نہاں ہے!

چشمِ خوناب بستہ کے مانند ، دل بھی ہے صیدِ خستہ کے مانند

جاگزیں یاس ہو گئی دل میں ، حرفِ خاطر نشستہ کے مانند

بے ثباتی کا آئنہ ہوں میں ، نقشِ بر خاک بستہ کے مانند

آبگینے سے آبلہ دل کا ، زخمِ انگور بستہ کے مانند

لاکھ آزاد ہوں اسیر ہیں ہم ، طائرِ پر شکستہ کے مانند

اپنے سائے سے بھی گریزاں ہیں ، صید از دام جستہ کے مانند

آس منزل کی ٹوٹتی جاتی ہے ، رہروِ پا شکستہ کے مانند

نامرادی میں دل بھی ٹوٹ گیا ، تیرے عہدِ شکستہ کے مانند

آہ گلچیں بھی مجھکو بھول گیا ، گُل بیرونِ دستہ کے مانند

کوئی محزوں نہیں ہے دنیا میں
اثرؔ دلِ شکستہ کے مانند

پردۂ ناموسِ غم جوشِ حیا ہو گیا ، رنگ اُڑا جسقدر شوخ سوا ہو گیا

آئنہ کرنے پہ بھی کوئی خفا ہو گیا ، اے دلِ ضبط آزما کیا یہ کیا ہو گیا

شعلے ہی خوبو جو تھی، شعلے سے ظاہر ہوئی ، نالۂ اثرؔ کا جس قدر اور رسا ہو گیا

اشکِ الم بہ چلے چہرے پہ بے اختیار
پھر کوئی ارمان آج، دل سے جُدا ہو گیا

دعوئ تمکین و ناز لازمۂ دلبری
ورنہ تو اُس کا ہوا جو بھی ترا ہو گیا

عشقِ خدا زاہد و تم کو مبارک رہے
اہلِ خرابات کا عشق خدا ہو گیا

در سے کوئی پھر گیا شکل دکھا کر مجھے
اور یہ کہتا ہوا "وعدہ وفا ہو گیا"

میں نے کہا کچھ نہیں، لے لے قسم تفتیش
آپ ہی کچھ زیرِ لب کہہ کے خفا ہو گیا!

زیرکین نیاز، دست طلب ہے اثر
کیا تری غیرت کو اے مردِ خدا ہو گیا!؟

بالیں پہ نہ لائے کوئی اُسے، کیا فائدہ شرما جائے گا
اب حالِ زبون و زار مرا اُس سے بھی نہ دیکھا جائے گا

چوری اُس پر سینہ زوری، چُپ تھوڑی بیٹھا جائے گا
دل چھین کے لینے والے، لے جا، اچھا دیکھا جائے گا!

وہ صید ضعیف و لاغر ہوں، سب دیکھ کے مجکو کہتے ہیں
اس بیچارے سے زخمی ہو کر کیونکر تڑپا جائے گا؟!

میں اُس سے کہوں دُکھ درد ترا بس پیری تو اے دل توبہ ہے
سب آئی گئی مجھ پر ہوگی کمبخت ترا کیا جائے گا!؟

آہ سوزاں رُکی تو رُکی، آنسو پینا فہر ہوا
اب چھالے پہ چھالا، چھالے سے چھالا پڑتا جلتا جائے گا

فریاد کا شنوا کوئی نہیں، بیکس کا سہارا کوئی نہیں
کچھ دیکھ لیا اس دُنیا میں، کچھ حشر میں دیکھا جائے گا

کیا عرضِ تمنّا کا حاصل، وہ ایک ہی پُرفن ہے اے دل
یا باتیں بنائی جائیں گی، یا باتوں میں ٹالا جائے گا

دیدار کی حسرت جو ہے سو ہے، دل کی تپش کو کیا کیجیے
بیہوشی سی چھا جائے گی جب پردہ اُٹھایا جائے گا

الزام نہ دو، ناراض نہ ہو، اس دل سے بہت مجبور ہوے
اب تم جو سہارا دو، اُٹھیں، یوں ہم سے نہ اُٹھا جائے گا

جب یاد دلایا روزِ جزا، کافر نے کہا اور ہنس کے کہا
سی جائیں گے تیرے ہونٹ آثرؔ جب نامِ وفا آجائے گا

شیوۂ جور میں انداز وفا رکھا ہے ، نام کافر نے تغافل کا حیا رکھا ہے
خون ہوتی رہے ایک ایک تمنا دل میں اُس ستمگر نے یہی جبر وفا رکھا ہے
غیرت عشق جفا کار، الٰہی توبہ اُن سے بھی اُنکی محبّت کو جُدا رکھا ہے
اشکِ خوں، لختِ جگر، پارۂ دل، داغِ الم اِک نہ اک ہجر میں غمخوار لگا رکھا ہے
آپ اور پرسشِ غمہائے نہانی کیا خوب! منہ نہ کھلوائیے اِن باتوں میں کیا رکھا ہے
یاد آیا مجھے پھر عہدِ تمنّا اپنا کیا ابھی کوئی ستم تم نے اُٹھا رکھا ہے؟
ایک مدت سے نہیں رخصت گفتار ہمیں حیرت عشق نے آئینہ بنا رکھا ہے
آپ سے کام نہیں، آپ پر الزام نہیں ، ہاں مجھے میری محبت نے مٹا رکھا ہے

حاصلِ عشق بجز عشق نہیں کچھ بھی اثر
تم نے کیوں بہر دعا ہاتھ اُٹھا رکھا ہے

دَور میں جام تو ہے، محفل جم ہو کہ نہ ہو ، مے ہے، میخانہ ہے، گلگشتِ ارم ہو کہ نہ ہو
اِسی اُلجھن میں نہ لکھا اُنھیں اب تک نامہ کوئی مضمون شکایت کا رقم ہو کہ نہ ہو
ارمغاں شرمِ معاصی کا پسند آیا ہے میں یہ ڈرتا تھا ادھر چشمِ کرم ہو کہ نہ ہو
کہتے ہیں حال اثرؔ اب نہیں دیکھا جاتا کوئی حیلہ پئے تجدیدِ ستم ہو کہ نہ ہو!

غش سجدے میں وا شوق میں آغوشِ جبیں ہے
کس درجہ دل آویز ترے در کی زمیں ہے

جس دل میں تری یاد نہ ہو دل وہ نہیں ہے
جو سجدہ ترے در پہ نہ ہو داغِ جبیں ہے

خاتم ہو سلیماں کی سلیماں کو مبارک
آیاتِ محبّت کیلئے دل کا نگیں ہے

خود حُسن بھی رہتا ہے جہاں محوِ تماشا
وہ جلوہ گہ خاص دلِ اہلِ یقیں ہے

جو آرزوئیں یاس میں تبدیل ہوئی ہیں
اُن سب کا خلاصہ نگہِ بازپسیں ہے

جُز پرتوِ خورشید نہیں منزلِ شبنم
دم بھر کی جُدائی نقطے جانِ حزیں ہے

اللہ ری نگاہِ غلط انداز کی شوخی
ہے دل میں کہیں چوٹ مگر درد کہیں ہے

کل تک تھا یہی فتنہ و آشوب کا مسکن
جس کُنج میں پلکوں کے حیا آج مکیں ہے

جو شاخ ہے انگڑائی ہے وہ شوق میں تیرے
جو گُل ہے وہ خمیازہ کشِ چینِ جبیں ہے

کچھ ہوش میں آنے کی مرے شکل بھی ناصح
یہ میں بھی سمجھتا ہوں مجھے ہوش نہیں ہے

مینوش ہیں اور گردشِ پیمانہ و ساغر
اِس منزلِ دلکش میں نہ دنیا ہے، نہ دیں ہے

بڑھ جائے ذرا تابشِ خورشید نظارہ
کچھ اور مرے سجدے کا مقصود نہیں ہے

آماجگہ تیرِ حوادث ہوں کہاں تک
آخر کوئی حد بھی دلِ آفت گزیں ہے؟

ہم اپنے گرفتار ہوئے، وائے اسیری
صیاد ہے، دانہ ہے، کماں ہے، نہ کمیں ہے

افسوں ہے کہ افسانہ ہے یا خواب ہے دُنیا ✓ سب کچھ ہے، مگر دیکھیے تو کچھ بھی نہیں ہے

مسرور آج پھرتے ہیں اترائے ہوئے سے
تو آپ کو اُس شوخ کے وعدے کا یقیں ہے!

اب دیکھتے اِدھر نہیں فرطِ حیا سے آپ ۷ باز آئے بھی تو باز نہ آئے جفا سے آپ
یہ میرا ذمّہ سُن کے ترس آئیگا ضرور واقف نہیں ہیں حالِ دلِ مبتلا سے آپ
شوخی نے کیا حیا سے کہا پیشِ آئینہ شرما رہے ہیں آج تو اپنی ادا سے آپ
یہ تو خدا نکردہ جفا کا گلہ نہیں ✓ کیوں بدگمان ہوتے ہیں ذکرِ وفا سے آپ
کہتے ہو جرمِ عشق نہ ہوگا کبھی معاف ✓ یہ بات چاہتے تھے ہم اپنے خدا سے آپ
مجرم بنا تھا لذّتِ تعزیر کے لیے ، لو اُلٹے شرمسار ہیں میری خطا سے آپ
چشمک ہے بات بات پہ، طعنے گھڑی گھڑی یا بات کر نہ سکتے تھے فرطِ حیا سے آپ
اِک روز ہو گی چشمِ عنایت بھی اس طرح کچھ منفعل تو ہیں ستمِ ناروا سے آپ

چہرے کا رنگ دیکھیے آئینے میں اثر
کہنے چلے ہیں حالِ دل اُس بیوفا سے آپ

بارہا ایامِ حریفِ غمِ دلِ ناشاد تھا — درد کم کم تھا مگر بے منتِ فریاد تھا
تب تلک وہ بھی سپندِ شعلۂ فریاد تھا — داغِ دل جو یادگارِ حسرتِ برباد تھا
اک نگاہِ یاس بسمل سے خموشی چھا گئی — پھر وہ ہنگامہ نہ وہ شورِ مبارکباد تھا
شوق کی افراط میں انگڑائیاں آنے لگیں — اُس مژہ سے کچھ مشابہ نشترِ فصاد تھا
تم نے پوچھا اس طرح حالِ دلِ خانہ خراب — یاد اب کچھ بھی نہیں، اتنا بہت کچھ یاد تھا
اب حالت پر کسی شے کو نہیں دم بھر قرار — کوئی دل شاید بنائے عالمِ ایجاد تھا
موت کہتے ہیں کسے اور زیست کس کا نام ہے — یہ بھی تیرا حکم ہے، وہ بھی ترا ارشاد تھا
تیشۂ فولاد کے عارض کا گلگونہ بنا — حیف ارزاں کس قدر خونِ سرِ فرہاد تھا

مثلِ بوئے گل کنارہ جسمِ فانی سے کیا
قیدِ رسم و راہِ منزل سے اثرؔ آزاد تھا

غمز میں آیاتِ حق اہلِ نظر دیکھا کیے — بےخبر جو تھے وہ جنگِ خیر و شر دیکھا کیے
یوں ترے جلوے ہوئے آغوشِ حیرت میں اسیر — رشک سے جھک جھک کے مجھکو بام و در دیکھا کیے
ایک اشارے کی بھی فرصت دی نہ اُن کو ناز نے — شُعے سنگِ آستاں شوریدہ سر دیکھا کیے
کیا یہی شرطِ وفا تھی، کیوں دلِ خانہ خراب؟ — پھر نہ پلٹا، راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا گنجِ گوہر کی طرف   ہم تہی دستی میں بھی جنسِ ہنر دیکھا کیے

اللہ اللہ جلوۂ جاناں تری سرمستیاں   دیکھنے والے مرا کیفِ نظر دیکھا کیے

کچھ اسیر آزاد ہو کر آشیانوں کو گئے   کچھ اسیر اپنے شکستہ بال و پر دیکھا کیے

بیکسی کا اب یہ عالم ہے، ملے جو راہ میں
دیر تک وہ ہم کو، ہم اُن کو اثرؔ دیکھا کیے

تڑپ رہے ہیں لیے دل میں حوصلے دل کے   غریب مارے ہوئے انتظارِ قاتل کے

بہار آئی کہ موسم جنوں کا آیا   سُنا رہی ہے صبا غلغلے سلاسل کے

زمانہ ساز کی پرسش پہ ضبط ہو نہ سکا   بہت سے یوں تو پڑے ہم پہ وقت مشکل کے

نہ جانے آج ستمگر نے کس طرح دیکھا   تپکتے یوں تو نہ تھے پہلے آبلے دل کے

خدا پہ چھوڑ دے اے ناخدا سفینے کو   نگاہ سے ہوئے اوجھل نشان ساحل کے

خیالِ دوست خدا کے لیے کنارہ کر   کچھ آج اور ہیں انداز شورشِ دل کے

کلیمِ طور کی موجود ہے مثال اثرؔ
کریم ہے، وہ اُٹھاتا ہے ناز سائل کے

نہ پوچھو کیف میں ڈوبے کہاں سے آتے ہیں   دیارِ حسن و درِ جانِ جاں سے آتے ہیں
یہ بیقرار جو برقِ تپاں سے آتے ہیں   نواحِ "عشقِ جنوں امتحاں" سے آتے ہیں
جہاں نہیں ہے جہاں اُس جہاں سے آتے ہیں   ہم آستانِ بُتِ بے نشاں سے آتے ہیں
چمن طرازئ دامن ہے اشکِ خونیں سے   بہار لُوٹتے ہوئے ہم خزاں سے آتے ہیں
لہو میں ہونگے شرابور جیب و دامن تک   ابھی تو اشک ہی سیلِ رواں سے آتے ہیں
قرار آئے تو کیا آئے، مُنھ کو لختِ جگر   فغاں سے آتے ہیں ضبطِ فغاں سے آتے ہیں
بُرا ہو شکِ محبّت کا، مر رہا ہوں کہ لوگ   تری تلاش کو میرے نشاں سے آتے ہیں
یہ مُدعا ہے کہ مرجاؤں فرطِ شادی سے   گئے تھے روٹھ کے وہ مہرباں سے آتے ہیں
قفس میں یادِ چمن کا صلہ یہ ملتا ہے   شرر سے اُڑتے ہوئے آشیاں سے آتے ہیں
تجلیاں جنھیں گھیرے ہوئے ہیں مہِ مثال   "وہ سجدے کر کے ابھی آستاں سے آتے ہیں"

جفا سے باز وہ آئے اثر خدا نہ کرے
کہ عاشقی کے مزے امتحاں سے آتے ہیں

نیازِ عشق جبیں کا بے نیازِ حق و باطل تھا   کیا جس خاک پہ سجدہ وہیں کعبۂ دل تھا
تجلّی زارِ جلوہ صورتِ آغوشِ محمل تھا   یہی ویرانۂ دل اک مہِ کامل کی منزل تھا

ستم تو دیکھ، پونچھے بھی تو دامن سے مرے پونچھے
وہ اشکِ یاس جن میں خوں تمناؤں کا شامل تھا

مری ناکامیاں شاہد ہیں میری کامیابی کی
مری بیتابیوں کا تشنگیِ شوق حاصل تھا

پشیماں تیرے دشمن ہوں، سرِ محشر بھی کہدوں گا
دلِ بسمل نے مارا، مفت میں یہ نام قاتل تھا

ہمیشہ وصل میں بھی رنجِ مہجوری رہا شامل
مرے اُسکے بہم ربطِ حبابِ موج و ساحل تھا

اُسے اک تربتِ گمنام پر روتے ہوئے دیکھا
وہ ظالم جس کو اندازہ ستم کا اپنے مشکل تھا

وہی مینوش ہیں، لیکن اُمنگیں وہ نہیں باقی
نگہ ساقی کی پھرتے ہی دگرگوں رنگِ محفل تھا

نہ آیا حکمِ آزادی تو پیغامِ اجل آیا
مرے کانوں میں کچھ بدلا ہوا شورِ سلاسل تھا

ق

شبِ مہتاب و بزمِ مے، چمن زار و سرود و نے
لبِ جو تھا چراغاں اور اُفق پر ماہ کامل تھا

ستاروں کی وہ چشمک اور وہ موجوں کی سرگوشی
میسر لطفِ نظارہ بقدرِ خواہشِ دل تھا

ہوئے تھے جمع کچھ احباب رنگیں طبع و خوش مشرب
خلوصِ ربطِ باہم صورتِ عقدِ انامل تھا

وہ سازوں کی ہم آہنگی، وہ مطرب کی نواسنجی
کہیں ساغر کھنکتے تھے، کہیں شورِ جلاجل تھا

صدائے قلقلِ مینا پہ رندوں میں خروش اُٹھا
تہ و بالا تھے دل سینوں میں ضبطِ شوق مشکل تھا

بس اتنی دیر میں، گردش کناں جامِ شراب آئے
کوئی تھا آہ برلب اور کوئی دست بر دل تھا

کوئی پیرِ مغاں کے نام پر اک جام کا طالب
کوئی ساقی سے خم کا خم پلا دینے کا سائل تھا

کوئی ہنستا، کوئی روتا، کوئی نشے میں سر دھنتا　　کوئی رقصاں، پا کوباں، کوئی بدستِ نوافل تھا
کوئی تیورا کے بیٹھا اور کوئی جھوم کر اُٹھا　　کسی کی لڑکھڑائی چال میں اندازِ بسمل تھا
کوئی ساغر کے بوسے لے رہا تھا جوشِ مستی میں　　کسی کو جام لینا کانپتے ہاتھوں میں مشکل تھا
یہ مستی کا یہ عالم کہ ساغر کو عرق آیا　　خیالِ توبہ و زہد و ورع اک وہمِ باطل تھا
مقابل شاہدِ دلجو، قرار و صبر کا دشمن　　تبسم جس کے ہونٹوں پر، نگہ میں سحرِ قاتل تھا
وہ کافر ماجرا آنکھیں وہ بل کھائی ہوئی زلفیں　　وہ انفاسِ مسیحا جن میں عطرِ گل بھی شامل تھا
لگاوٹ کی وہ باتیں جن سے پہلوئے وفا نکلے　　دل آزاری کے بدلے مہر و دلداری پہ مائل تھا
ادا ہر نعرۂ مستانہ پر لبیک کہتی تھی　　وہ پردہ اُٹھ چکا تھا جو کبھی مابین حائل تھا
ستارہ صبح کا ناگاہ ڈوبا آنکھ جھپکا کے　　صدائے الرحیل آئی، دگرگوں رنگِ محفل تھا
روانہ بوئے گل کا قافلہ ہوتا تھا گلشن سے　　شگفتہ پھول جو تھا دیدۂ بے نور بسمل تھا
فسردہ چند شمعیں اور کچھ گلہائے پژمردہ　　اُدھر ٹوٹے ہوئے ساغر، اِدھر ٹوٹا ہوا دل تھا
کفِ افسوس حالت پر مری ہر موج ملتی تھی　　مری حسرت کا آئینہ دلِ صد چاکِ ساحل تھا

نظر میں پھر گیا نقشہ جہاں کی بے ثباتی کا
یہی شاید سرور و عیشِ دیروزہ کا حاصل تھا

اسیرو نہ کہتے تھے بیجا ہوس ہے — یہاں پرفشانی کا حاصل قفس ہے
ابھی آرزو سے علاقہ ہے دل کو — ابھی سطحِ دریا پہ کچھ خار و خس ہے
صبا گزری دامن بچاتی اُدھر سے — مگر خاکِ پروانہ آتش نفس ہے
خموشی میں حسنِ دل زار کرنا — محبت میں بس اسقدر دسترس ہے
تجھے شوقِ عرضِ تمنا ہے اے دل — وہاں دم محبت کا بھرنا ہوس ہے

کسی نے اثر شکل منزل نہ دیکھی
یہ سودائے منزل فسونِ جرس ہے

دل کی تپش کا جو رنگ یہی ہے نالہ برقِ خرمن ہوگا
داغ جگر کے فروزاں ہونگے، تارِ نفس تک روشن ہوگا

حالِ دگرگوں دیکھ کے میرا چپکے چپکے ہنسنے والے
تیری نگہ کی تاب جو لائے دل تو نہ ہوگا، آہن ہوگا

پھیر کے منھ کو جانے والے، روزِ قیامت آنے تو دے
نظریں تیرے رخ پہ ہونگی، ہاتھ میں تیرا دامن ہوگا

فصلِ بہار تو جا ہی چکی ہے مجکو رہا کر دے صیّاد
شاخِ فسردۂ گل پر اب تک زد میں خزاں کی نشیمن ہوگا

ایک تو نیک عمل ہو تجھ سے بندے خدا کے آٹھ پہر میں
دانہ دانہ جمع کیے جا، رفتہ رفتہ خرمن ہوگا

کیا کیا وعدے وعید تھے لیکن دل جو لیا پھر سُدھ بھی نہ لی
تم تو سیدھے سادے ہو، وہ اور ہی کوئی پُرفن ہوگا

اپنی ہوائیں، اپنی بہاریں، اپنے شگوفے، گُل اور بوٹے
ہم تو نہ ہونگے لیکن اکدن ایسا ضرور یہ گلشن ہوگا

کام کیے جا، کام کیے جا، کچھ تو لیے جا، کچھ تو دیے جا
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا ہے، نام ترا کیا روشن ہوگا

چُپ نہ رہا کر، طعنے سُن کر، اپنی تو یہ ہے صلاح اثرؔ
صبر سے تیرے، ضبط سے تیرے اور وہ کافر بدظن ہوگا

کثرتِ شوق سے دل صورتِ خمیازہ ہے
جلوہ دکھلادے، مجھے ہوش کا اندازہ ہے

منتشر ہو کے ہیں اجزائے پریشاں یکجا
برہمی اِس دلِ بیتاب کا شیرازہ ہے

تو بھی کیا اپنی محبت میں گرفتار رہا
حلقۂ زلف ہے یا حُسن کا خمیازہ ہے

رنگِ گل، رنگِ سحر، رنگِ شکستہ میرا
سچ بتا کون سا مرغوب تجھے غازہ ہے

آہ پھر اُٹھنے لگیں نیچی نگاہیں تیری
دم لے بیدرد ابھی زخمِ جگر تازہ ہے

جستجو کیسی اثرؔ خواجۂ ہستی میں
گور اُس منزلِ محبوب کا دروازہ ہے

ٹوٹا بھی جو مستی میں تو یوں چور نہ ہوگا
ہر شیشۂ دل، شیشۂ منصور نہ ہوگا

اک نیم نگہ اس میں بھی کیا ہے تامل
تو دوست کسی کا بت مغرور نہ ہوگا

یہ خاصۂ خونِ شہیدانِ وفا ہے
اب تو بھی ستمگر کبھی مسرور نہ ہوگا

ہر آہ کے ہمراہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو
ہمسا بھی کوئی خستہ و رنجور نہ ہوگا

آو اثرؔ آج اُس کو درِ دل پہ صدا دیں
ہاں دور ہے، اتنا تو مگر دور نہ ہوگا

مجھکو جواب صاف نہ دے التماس کا
آباد رہنے دے چمن اُمید و یاس کا

کس درجہ دلفریب ہے، کس درجہ بے ثبات
دُنیا کہ اک طلسم ہے وہم و قیاس کا

اُمید کا شکار نہ میں صید آرزو
مارا ہوا ہوں دیدۂ عبرت شناس کا

تاریکیوں نے گھیر لیا ہے طرح مجھے
پروردگار رحم! کہ عالم ہے یاس کا

دُنیا بنائی اور کبھی عقبیٰ سنوار لی
قائل ہوں زاہدوں کے بھی ہوش و حواس کا

مانا کہ دردِ دل کا مداوا نہیں کوئی
دُنیائے عاشقی میں نہیں دخل یاس کا

آزردہ ہیں کہ تیرا تخلص ہے کیوں "اثر"
پایا صلہ یہ عرضِ نیاز و سپاس کا!

اب یہ سودا ہے کہ حاصل ہوش میں آنے سے کیا؟
کہدیا اُن مدبھری آنکھوں نے دیوانے سے کیا؟

مستِ صہبائے ازل ہوں، ربطِ میخانے سے کیا؟
شیشہ و ساغر سے مطلب، کام پیمانے سے کیا؟

بات کرلو، بیٹھے ہو خاموش بیگانے سے کیا
بے ادائی ایسے عالم میں بھی دیوانے سے کیا

ساری دُنیا مست ہے، ساری خدائی مست ہے
بادۂ گلرنگ چھلکا دل کے پیمانے سے کیا!

ذرہ ذرہ دے رہا ہے دعوتِ نظارگی
دشت اب چھوٹے تو چھوٹے تیرے دیوانے سے کیا

ایک صورت آشنا ہے ایک معنی آشنا
آئینہ خانے کو نسبت دل کے کاشانے سے کیا

دوسرے کی آگ میں جلنا بھی جلنا ہے کوئی ، بجھتے بجھتے کہہ گئی یہ شمع پروانے سے کیا؟!
داغِ ہستی لیجیے، دردِ جدائی لیجیے اور لے جاتا کوئی دُنیا کے غمخانے سے کیا
پرسشِ زخمِ جگر اور خندہ ہائے دشنہ ریز مل گیا او بے مروت میرے تڑپانے سے کیا؟
اول و آخر میں اُس کے ظاہرا نسبت نہیں کوئی جزو کم ہو گیا ہے دل کے فسانے سے کیا؟
اس طرف صحرائے امکاں، اُس طرف دشتِ عدم ایک ویرانے کو بدلا، ایک ویرانے سے کیا

خانقاہوں میں اثر کو ڈھونڈتے پھرتے تھے ہم
لو حضرت جھومتے نکلے وہ میخانے سے کیا!

ہمیشہ چاک نہ کیوں جیبِ امتیاز رہے نگاہِ مست ترا سلسلہ دراز رہے
یہ کیا کہ زیبِ مژہ اشکِ گل طراز رہے بہار جوشئ صد جلوہ ہائے راز رہے!
جو دل میں درد رہے، درد میں گداز رہے مجاز بھی ہے حقیقت، اگر مجاز رہے
کسی کے ناز سے ملتا ہوا نیاز رہے ، فتادگی میں بھی اک شان امتیاز رہے
جنونِ جلوہ در آغوش کا تقاضا ہے بہت نیاز رہا، آج شغلِ ناز رہے
کہا جو رازِ محبت وہ خود بھی راز بنا جسے جنوں ہو وہ اب لب کشائے راز رہے
اگر وہ غور کریں اپنی خودپسندی پر ذرا جو حُسن و محبت میں امتیاز رہے

مذاقِ عشق ہو کامل تو صورتِ شبنم ــــ کنارِ گل میں رہے اور پاکباز رہے
تری جناب میں اک تحفہ لے کے آیا ہوں ــــ رہے تو ہوش بس اتنا دمِ نماز رہے
مآلِ حور و جناں ہے تو حضرتِ واعظ ــــ مبارک آپ کو یہ دین خانہ ساز رہے
یہی جو گرم روی ہے تو ساتھ دیں کب تک ــــ ٹھہر ٹھہر کہ ہم اے عمرِ جلد باز رہے!
دعائے نیم شبی ہو کہ گریۂ سحری ــــ اثر سے دور نہ اے میرے کارساز رہے
حریفِ معنیٔ رنگیں نہیں ہے ذوقِ نظر ــــ وگرنہ جو ہو عیاں اس قدر وہ راز رہے؟!
قیام؛ قرب = رکوع و سجود ؟ ترکِ فنا ــــ نمازِ حب ہے کہ یہ رنگ سوز و ساز رہے
دلیلِ راہِ محبت ہے شوقِ بے پایاں ــــ خود اپنے نقشِ قدم پر سرِ نیاز رہے
وہ کون ساز ہے موزوں نہیں جو تیرے لئے ــــ جہاں میں گونج کے تو "نغمۂ حجاز" رہے
نگاہِ شوق نے ہر رنگ میں اُنھیں دیکھا ــــ نیاز و ناز پسِ پردۂ مجاز رہے

گناہگار اثرؔ شرمسار ہو شاید
کچھ اور دیر درِ توبہ اُس پہ باز رہے

نہ ہے مقدور اگر انسان یوں مجبور ہو جائے ــــ کہ جو منظور ہو تجکو وہی منظور ہو جائے
چھپائے بیٹھے ہیں دل میں وہ حسرت تیرے دیوانے ــــ زباں پر آتے آتے جو شرارِ طور ہو جائے

یہ برحق تم مسیحا ہو، مگر اُس دل کا کیا درماں ✓ جو اپنی آرزو میں آپ ہی رنجور ہو جائے
گدازِ عشق سے بھر دو مے گلرنگ شیشے میں   دوبالا جس سے اے دل نشۂ منصور ہو جائے
دلوں سے بیخبر ایسا، دلوں کی آرزو ہو کر   یہاں تک بھی نہ کوئی حُسن پر مغرور ہو جائے
نہ گزرے یاد میں تیری اگر اک سانس عاشق کی   یہ حالت ہو کہ مرنے کی خبر مشہور ہو جائے
اناالحق کی صدا گونجا کرے گی رہتی دُنیا تک   کمالِ عشق ہے، ناظر اگر منظور ہو جائے
اُسی سے ہے اثرؔ، لذّت اگر ہے زندگانی میں
وہ دل جو درد کا پیمانہ بن کر چور ہو جائے

بھول کے اُس نے اک نگاہ نہ کی   پرسشِ حالتِ تباہ نہ کی
نہیں انسان وہ، ملک ہے تو ہو   معصیت جس نے گاہ گاہ نہ کی
کیا ہوا عرش تک گئے نالے   سنگدل تیرے دل میں راہ نہ کی
یہ خلافِ اُمید اُس سے ہوا   بیکسی پر مری نگاہ نہ کی
گزری ہم غمزدوں پہ جو گزری
شکوہ کیا اثرؔ کہ آہ نہ کی

خورشید قیامت بھی نہ اس تاب سے نکلا — وہ شعلۂ سرکش دلِ بیتاب سے نکلا
ساحل سے چلے آتے ہیں طوفان کے جھونکے — کیا ہے جو سفینہ مرا گرداب سے نکلا
آلام کی حد ہے نہ مصائب کا ٹھکانا — کیا خوب نتیجہ غمِ اسباب سے نکلا
یہ کون مغنّی تھا، یہ کس کا تھا فسانہ — کہتے ہیں دھواں جنبشِ مضراب سے نکلا

پہلو میں اتر اپنے تنک مایہ ہے دل
ڈوبا تو نہ پھر چشمۂ پایاب سے نکلا

کیوں کرے شکوۂ محرومئ درماں کوئی — دل بُرا ہوتا ہے تجھ سے غمِ جاناں کوئی
لے لیا حسنِ فسوں ساز نے پیماں کوئی — لو چلا شعلہ بدل جانبِ امکاں کوئی
جا رہا ہے طرفِ گورِ غریباں کوئی — آج در پیش ہے پھر کارِ نمایاں کوئی
پہلے پیدا تو کرے دیدۂ حیراں کوئی — مل ہی جائے گی رہِ منزلِ عرفاں کوئی
جوش زن خوں ہے کہ نغموں کا ہے طوفاں کوئی — اس طرح چھیڑ گیا تارِ رگِ جاں کوئی
اپنی ہی بزمِ تمنا میں نہیں بار مجھے — خانۂ دل میں ہے اس شان سے مہماں کوئی
مجھ کو بھولے ہوئے اربابِ وطن یاد آئے — یوں ستاتا نہیں اے شامِ غریباں کوئی
قیدِ امکاں سے بھی دیوانوں کی وحشت نہ گئی — اور تعمیر ہوا ان کے لیے زنداں کوئی

اشکِ خوں زیبِ مژہ رہنے دے اے دیدۂ تر — اپنے ہاتھوں سے لُٹاتا ہے گلستاں کوئی

ذرّے ذرّے سے ہے آہنگ انا البرق بلند — وادیٔ شوق سے گزرا ہے غزلخواں کوئی

قطرہ ہے موجِ بدل، موج ہے طوفاں بکنار — بحرِ ہستی کے نہیں جوشش کا پایاں کوئی

گُلِ نظارہ سے آغوشِ تماشا بھر لے — دیکھتا ہے تجھے اے دیدۂ حیراں کوئی

پھر تڑپتے ہوئے دل ٹھہرے، ٹھہر کر تڑپے — پھر ہوا ناز سے برہم زنِ مژگاں کوئی

مدعا پوچھنے والے، تری باتوں کے نثار — اب وہ عالم ہے کہ حسرت ہے نہ ارماں کوئی

کار فرما وہ نگاہِ غلط انداز نہیں — آہ کیونکر ہو حریفِ غمِ پنہاں کوئی

عشق وہ عشق ہے بیگانہ جو ہو مطلب سے — درد وہ درد ہے جس کا نہ ہو درماں کوئی

ہوش رہتا ہے بس اتنا دمِ تحریکِ جنوں — جیسے چھینے لئے جاتا ہے گریباں کوئی

عدل کے بدلے طلب ہوتی ہے میزانِ کرم — پیش کرنے کو ہے بے برگیٔ عصیاں کوئی

ہے بہت دور اثرؔ محرمیٔ عشق و جنوں
پہلے سمجھے تو سہی رازِ گریباں کوئی

سجدے کو رہگزر تو ہے، آپ کا در نہیں سہی — رشکِ سحر جبیں نہ ہو، خاک بھری جبیں سہی

وعدہ تو کر لے بے وفا، حشر سہی، کہیں سہی — ہر گھڑی انتظار کی پھر دمِ واپسیں سہی

زخم بقدرِ یک مژہ تھا تو گریہ جذب تھا — چوٹ دلِ فگار نے پھر جو سہی، وہیں سہی
دیکھ لے ایکبار ادھر، ناز کوئی فتنہ گر — جائے بلا سے، جان جائے، دل نہ رہے، نہیں سہی
ایک ایک دشمنِ صبر و قرار چاہئے — آپ نہیں تو آپ کی یاد ہی دلنشیں سہی
جوہر آئنہ عیاں غیر کے سجدے کر چکے — بہرِ غبار سنگِ در آج مری جبیں سہی
اے کہ تری نگاہ کا طائرِ سدرہ ہے شکار — آج برائے مشقِ ناز ایک دلِ حزیں سہی

لعل و گہر سے بھر گئے دامن و جیب آز تا اثر
آخری ارمغانِ دل حصۂ آستیں سہی

ناموسِ عشق کاسۂ دستِ گدا نہ ہو — یارب دعا میں شائبۂ التجا نہ ہو
جب تک شکستِ رنگ سے دل کی جلا نہ ہو — آئینۂ مجاز حقیقت نما نہ ہو
کیا دیکھئے دکھاتی ہے جولانیِ جنوں — وہ دشت ڈھونڈتا ہوں جہاں نقشِ پا نہ ہو
وہم فراق رشکِ محبت کا ہے فسوں — بیگانہ آشنا سے کبھی آشنا نہ ہو
غفلت پسندیوں کا نہ الزام دے کوئی — اتنا ہلاکِ شوق دلِ مبتلا نہ ہو
بے عشق دیں اگر تو نہ ہرگز قبول کر — عمرِ ابد فضول جو صرفِ وفا نہ ہو
سرگرمِ جستجو کہ نہیں فکر ماسوا — منزل نہ ہو کہ رہبرِ منزل نما نہ ہو

پامالیٔ امید کی حد ہوگئی اثرؔ
یکساں ہے اب وفا ہو کہ وعدہ وفا نہ ہو

چاہتا ہے رُخ بدل دے گردشِ افلاک کا
اُڑ چلا ہے کس قدر، انسان مُشتِ خاک کا

پائے خم کی لغزشِ مستانہ کا عالم نہ پوچھ
آنکھ جھپکی اور پھیرا ہوگیا افلاک کا

میں تو کہتا تھا صبا غمّاز ہے، آنے نہ دے
آج بزمِ گل میں چرچا تھا تری پوشاک کا

آتے ہی فصلِ بہار انگڑائیاں آنے لگیں
فاصلہ گھٹنے لگا دل اور جگر کے چاک کا

وہ نظر آئے جو آنکھوں نے نہیں دیکھا کبھی
"چشمِ دل سے دیکھ جلوہ اُسکے حُسنِ پاک کا"

ناظرِ اُس گلزار کے ہم رہ چکے ہیں مدّتوں
برق کو رُتبہ نہیں جس میں خس و خاشاک کا

صید ہونے کو چلے آتے ہیں آہوے حرم
تر ہے کسکے خون سے حلقہ ترے فتراک کا

خلد کہتے ہیں کسے، معلوم ہے زاہد مجھے
ہاتھ شیشے کے گلے میں اور سایہ تاک کا!

منتظر ہیں آپ کے، کروٹ بدلنے کیلئے
اللہ اللہ یہ دماغ آسودگانِ خاک کا!

دامنِ اندیشۂ اہلِ تمنّا جل گیا
الحذر، اُف الحذر شعلہ ترے ادراک کا

اِس سے بڑھکر اور کیا ہو خوں بہائے عشق اثرؔ
سر دیا، بوسہ لیا تیغِ بُتِ سفاک کا

کسی کے کام نہ آئے تو آدمی کیا ہے ، جو اپنی فکر میں گزرے وہ زندگی کیا ہے
تجھے بھی تیرا مقابل دکھائینگے اک دن ، اگر یہ دل ہے سلامت تو بات ہی کیا ہے
کوئی نہیں ہے جو پُرساں نہ ہو غریبی میں وطن کی آس نہ ٹوٹے تو بیکسی کیا ہے
سنبھل سنبھل دل وارفتہ کچھ جواب تو دے یہ کون پوچھ رہا ہے "تری خوشی کیا ہے؟"
مٹا رہا ہے مجھے مہربان ہو ہو کر ستم ظریف یہ اندازِ دُشمنی کیا ہے
نہ حوصلہ، نہ تمنّا، نہ ولولہ، نہ اُمنگ یہ بجھی نہیں اے دل تو بجھی کیا ہے
زبانِ حال سے کہتی ہے کمسنی کی ادا شباب اور غضب ڈھائے گا، ابھی کیا ہے

دل گداختہ دردِ جاں نواز ملا
دیا خدا کا ہے سب کچھ اثر کمی کیا ہے

پڑھا جب سے کلمہ دل نے عشق داغ مشرب کا مٹا حرف غلط کی طرح اک اک حرف مطلب کا
رسائی مشتبہ ہے پھر بھی تیرے آستانے تک سفر لاکھوں برس کا طے کرے جب نور کوکب کا
تری رحمت کے صدقے اب کہاں عصیاں کی تاریکی وہ دل ہے مطلع خورشید جو گہوارہ تھا شب کا
ستارے کانپ اُٹھتے ہیں، ملک فریاد کرتے ہیں کہاں تک اے دل ہنگامہ گستر شور "یا رب" کا
سوا اسکے اثر جو کچھ کہے کوئی وہ باطل ہے محبّت اصل مذہب ہے، محبّت کام مذہب کا

نظر گزری جب پردۂ کیف و کم سے خوشی سے رہا واسطہ اور نہ غم سے
کہاں تم نے سیکھی یہ خوئے پشیماں ملاتے نہیں کس لئے آنکھ ہم سے
ترا جلوہ دیکھا حریم خودی میں رہا جب علاقہ نہ دیر و حرم سے
بڑی بات اثر ہے گنہگار ہونا
گناہوں کی تعزیر جب ہو کرم سے

کاہیکو ایسے ڈھیٹ تھے پہلے، جھوٹی قسم جو کھاتے تم
غیرت سے آجاتا پسینا، آنکھ نہ ہم سے ملاتے تم
حیف تمھیں فرصت ہی نہیں ہے، ورنہ کیا کیا حسرت تھی
حال ہمارا کچھ سن لیتے، کچھ حال اپنا سناتے تم
ننگ ہے ملنا، عار تکلم، ایک زمانہ ایسا تھا
بزم میں اپنی ہم کو بلا کر عزت سے بٹھلاتے تم
ہم وہ نہیں، یا تم وہ نہیں، تم ہنستے ہو اور ہم روتے ہیں
یا ہچکی الٹی جاتی تھی، جتنا ہمیں سمجھاتے تم

وضع بھی کوئی شے ہے آخر، دل کو اثرؔ سمجھانا تھا
در سے کسی کے اکبار اُٹھ کر کاش دوبارہ نہ جاتے تم

پرسشِ حالتِ بیمار تو کیا آتی ہے — یہ کہو آگ میں اور آگ لگا آتی ہے
دم اُلٹتا ہے، مرے ہوش اُڑے جاتے ہیں — ناخدا کیسی یہ ساحل سے ہوا آتی ہے
ہم ہیں وہ رند کہ ساقی سے جہاں آنکھ لڑی — جام میں اُڑ کے مے ہوش رُبا آتی ہے
دل ہر ذرّہ ہے جولانگہ صدیق جمال، — اور ابھی ٹُپ سے چھَن چھَن کے ضیا آتی ہے!
منزلِ ہوش تھی، رہ گزرِ بےخبری — دور سے کانوں میں اب اپنی صدا آتی ہے
لیجئے آپ نہیں ہیں جو مسیحائے زماں — کیا مجھے دردِ محبت کی دوا آتی ہے؟
تو سلامت رہے او دل کے دُکھانے والے — دردمندوں کو یہی ایک دعا آتی ہے
مشہدِ اہلِ محبت سے وہ بچ کر نکلے — شاید اس خاک سے بھی بوئے وفا آتی ہے
عشقِ شوریدہ کہاں اور کہاں خوابِ عدم — عمرِ جاوید کے پردے میں قضا آتی ہے
تو بھی آ، تیرے شہیدوں کی زیارت کیلئے — جوق جوق اُمڈی ہوئی خلقِ خدا آتی ہے
توبہ کی خیر، کہ پیغام لئے مستی کا — رنگ میں ڈوبی ہوئی بادِ صبا آتی ہے
تم تو دانا تھے اثرؔ، دل تہ کسے دے بیٹھے — کہ وفا آتی ہے جسکو نہ جفا آتی ہے!

بجوشِ طوفانِ حوادث موجبِ تسکیں ہوا   ٹل گئی کوئی بلا سر سے تو دل غمگیں ہوا
نوبہارِ ناز میں تیرے تبسم کے نثار   دامنِ نظارہ رشکِ دامنِ گلچیں ہوا
مایۂ صبر و تواں رنگیں خرامی لے گئی   رہزنِ ہوش و خرد وہ دامنِ پرچیں ہوا
اپنی اپنی جان کی اب خیر مانگیں بلہوس   سن رہا ہوں دلنوازی حسن کا آئیں ہوا
جس کو کہتے ہیں خزاں شاید ہے تکمیلِ بہار   دفترِ گلزار کا ایک اک ورق زریں ہوا
ذوقِ غم نا آشنائے شکوۂ بیداد ہے   نالہ آتے آتے لب تک نغمۂ رنگیں ہوا

ذبح کے ہنگام یوں لپٹی گلے سے تیغ اثر
حلقِ بسمل سے بلند اک نعرۂ تحسیں ہوا

طلب دعا میں نہ توفیق کے سوا کرتے   ذرا بھی ہمت اگر بندۂ خدا کرتے
شکستِ رنگ سے دل کی اگر جلا کرتے   اسے ہم آئنۂ حسنِ خودنما کرتے
کمال کو نہیں پہونچا ہے سوزِ دل ورنہ   سپند وار ہم آہنگِ فنا کرتے
لہو بدن میں رہا اور نہ آنکھ میں آنسو   اب اسکے بعد گلہ تھا اگر دعا کرتے
عجب زمانہ تھا کوئی نہ سنتا یا سنتا   فسانۂ دلِ گم گشتہ ہم کہا کرتے
تجھی کو مانگتے اے آرزوے دیدہ و دل   ترے گدا نہ اگر ترکِ مدعا کرتے

نہ دے غرور کا الزام خاکساروں کو　　کرم پہ ناز نہ ہوتا تو التجا کرتے

ہوا تو حشر کے دن اُن کا سامنا لیکن　　ہجوم عام میں کیا عرض مدعا کرتے

کیا نہ بھول کے بھی یاد مرنیوالوں کو　　کوئی تو حق محبّت کبھی ادا کرتے

تجھے سُنانے سے او سنگدل یہ بہتر تھا　　کہ اپنا دُکھ در و دیوار سے کہا کرتے

نثار سادگیٔ ناز، حکم ہوتا ہے　　فغاں تو کر، دم اُلجھتا ہے یوں جفا کرتے

کیا ہے جادے کو ہموار ٹھوکریں کھا کر　　خطا سے باز جو رہتے تو ہم خطا کرتے

خدر اُس آتش سوزاں سے جو ہو آب زدہ　　حیا کو شوخیوں سے کاش تم جُدا کرتے

جفا کے شکر پہ آزردہ ہے وفا دُشمن　　خدا کے واسطے پھر دردمند کیا کرتے

یہ خیرہ چشمیٔ نجم سحر سے ظاہر ہے　　کسی حسین کو دیکھا نہیں حیا کرتے

شکستِ دل کی صدا ہی نہیں اثر ورنہ
نہ سُننا چاہتے بیدرد اور سُنا کرتے

حال یہ ہمصفیرو قفس میں رہا　　ذائقہ مرگ کا ہر نفس میں رہا

سب کو منہ مانگی اپنی مرادیں ملیں　　میں غریب اک نگہ کی ہوس میں رہا

قافلہ دُور منزل سے ہوتا گیا　　جسقدر محو صوت جرس میں رہا

ہمنوایانِ گلشن سے کہنا صبا
دل تمہیں میں ہے گو میں قفس میں رہا
عمر گزری اسی کشمکش میں اثرؔ
دل ستمگر کے میں دل کے بس میں رہا

سو بلاؤں کی بلا اک شبِ فرقت آئی
اسکے پردے میں کئی بار قیامت آئی
پارسائی کا خیال آتے ہی آفت آئی
ٹوٹ کے اور حسینوں پہ طبیعت آئی
جام گردش میں رہا دور میں پیمانہ رہا
بزم کی بزم چھکی اپنی نہ نوبت آئی
دل سے مجبور بھی ہیں، وضع کے پابند بھی ہیں
جسقدر ظلم کئے تم نے، محبت آئی
یہ سمجھ لو کہ نہیں جذبۂ ایماں کامل
کسی دشمن سے بھی دل میں جو کدورت آئی
ہے وہی خوب کہ ہو دوست کی مرضی جسمیں
سجدۂ شکر کیا جب کوئی آفت آئی
دل نہ کافر ہے کہ خاطر جمع ہو گئی کعبہ میں
دیر والوں کی اثرؔ یاد محبت آئی

جب سے اُن سے آنکھ لڑی ہے، آنکھوں میں اپنی خواب نہیں
اُس پہ مصیبت یہ ہے ہمدم، صبر کی دل کو تاب نہیں

پوچھنے والے تو نے پوچھا، لطف، کرم، احسان کیا
لب پر آئے حرفِ تمنّا، عشق کے یہ آداب نہیں

عشق و جنوں کچھ فرداً فرداً کم نہ تھے اور جب سازش کی
ایسے بن میں لاکر مارا کوسوں جس میں آب نہیں

عشق ادھر سرشار رفا ہے حُسن اُدھر سرمست ادا
بیہوشی کا اک عالم ہے جس کا کوئی حساب نہیں

شکوے کر، یا طعنے دے، یا اور کوئی تدبیر نکال،
منّت سے اُٹھ جائے جو لے دل ایسا اُن کا حجاب نہیں

کتنے ایسے رند بھی تھے جو بزم سے تشنہ کام گئے
شکر ہے اپنے جام میں ساقی دُرد تو ہے جو شراب نہیں

عالم و فاضل جتنے دیکھے، گویا جہلِ مُرکّب تھے
دل سا معلم اور فطرت سی کوئی جہاں میں کتاب نہیں

اہلِ دل سے پوچھو اثرؔ لذّت ہے کیا ناکامی میں
ہاتھ اُٹھا بیٹھے مطلب سے، مطلب گو نایاب نہیں

خلوت میں تری دخل، یقیں کا نہ گماں کا اندیشے کو رستا نہ ملا تیرے مکاں کا

خورشید پہ ہنستا ہے ہر اک پھول جہاں کا گلچین نظارہ ہوں میں اُس گلشن جاں کا

دُنیا ہے کہ گردش میں ہے فانوس خیالی القصّہ عجب رنگ ہے اس بزم رواں کا

جس کو دم شمشیر سے تعبیر کیا ہے شیرازہ ہے وہ جادۂ آتش نفساں کا

اس طرح رہِ شوق میں برباد ہوا ہوں ہر ذرۂ برباد کو پھر شوق ہے جاں کا

شکووں میں بدل جاتے ہیں بیساختہ نالے مارا ہوا ہوں اک صنم شوخ زباں کا

ہے دست نگاریں سے ترے جام کا طالب مُنہ تو کوئی دیکھے گُلِ خمیازہ دہاں کا!

بے منّت گفتار ہیں سو معنیٔ رنگیں آنکھوں پہ تری ختم ہے یہ لُطف بیاں کا

جیسے کوئی آئینے کو آئینہ دکھادے اب دیدنی انداز ہے چشم نگراں کا

دل تا بہ جگر کارگہ شیشہ گراں ہے رُخ پھیروں کدھر اب نفس شعلہ عناں کا

صیاد نے چھیڑا وہیں افسانۂ گلشن جب قصد اسیروں نے کیا ترک فغاں کا

دیوانۂ توحید کو ہے وجد کا باعث ناقوس کی آواز ہو یا شور اذاں کا

ہشیار اثرؔ دل پہ یہی وقت ہے نازک
طوفان تھا دیدۂ خونابہ فشاں کا

کیا یہی حاصل ترا اے نالۂ شبگیر ہے
گر یہ شرار اک ابھی ہونی زنجیر ہے

یہ خدا جانے مرا دل ہے کہ تیرا تیر ہے
پہلوئے نخچیر میں اک اور بھی نخچیر ہے

آج حیرت تیرے دیوانے کی دامنگیر ہے
نالہ بے آہنگ ہے اور بے صدا زنجیر ہے

اسقدر بے اعتباری پر ہے اتنا انتظار
بے وفا یہ تیرے وعدے میں عجب تاثیر ہے

صورت آب رواں ہر گام پر ضایع ہوئے
زندگی اپنی حقیقت میں فنا تعمیر ہے

کون کہتا ہے خموشی کے زباں ہوتی نہیں
میری اُن کی گفتگو بے منّت تقریر ہے

وجہ محرومی اثر اِس عالم اسباب میں
تم کہو تقدیر ہے اور میں کہوں تدبیر ہے

اب کوئی روکے تو کیونکر سیلِ اشکِ ناب کو
بیقراری لے گئی ساتھ اپنے دل کی تاب کو

سر بسر اک صورت پامالیٔ جادہ بنے
جب ہمیں سمجھے ہیں رہ عشق کے آداب کو

داغ محرومی ہوں اپنے اضطراب شوق کا
کھو دیا شور طلب نے مطلب نایاب کو

ساز دل سے پھوٹ نکلیں نغمہائے رنگ رنگ
اُس مژہ کی اک خلش درکار ہے مضراب کو

بیقراری پر اضافہ آہ و زاری کا ہوا
یہ سمجھتے تو نہ سمجھاتے دلِ بیتاب کو

نیند کے حیلے سے وہ برہمزن مژگاں ہوا
ہمنشیں اب ہم یوہیں ترسا کرینگے خواب کو

کام جب مدعا کوئی نہیں ہوتا اثر
جیسے ہم سے دشمنی ہے عالم اسباب کو

ہنگام کرم حسرت بیداد رہیگی حالت یہی تیری دل ناشاد رہیگی
عالم کی زباں پر یہی روداد رہیگی اے عشق تری تشنہ لبی یاد رہیگی
خالی نہ رہے گا کبھی میدان محبّت فریاد سے لپٹی ہوئی فریاد رہیگی
یہ کہکے پھر اُسنے نہ سُنی میری کہانی ہر بات تری یاد ہے اور یاد رہیگی

آزادہ روی روح کی فطرت میں اثر ہے
یہ قلعۂ آہن میں بھی آزاد رہیگی

خبر تھی کسے طور بے طور ہوگا نہ وہ بزم ہوگی نہ وہ دور ہوگا
ستمگر کے اس قول نے مجکو مارا ترا قتل کیا سہل ہے، غور ہوگا
بس اتنی توقع ہے اُس بے وفا سے تغافل کے بدلے کبھی جور ہوگا

تہجد پڑھے جو درِ میکدہ پر
اثر تو نہ ہوگا، کوئی اور ہوگا

شوق میں تفسیرِ آیاتِ مبیں دیکھا کیے   سر جو سجدے سے اُٹھا، نقشِ جبیں دیکھا کیے
گریۂ خونیں سے دم بھر کو جو فرصت ہو گئی   حلقِ بسمل تھی لہو سے آستیں، دیکھا کیے
شامِ غم تھی، ہم تھے، دل تھا، سیکڑوں آزار تھے   کیا بتائیں ہمنشیں کیا کیا نہیں دیکھا کیے
کس کے در پہ ناصیہ سائی کا ان کو اذن تھا   رشک سے ایک ایک فتنے کی جبیں دیکھا کیے

تفرقہ پرداز تھا کوئی پسِ پردہ اثرؔ
اہلِ دل خاموش جنگِ کفر و دیں دیکھا کیے

کہا جو میں نے کہ بیداد کی کوئی حد ہے   کہا وفا میں تجھے بھی تو کس قدر کد ہے
تمام راستی و دلکشی و رعنائی   کہا کہ سرو؟ کہا میں نے آپ کا قد ہے
وہ بیوفا ہیں کہ ہم بیوفا، خدا جانے   حیات ختم ہے اور اُن کی آمد آمد ہے
تمام حُسن ہے دار و رسن کے پردے میں   تمام عشق ہے، منصور ہے نہ سرمد ہے
ازل سے تا بابد ایک موج ہے جس کی   محیط عشق کے طوفان کی کوئی حد ہے؟!
جہاں پہ ہوش و خرد تھک کے بیٹھ جاتے ہیں   وہی تو عشقِ جنوں آزما کی سرحد ہے
تری تلاش ہے، لیکن غرض نہیں کوئی   تری طلب ہے مگر بے نیازِ مقصد ہے
بپاسِ ختمِ رسل اور کمالِ فخر کے ساتھ   ادب ہے شرطِ اثرؔ! فقر کی یہ مسند ہے

اگر قید قفس میں ناتواں ضبط فغاں کرلیں   شکستِ رنگ سے پیدا بہار جاوداں کرلیں
یہاں منزل کہاں، جادے پہ منزل کا گماں کرلیں   مسافر بے سر و پائی کو میر کارواں کرلیں
کہوں تو کیا کہوں، کس سے کہوں، کہنے سے کیا حاصل   خموشی پر مری بیدرد جو چاہے گماں کرلیں
کبھی تھا پاس ناموس محبت، اب یہ حسرت ہے   کسی کو رازداں کرلیں، کسی کو ہمزباں کرلیں
خوشی ہو جائیگی تیری بھی اے ذوق جبیں سائی   مگر تحقیق تو پہلے کسی کا آستاں کرلیں

اثر کیا ایسی جلدی ہے، حرم کی سیر بھی ہوگی
چلیں گے، بیٹھ جاؤ، دو گھڑی ذکر بتاں کرلیں

بیخودی کا جہاں ہوا آغاز   دل سے آنے لگی تری آواز
ہاں کبھی تھا دماغ پرسشِ ناز   اب تو اپنی طرف سے عجز و نیاز
مطربِ درد، چھیڑ وہ نغمہ   لو دے آواز، جل اُٹھے رگِ ساز
خود پسندی شعار حسن ہوا   اللہ اللہ فسونِ عرض نیاز!
عشق نے طرفہ حکمرانی کی   سر محمود اور پائے ایاز!
بات کہنے میں آ ہی جاتی ہے   ناز اور ایک خستہ جاں سے ناز
لاکھ منت کرو، نہیں سنتا   دل نے سیکھے ہیں سب ترے انداز

آہ وہ اک نگاہِ تاب شکن　　اُف وہ اک شعلۂ اُمید گداز
محرمِ راز تو زمانے کا　　کوئی تیرا نہیں ہے محرمِ راز
جلوۂ نو بنو مُبارک ہو　　اے ہمہ شوخی و کرشمہ و ناز!
عشق سے حُسن بدگماں کیوں ہے　　دل کی گہرائیوں میں دفن ہے راز
رعشہ بن کر بہار میں اُبھری　　ہم اسیروں کی حسرتِ پرواز
عشق ہے ناتمام، ورنہ اثرؔ
ابھی آراستہ ہو خلوتِ ناز

ہم ازل کے بادہ پرست ہیں، تری چشمِ مست سے کام ہے
وہی شورِ مستی و میکشی، وہی ذوقِ شُرب مدام ہے
نہ دماغ سیرِ چمن مجھے، نہ نسیمِ صبح سے کام ہے
جسے ڈھونڈتی ہے شمیمِ گل، اُسی بُو سے تازہ مشام ہے
وہ نمازِ عشق ہے بلہوس نہ تیغ جس کا مقام ہے
نہ رکوع ہیں، نہ سجود ہیں، نہ قعود ہے، نہ قیام ہے

سر توبہ کس کو ہے زاہد کہ خیال توبہ حرام ہے
درِ میکدہ ہے کھُلا ہوا، کفِ میفروش میں جام ہے

ہوسِ تعین بندگی، نہیں شان اہل نیاز کی
کبھی سیر دیر و حرم کی ہے، کبھی رہگزر ہی مقام ہے

غم ہجر جاے تو جاے کیا، جو قرار آے تو آے کیا
دل شوق کشتہ ہے وہ بلا، جسے عین وصل، پیام ہے

کبھی منزل بہ چارہ تھا جو دل، وہ کاہش ہجر سے
دم صبح اب ہے بجھا ہوا تو رندھا ہوا سر شام ہے

وہ ہے سرگزشت بلاکشاں کہ اگر ملے لب ناتواں
یہ اشارہ ڈوبتے دل کا ہے کہ یہیں یہ قصّہ تمام ہے

کہے کون محو جمال سے، ترے جلوے دل میں اسیر ہیں
جسے تو سمجھتا ہے آئنہ، اسی صیدگاہ کا دام ہے

تو ہی آب و رنگ بقا سہی، تو ہی نقشبند قضا سہی
تو عطا سہی، میں خطا سہی، مری وجہ سے ترا نام ہے

جو شرابِ پختۂ عشق ہے وہ تمام نشہ ہے پُر اثر
تجھے ہے شکایتِ دردِ سر ترے جام میں مئے خام ہے

نقش ابھرا اس قدر رعنا تری تصویر کا   شغل ہے لغزش نگاری کاتبِ تقدیر کا
کار زما کیا کروں، لکھا مری تقدیر کا   اک نہ اک پہلو نکلتا ہی رہا تدبیر کا
بس سے بہتر تھا تغافل او کرم نا آشنا   درد مندوں سے گلہ بے ربطیٔ تقریر کا!
میں نے مانا پر تو حسنِ حقیقت ہے مجاز   رنگ سے خالی ہے لیکن آئنہ تصویر کا

جیسی بھی چاہے قسم لے لے جو کچھ سمجھا ہوں میں
لذتوں میں گم ہوا مطلب تری تقریر کا

اب یہی ناکامیاں ہیں سعی کا حاصل مجھے   خضرِ منزل رہنے دے بیگانۂ منزل مجھے
ڈھونڈتا تھا میں تجھے اب ڈھونڈ تو منزل مجھے   لے چلی ہے بیخودی سوئے دیارِ دل مجھے
میں سمجھتا تھا کہ آہِ ناتواں ہے بے ضرر   کیا خبر تھی پھونک دیگا شعلۂ کامل مجھے!
مقتضائے شوق، جاں نذرِ تمنّا کیجئے   آرزوئے جاں کہ رہنے دے یونہیں بسمل مجھے
دیکھ کر چھٹکے ہوئے تارے بساطِ چرخ پر   یاد آتا ہے کوئی برہمزنِ محفل مجھے
ہوشیار اے احترامِ سجدہ ریزی ہوشیار   لے چلا باہر حدِ بندگی سے دل مجھے

جب کبھی دیکھی فشارِ موجِ طوفاں میں کمی	اپنے دامن کی ہوا دینے لگا ساحل مجھے
یہ ہیں معنی لن ترانی کے زبانِ حسن میں	مانگتا مجھ سے نہیں کیوں دید کے سائل مجھے؟!
ختم کرنا تھا قضیہ آبلوں سے خار کا	تو بھلا کیا روکتی اے دوریٔ منزل مجھے!
ماورائے کفر و دیں ہے مسلکِ اہلِ نظر	ماسوائے عشق ہے جو کچھ وہ ہے باطل مجھے

اُن کا جلوہ اور آغوشِ نظارہ ہو اثر
چین لینے دے جو دم بھر اضطرابِ دل مجھے

نہ گھبراؤ اسیرو پھر چمن میں آشیاں ہوگا	گل اپنے، باغ اپنا اور اپنا باغباں ہوگا
وفورِ شوق میں کیا مدعائے دل بیاں ہوگا	یونہیں خونِ جگر بے لذتِ کام و دہاں ہوگا
نیازِ عشق نازِ حُسن کا جب راز داں ہوگا	عیاں جو ہے نہاں ہوگا، نہاں جو ہے عیاں ہوگا
یہ محویت اگر ہے دیدۂ دیدار سودا کی	لطافت میں نظارہ موجِ گل سے ہمعناں ہوگا
تپش زارِ جنوں ہے عشق کے وادی کا ہر ذرّہ	بجائے نقشِ پائے رہرواں دل کا نشاں ہوگا
مقدر نے جو پہنچایا بھی اُن کے آستانے تک	یہی دل ہے تو ہم کو ہوش سجدے کا کہاں ہوگا
نہ تم کو رحم آتا ہے نہ مجھکو موت آتی ہے	نہ تم سا سنگدل ہوگا نہ مجھ سا سخت جاں ہوگا
محبت کی یہ نیرنگی کہ گھر جنکے لئے چھوٹا	مری نسبت وہ کہتے ہیں" کوئی بے خانماں ہوگا"

پہ چند عمل میری کچھ ایسے ہی معاصی ہیں کہ تیرے عفو کا اے میرے مالک امتحاں ہوگا
تمھارے تشنگانِ ناز فارغ ہیں قیامت سے یہی مستیاں ہونگی، یہی خوابِ گراں ہوگا
مآلِ عیش غم ہے، غم سے خوگر ہو اثر ورنہ
ہجومِ نامرادی کارواں در کارواں ہوگا

رندی ماتحتِ جام کیسی تخصیصِ مے و مقام کیسی
کیا مشورہ اے غمِ محبت لب تشنگیٔ مدام کیسی؟
کوئی حسرت کبھی تو نکلے بے جلوۂ صبح، شام کیسی؟
حسرت کہتی ہے میرے حق میں یہ نعش ہے "خودخرام" کیسی!
تم کو جینا اثر کب آیا
پھر حرصِ بقائے نام کیسی

گم گشتگانِ شوق کا کوئی نشاں نہ تھا جز گردِ کارواں اثر کارواں نہ تھا
منشائے التفات بجز امتحاں نہ تھا سمجھے تھے مہرباں ہے مگر مہرباں نہ تھا
خوں نابِ اشک آنکھوں سے جبتک رواں نہ تھا دل آشنائے کیفِ بہار و خزاں نہ تھا
یہ بھی نصیب، مائلِ پرسش وہ جب ہوئے جو میرا مدعا تھا، مجھی پر عیاں نہ تھا!

کیوں غارت چمن پہ اُتر آئیں بجلیاں   کیا ان کی رہگزر میں مرا آشیاں نہ تھا؟
تو نے سُنا بھی کچھ مرے حسرت نصیب دل   تھا امتحان ناز ترا امتحاں نہ تھا
اے ذوق نارسا تری غیرت کو کیا ہوا   پیغام شوق کے لئے پیک نغاں نہ تھا
بے پوچھے اب تو لب پہ سخن لاکھ لاکھ ہیں   وہ دن گئے کہ شوق حریف بیاں نہ تھا
بھُولے سے نام عشق نہ لینا تھا بلہوس   جب عصمت خیال کا دل پاسباں نہ تھا
پیدا کیا سجود نے اہل نیاز کے   جس تک رسا ہو عقل، ترا آستاں نہ تھا
پامال یاس ہو گئی دنیائے آرزو   یوں بھی مٹائے گا، مجھے دل پر گماں نہ تھا
دشمن سے بھی بدی کا نہ آیا کبھی خیال   ناآشنا کسی سے ترا رازداں نہ تھا
جاتے کہاں خدائی کے باہر گناہگار   تیری زمیں نہ تھی کہ ترا آسماں نہ تھا؟
پروانے کی لطافت مشرب ہے جائے رشک   کمبخت جل کے خاک ہوا اور دھواں نہ تھا
ایک ایک موئے تن سے اُٹھا شور الاماں   القصہ کوئی حاصل ضبط نغاں نہ تھا
حیرت فزوشی نگہ شوق کچھ نہ پوچھ   جبتک جھکوں میں سجدے میں وہ آستاں نہ تھا

نامحرمی کا حسن کی شکوہ فضول ہے،
کس دن خودی کا پردہ اثر درمیاں نہ تھا

نازاں جبیں ہے مجھ پر، نازاں ہوں میں جبیں پر — سجدے ہیں یا ستارے بکھرے ہوئے زمیں پر
قاتل کا ہاتھ کانپا آیا عرق جبیں پر — یوں ایک ناتواں نے سر رکھ دیا زمیں پر
میں کیا بتاؤں کیونکر عہد فراق گزرا — نقش و نگار گریہ کچھ ہیں تو آستیں پر
شرمندہ ہیں اجل سے، محتاج زندگی کے — وقت اخیر ورنہ کیا عرق جبیں پر
اک بیگنہ کے خوں کی تاثیر اللہ اللہ — تڑپی ہے وہ زمیں بھی ٹپکا ہے جس زمیں پر
سرمایۂ جراحت، بے منت جراحت — قربان عیش و راحت اس درد دلنشیں پر
مہتاب کی ہیں کرنیں غرق شراب گویا — ساغر نہیں ہے ساقی کے دست نازنیں پر
چھینٹیں کہیں لہو کی، سرخی کہیں شفق کی — گلکاریاں ہیں کیا کیا مقتل کی سرزمیں پر
اُس نے خموش رہ کے بے موت اُن کو مارا — حسرت جنھیں تھی دینگے جاں نذر اک "نہیں" پر
ہم اضطراب کشتہ، اب ہیں حجاب کشتہ — یا دیکھتے تھے اُن کو یا ہے نظر زمیں پر
لبیک کہہ رہا ہے ایک اک لہو کا قطرہ — جاری ہے رقص بسمل قاتل کی آفریں پر
جب ہم سے بات کرنا، غصے سے بات کرنا — دل بھی یونہیں لیا تھا؟ انصاف ہے تمھیں پر

حیران تم ابھی تھے، بیتاب تم ابھی ہو
سچ سچ اثرؔ بتاؤ دل آیا کس حسیں پر؟

ہزار سامان نامرادی بہم کئے ہیں، بہسم کرے گا
یہی جو دل ہے تو درد مند دا ابھی نہ کیا کیا ستم کرے گا

نہ بھولو اعجاز لعل لب پہ فسوں بھی دم بھر میں دم کرے گا
دکھا کے زلفیں چھپا کے عارض خراب دیر و حرم کرے گا

قیامت آنکھوں کی نیم خوابی، غضب نگاہوں کی برق تابی
وہ چال جیسے کوئی شرابی، نہ جانے کس پر کرم کرے گا؟

ابھی تو ہے اک شکن جبیں پر، تمام نشتر، خلش سراسر
چلے گی تلوار سی دلوں پر ذرا جو ابرو وہ خم کرے گا

جو عقل ہوگی شکار وحشت تو ہوش ہونگے نثار وحشت
جسے ہوا اعتبار وحشت وہ اپنے سائے سے رم کرے گا

یہ سچ ہے وعدہ کیا ہے تم نے، یہ مانا وعدہ وفا کروگے
اگر یہ دل خوں ہوا نہ جبتک، تڑپ تڑپ کے ستم کرے گا

نہیں ہے موقوف کچھ تمھیں پر، تمھیں عبث انفعال کیوں ہے
اثر کا افسانہ بیکسی کا سُنے گا جو بھی وہ غم کرے گا

ملتفت ہو کوئی اندیشہ ہی اندیشہ ہے کس طرف دھیان ترا اے دلِ غم پیشہ ہے

صلۂ محنت برباد ملے گا شاید کانپتے ہاتھ ہیں فرہاد کے اور تیشہ ہے

ہوش میں اب نہیں آنے کے ترے دیوانے خارشِ فرقِ سرِ مجنوں ناخنِ اندیشہ ہے

تجھ سے رنگین ہے دنیائے تخیل میری تجھ سے آباد مرا گلشنِ اندیشہ ہے

بے نیازِ غمِ ہستی نہ ہو کس طرح اثرؔ

جوہرِ عشق سے پرداز رگِ ریشہ ہے

دل سے رخصت ہر اک امید ہوئی آج ہم غمزدوں کی عید ہوئی

دوسرے گاہ گاہ ایک نگاہ اس کو بھی مدت مدید ہوئی

میرے ہی شوق کا وہ پرتو تھا میں سمجھتا تھا ان کی دید ہوئی

دلِ غمدیدہ کانپ کانپ اٹھا یاس کے بعد جب امید ہوئی

داغِ حسرت مٹے گا آپ اثرؔ

نقشِ باطل جہاں امید ہوئی

دامن نہیں رہا کہ گریباں نہیں رہا وحشت کو تھا پسند جو عنواں نہیں رہا

طاعت میں جوشِ مستیِ عرفاں نہیں رہا جب کفر غازۂ رخِ ایماں نہیں رہا

شیرازۂ خیال کو بکھرا گیا کوئی	وہ لطف خوابہائے پریشاں نہیں رہا
مسدود ہو چکی ہے رہ بازگشت ہوش	صحرا بقدر وسعت زنداں نہیں رہا
مشرب میں اہل درد کے ہے وہ بھی گناہگار	اپنے خیال کا جو نگہباں نہیں رہا
بے اعتماد راہ محبت ہے کس قدر	آپس میں اتحاد تن و جاں نہیں رہا
حلق بریدہ نالہ، نفس سرمہ در گلو	چپ بھی ہوں اور ضبط کا امکاں نہیں رہا
غیرت کو ناگوار الم ناتمام تھا	صد شکر کوئی حال کا پرساں نہیں رہا
تحریک ہے جنوں کی وہی، فصل گل وہی	لیکن وہ ربط دست و گریباں نہیں رہا
پہلی سی درد دل میں وہ لذت نہیں رہی	مدت سے آنسوؤں کا وہ طوفاں نہیں رہا
مژگاں لہو میں تر ہے نہ دامن لہو میں تر	گلپوشیٔ بہار کا ساماں نہیں رہا
شامل نہ کر لیا تجھے عیش وصال میں	نادم ہوں دھیان اے شب ہجراں نہیں رہا
بیدادہائے پرسش درد جگر نہ پوچھ	وہ ذوق بے نیازیٔ درماں نہیں رہا
کب ہوش تھا تجھے دل دیدار آرزو	پیش نگاہ کب رخ جاناں نہیں رہا
آنکھیں ہیں بند جلوۂ بے رنگ کے لئے	مجکو دماغ سیر گلستاں نہیں رہا
جب آیا نام بادہ اک انگڑائی آگئی	کب میرا ذوق توبہ پشیماں نہیں رہا

میں خندہ ہائے گل کو سمجھتا تھا بے سبب   اب جو نگاہ کی تو گریباں نہیں رہا!
وہ ننگِ خانماں ہے ادب گاہِ عشق میں   جو پارۂ جگر سرِ مژگاں نہیں رہا
احسان میرے سر پہ تمنائے بے قیاس   اظہارِ مدعا کا بھی امکاں نہیں رہا
دیکھا ہزار بار تو بھولا ہزار بار   آئینہ دار کب مجھے نسیاں نہیں رہا
اک گونہ التفات بھی اے چشمِ فتنہ ساز   کچھ امتیازِ تلخئ دوراں نہیں رہا

ایسا بھی کوئی محوِ نظارہ نہ ہو اثرؔ
ناداں ہراس جنبشِ مژگاں نہیں رہا!

ہلاک وہم فراق کیوں ہے، تجھے کچھ اپنی خبر نہیں ہے
تلاش جسکی ہے کب وہ دل میں برنگ موج گہر نہیں ہے

وہ سیر گاہ خرد نہیں ہے، وہ جلوہ زار نظر نہیں ہے
جہاں ہے اُس جان جاں کی منزل وہاں خودی کا گزر نہیں ہے

ادب گہ ناز میں حضوری بغیر درد جگر نہیں ہے
خیال عرض نیاز بیجا، مژہ لہو میں جو تر نہیں ہے

مآل سے بے نیاز ہوکر طریقِ اُلفت میں گامزن ہو
اسی میں ہے رازِ دلکشی کا کہ مبتدا ہے، خبر نہیں ہے

نسیمِ صبحِ بہار ہوکر کسی کی نکہت سے آشنا ہو
ہوس کو پیغامِ بیخودی دے، ہوس بجز دردِ سر نہیں ہے

سحر کی رعنائیوں میں گم ہو، شفق کی رنگینیوں میں کھو جا
قلمرو ہوش سے گزر جا، وہ جلوہ منت نظر نہیں ہے

بنائے آشوبِ حشر ہوکر جگر سے مستانہ وار نکلے
وہ نالۂ بے نمکِ دردمندی جو سرِ مجیب اثر نہیں ہے

غرور تجھ سے ہے، ناز تجھ سے، یہ بزمِ راز و نیاز تجھ سے
حقیقت آئینہ ساز تجھ سے، کہاں نہیں ہے کدھر نہیں ہے

بساط آرائیاں تو ایسی کہ لحظہ لحظہ نئی ہے دنیا
مگر یہ ہستی، یہ رنگِ ہستی، کہ پا ثبات شرر نہیں ہے

ادب شناسِ رہِ وفا ہوں، نہ پوچھ کیا مدعا ہے تیرا
زبان مطلب سے آشنا ہو، یہ عاشقی کا ہنر نہیں ہے

اُٹھی جو مینا سے موجِ صہبا، دلوں میں ڈوبی سرور ہو کر
نظر میں اُبھری تو نور ہو کر، نظر کو لیکن خبر نہیں ہے

ورق زمانے کا ایسا اُلٹا کہ پُر تکلف تھے جن کے بستر
پڑے ہیں یوں خاک سے برابر کہ خشت بھی زیرِ سر نہیں ہے

ضیائے خورشید ذرہ پرور سے گوشہ گوشہ ہوا منوّر
بس ایک ہم ہیں وہ تیرہ اختر کہ جنکی شب کی سحر نہیں ہے

نہ چھیڑیے گا نہ بولئے گا کہ اب ہے کچھ دن سے اور عالم
جسے رُلاتے تھے آپ ہنسکر، اثر وہ پہلا اثر نہیں ہے

نتیجہ اے دلِ خانہ خراب دیکھ لیا؟ سوال کیا تھا؟ ملا کیا جواب! دیکھ لیا؟
وہ اور پرسشِ غم! انقلاب دیکھ لیا؟ ہم اور کچھ نہ کہیں، اضطراب دیکھ لیا!؟
مزا ہے جینے میں، لذت ہے جان دینے میں ہزار شکر محبّت کا خواب دیکھ لیا
نیاز مندِ محبت گناہگار ہوئے فلک کی سمت دمِ اضطراب دیکھ لیا
اب اسکے بعد گلہ عشق کی ہے رسوائی عتاب کے پس پردہ حجاب دیکھ لیا
وہ دل ہے طورِ تجلّی، وہ دل کلیمِ طور جسے بھی تم نے اُلٹ کر نقاب دیکھ لیا

گلوں سے رنگ کے بدلے عرق ٹپکتا ہے ۔ شباب اور تمھارا شباب دیکھ لیا
جھجک نکل گئی دل سے مرے نظارے کی ۔ یہ کس طرح نگہ پُر حجاب دیکھ لیا
بہار آئی، گئی، بار بار آئی، گئی ۔ مگر نہ آیا وہ مست شباب دیکھ لیا؟!
حیات و مرگ کی تفریق اعتباری تھی ۔ جب آنکھ کھول کے مثلِ حباب دیکھ لیا
خوشی خوشی نہ رہی اور الم الم نہ رہا ۔ ہر انقلاب میں ایک انقلاب دیکھ لیا
یہ شوقِ دید میں آنکھوں کا رنگ ہے جیسے ۔ اچانک آئنے میں آفتاب دیکھ لیا
رگوں سے کھینچ کے دم آیا، اثر کی آنکھوں میں
کبھی جو توبہ میں دورِ شراب دیکھ لیا

نثار، جذبِ محبت! ترے نثار ہوں میں ۔ کہ اک جہانِ تجلی سے ہمکنار ہوں میں
تمام نشہ تھا، اب سر بسر خمار ہوں میں ۔ خزاں نہ مجھکو سمجھ، حاصلِ بہار ہوں میں
ٹہوکے دینے لگا دل، جہاں پلک جھپکی ۔ وہ شوق کشتۂ بیداد انتظار ہوں میں
یہ کیا ستم ہے کہ آتا نہیں ہے رشک تجھے ۔ ترانہ سنج ستمہائے روزگار ہوں میں!
ابھی اٹھی ہے تمناؤں کی صفِ ماتم ۔ نہ چھیڑ اے غمِ ہستی کہ سوگوار ہوں میں
اگر یہی ہے تلوّن تو دن وہ دور نہیں ۔ کہ آپ وعدہ کریں اور شرمسار ہوں میں

یہ ستم کس لئے؟ جسکو مٹا دیا تمنے — اُسی جہان وفا کی تو یادگار ہوں میں
دل غیور کے صدقے، کہ ملکے خاک میں بھی — نہ بیٹھے جو کسی دامن پہ وہ غبار ہوں میں

خدا ملے نہ ملے ، ماسوا ملے نہ ملے
کبھی تو راز دوئی سے اثر دوچار ہوئے

صبح طرب تھی آشکار، عہد فراق خواب تھا — طرّہ کشائے صد بہار، جلوۂ بے نقاب تھا
سنبل و گل سمن سمن، موج صبا شکن شکن — خون رگوں میں موجزن مثل شراب ناب تھا
اوس میں ڈوبے پھول تھے، چھلکے ہوئے ایاغ مے — پھول جو تھا گلاب کا، شیشۂ پُر گلاب تھا
باد سحر کی مستیاں، غنچوں کی نرم مسکیاں — ایک سے ایک ملتفت، کہنے کو اجتناب تھا
خندۂ گل کی التجا نالۂ عندلیب میں — نالۂ عندلیب کا خندۂ گل جو اب تھا
پھوٹ رہی تھیں کونپلیں، جھوم رہی تھیں ڈالیاں — موج ہوا میں سر بسر کیف مے شباب تھا
نشے میں ڈھونڈنے لگا ساز مغنّئ نمو — شاخ جو تھی وہ چنگ تھی، برگ جو تھا رباب تھا
ایک طرف تھی آبجو کھوئے ہوئے کنار شوق — خیرہ مثال چشم گل دیدۂ ہر حباب تھا
ایک طرف تھیں چشمکیں ساقی شوخ و شنگ کی — جام کی گردشیں نہ تھیں، دور میں آفتاب تھا
حسن کرشمہ ساز ادھر محو غرور دلبری — عشق خلش نواز ادھر پیکر اضطراب تھا

آنکھیں جو چار ہو گئیں، جیسے قیامت آگئی ۔۔۔ تیوری تھی چڑھی ہوئی، زلف کو پیچ و تاب تھا

عشق نے اک نگاہ میں بھر دیا جذب اس قدر ۔۔۔ حسن ستیزہ خو معاً شرم سے آب آب تھا

ماتھے پہ کچھ عرق بھی تھا، کانپ رہے تھے ہونٹ بھی ۔۔۔ باطنی اضطراب کا چہرہ کھلی کتاب تھا

نظروں میں منتیں بھی تھیں اور ملامتیں بھی تھیں ۔۔۔ وعدۂ مہر تھا کبھی اور کبھی عتاب تھا

نام کو تھا بس امتیاز حسن میں اور عشق میں ۔۔۔ ناز تھا سر بسر نیاز، پردہ فقط حجاب تھا

معرکہ ختم یوں ہوا، فتح شکست ہو گئی ۔۔۔ عشق نبرد آزما اپنے پہ فتحیاب تھا

نظریں جو اُنکے رُخ پہ تھیں سوئے زمیں جھک گئیں ۔۔۔ آنکھوں میں تھے سرشک خوں، سینے میں دل کباب تھا

پھر تھی وہی فتادگی، پھر وہی درد و خستگی ۔۔۔ دل کہ تھا جلوہ گاہ دوست، غمکدۂ خراب تھا

پھر وہی آہ آہ تھی، پھر وہی دور ابتلا ۔۔۔ پھر وہی سوز ہجر تھا، پھر وہی التہاب تھا

جوش جنوں میں یا کبھی لب پہ یہ مصرع اثر
"صبح بہار وہم تھی، عہد نشاط خواب تھا"

دلنوازی قصۂ پارینہ ہے ۔۔۔ گھر کے بدلے نفاق و کینہ ہے

سامنے مغرور کے جھکتے نہیں ۔۔۔ یہ ہماری عادت دیرینہ ہے

خود نمائی خود پسندی اک طرف ۔۔۔ اب تو محبوب آپ کا آئینہ ہے

ہے شب مہتاب، زاہد پی بھی لے — توبہ کی خاطر شب آدینہ ہے
پوچھتے کیا ہو گداز دل کا حال — آبگینے کی طرح آئینہ ہے
تشنہ کامان محبت کا خمار — یادگار مستیٔ دوشینہ ہے

آہ دانستہ تغافل ہے اثرؔ
اُس پہ سب حالت مری آئینہ ہے

اضطراب ذبح نشتر زن رگ بسمل میں ہے — ایک قاتل سامنے ہے ایک قاتل دل میں ہے
آنکھیں اُس کو ڈھونڈتی ہیں جلوہ جس کا دل میں ہے — لیلیٰ محمل ابھی تک پردۂ محمل میں ہے
ایک طوفان تمنا سینۂ بسمل میں ہے — کیا ادائے دلنوازی خنجر قاتل میں ہے
تو بھی اک دن سیر کر میرے دل پُر داغ کی — حُسن کی آئینہ بندی عشق کی محفل میں ہے
شوق خود بینی تو دیکھو منھ چھپانا اک طرف — اپنی حسرت کا تماشائی دل بسمل میں ہے
کب پھرا محروم کوئی حُسن کی سرکار سے — کچھ نہیں تو اشک حسرت دامن سائل میں ہے
وہ ہوئی پُرسش پہ مائل وہ نگاہ منفعل — اب ہی وہ دل میں جو حسرت بھی جبکے دل میں ہے
چھپ نہیں سکتا چھپائے سے غرور دلبری — ہر ادا ہے کشمکش میں ہر نگہ مشکل میں ہے
لذتوں میں گم ہوا ہے مدعائے جستجو — کس غضب کی دلکشی محرومیٔ حاصل میں ہے

حسن جس کو دیکھ کر محوِ خود آرائی ہوا، ایسا بھی اک جلوۂ رنگیں حریمِ دل میں ہے
دیدۂ حق آشنا سے دیکھ اور زاہد بنا کون یہ ہنگامہ آرا پردۂ باطل میں ہے
ایک تو غفلت کا شکوہ پھر تقاضائے جواب باز آ اے دل کہ وہ جانِ حیا مشکل میں ہے
خواب میں بھی شکل منزل کی نہ آئے گی نظر راہرو تمیز جب تک جادۂ منزل میں ہے
تھا پیامِ مرگ ناکامی پیامِ عافیت میں سمجھتا تھا سفینہ دامنِ ساحل میں ہے
نکہتِ آوارہ ہو جا، یا نسیمِ بے دیار وہ کہاں منزل میں جو کچھ حسرتِ منزل میں ہے؟
پیچ و تابِ دل کہاں، سوز و گداز دل کہاں یوں تو پروانہ بھی ہے اور شمع بھی محفل میں ہے
آج تھا کون آبلہ پا بادیہ گردِ جنوں جادہ ہے رم خوردہ، شانِ رفتگی منزل میں ہے

طرحِ غالب میں غزل کہنا نہیں آسان اثر
"رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے"

یہ خمارِ عشق ہے ظالم تماشائی نہ ہو جام کا خمیازہ یا مینا کی انگڑائی نہ ہو
حاصلِ عمرِ ابد جز مرگِ رسوائی نہ ہو تیری تیغِ ناز سے جب مشہد آرائی نہ ہو
جب تقاضا بند کا ہو اور تنہائی نہ ہو اُف وہ کیفیت کہ ہو بھی اور انگڑائی نہ ہو
دل وہی دل ہے کہ جس کی زندگی ہو اضطراب غم وہی غم ہے کہ تم سے بھی مسیحائی نہ ہو

کس طرح کھلے گی کہ ہے رمز آشنائے بیخودی — جسکو حاصل انجمن میں لطفِ تنہائی نہ ہو
بزمِ رندانِ بلاکش ہے یہ بزمِ جم نہیں — طرح مینوشی یہاں بے اشکِ مینائی نہ ہو
امانت جس کی ہے اُس کو طلب کرنے تو دے — اسقدر بیتاب اے جانِ تمنائی نہ ہو
زمرۂ عشاق میں ہونے لگے تیرا شمار — اسقدر بھی خود پسند اے جانِ رعنائی نہ ہو
میں تو مجرم ہوں بہر صورت، مگر انصاف کر — آنکھ شرمائی تو ہو اور آنکھ للچائی نہ ہو
اذنِ عرضِ مدعا تھا، آگیا لب پر گلہ — یوں کسی دشمن سے بھی ترکِ شکیبائی نہ ہو

ایسی توبہ ٹوٹتے کیا دیر لگتی ہے اثرؔ
جام کب دیکھا کہ تیری آنکھ بھر آئی نہ ہو

عشق افسانہ سازِ ہستی ہے — زندگی بے نیازِ ہستی ہے
آہ سرمایۂ طرب تھی کبھی — اب وہ خجلت طرازِ ہستی ہے
زندگی نام ہے محبت کا — ورنہ بیہودہ نازِ ہستی ہے
کچھ وہی رازِ زندگی سمجھا — جسکے دل میں گدازِ ہستی ہے
رفعتِ سجدۂ حرم منظور — اس سے بالا نیازِ ہستی ہے
ہاں نہ کھانا فریب زاہد کا — اور ہی کچھ نمازِ ہستی ہے

کان سننے لگے نوائے عدم　　ختم بس ترکتاز ہستی ہے
جسکو ہم بیخبر فنا سمجھے　　برگ ہستی ہے ساز ہستی ہے
کیا حقیقت سے ہو دو چار اثرؔ
جو گرفتار آز ہستی ہے

کبھی لذت کش خمیازۂ مستی نہ ہوا　　زاہد خشک ملک ہے تو ہو، عاصی نہ ہوا
آہ واماندگیٔ عشق، ترے کہنے سے مر　　میں نے چاہا کہ نہ چاہوں تجھے، یہ بھی نہ ہوا
کس قدر شوخ تھی وہ ایک نگاہ مبہم　　لاکھ معنی تھے، دل آسودۂ معنی نہ ہوا
رات اک رند خرابات یہ کہتا تھا اثرؔ
سجدہ ہے داغ جبیں دل جو نمازی نہ ہوا

ارمان ہیں تیرے دل ناشاد نرالے　　ایسا ہو کہ وہ شوخ تجھے پاس بلالے!
مجھسے نہ برا ہوگا کوئی اب جو کہا کچھ　　کیا خوب عجب تونے تو اطوار نکالے!
بس ہوش میں آ، دیکھ نتیجہ نہیں اچھا　　ناداں سنبھل، جان کے پڑ جائینگے لالے
سمجھایا بہت حیف مری بات نہ مانی　　ہنگامہ بپا کرنے لگے ہجر میں نالے
وہ گریۂ جانسوز کہ ہر اشک تھا چھالا　　وہ آہ شرر ریز کہ جل اُٹھتے تھے چھالے

اس طرح تڑپتا تھا لہو روتی تھیں آنکھیں آنکھیں تھیں کہ لبریز لہو سے تھے پیالے
القصہ وہ عالم تھا کہ پھٹتا تھا کلیجا دشمن پہ بھی اللہ بُرا وقت نہ ڈالے
ناچار لئے دل کو گیا تا درِ جاناں آواز دی اک عاجز و مسکیں کی دعا لے
دھوکے میں گدا کے وہ ہوا لطف پہ مائل کی عرض یہ میں نے کہ تجھے مجھ سے بچا لے
دل ہے مرے سینے میں وہ سیماب کا ٹکڑا تھمتا ہے جو تھامے، نہ سنبھلتا ہے سنبھالے
مشہور جہاں میں تری شیریں سخنی ہے اس غمزدہ کو باتوں ہی باتوں میں لبھا لے
یا چشم فسوں ساز سے کر چشم نمائی یا زلف کو لہرا کے پریدار بنا لے
یا اور جو تدبیر مناسب ہو وہ کرنا دل تیرے سپرد اور خدا کے تو حوالے
فرمایا کہ منظور ہے خاطر تری مجھ کو پر خستہ و دلریش ہے دم ایک ذرا لے
اتنے ہی میں تلنے لگیں پلکوں کی سنانیں اور ابروؤں نے کھینچے تن تن کے سنبھالے
نرغے میں کرشموں نے دل زار کو گھیرا اور ٹوٹ پڑے ساتھ ہی غمزوں کے رسالے
تھے وار پہ وار اور جراحت پہ جراحت اللہ نہ ڈالے کسی بیدرد کے پالے

جس عہد کا یہ ذکر ہے اب اُسکی نشانی
کچھ داغ ہیں، کچھ زخم ہیں، یہ نم ہیں، وہ آلے

ختم اب صبر آزمائی ہے — نالہ اظہارِ نارسائی ہے
جس طرف دیکھئے دہائی ہے — خودنمائی سی خودنمائی ہے
رخصتِ عرضِ حال و فرصتِ حشر — آج دیوانوں کی بن آئی ہے
کون در در کی ٹھوکریں کھائے — پائے بُت ہی پہ جبہہ سائی ہے
مجھ سے کیوں سرگراں ہے موجِ نسیم — میں نے کیا بوئے گُل چرائی ہے؟
خوش رہو رہروانِ کوچۂ دوست — اپنی منزل شکستہ پائی ہے

توبہ میں اور آخر میں پھر بگڑی
چاک پھر دلقِ پارسائی ہے

فروغِ گل ہے مگر اشکبارِ شبنم ہے — کہ جلوے اس قدر اور فرصتِ نگہ کم ہے
نہیں ہے ظرف نہ ہو، آرزوئے وصل ہے — لُٹا لُٹائے جلوہ کہ تشنہ عالم ہے
گلوں کے ساتھ عبث اختلاطِ شبنم ہے — سحر ہوئی کہ یہ بزمِ نشاط برہم ہے
وہ آڑے ترچھے جراحت وہ جسمِ زار و نزار — شہیدِ ناز پہ تیرے غضب کا عالم ہے
حیا سبب ہے خدا جانے یا تلونِ حسن — کنارِ گُل میں بھی پُر اضطرابِ شبنم ہے
فنا دلیلِ بقا ہے، نہ ہو تو کیونکر ہو — ترے ظہور کا پردا نمودِ آدم ہے

مزاج حسن کو بدلا، کلیم کا احساں — بجائے برہمی آج اُنکے جلووں میں رم ہے
یہ اضطراب تمنا، یہ التہاب جگر — جنون داغ تقاضا کا خیر مقدم ہے
گزر چکا مے و مینا سے کام رندوں کا — نہیں جو دور میں ساغر، خمار کیا کم ہے
عجیب شان سے میخانۂ الست کھلا — کہ آجتک وہی سرمستیوں کا عالم ہے
مجھے بھی کرنے ہیں رخصت خیال یار مگر — ابھی تو اپنے دل خوں شدہ کا ماتم ہے
نثار جذب محبت، نثار خودداری — نشاط و رنج سے بالا اک اور عالم ہے
محیط شوق میں گرداب وار بکھرا ہوں — سرور وجد سے اب اضطراب توام ہے

اثرؔ امید وفا اور ایسے کافر سے
جسے گماں ہے کہ ایمان عشق محکم ہے!

رُک رُک کے چلا، چل چل کے رُکا ساقی کی نگہ پھر جانے سے
کیا کیا نہ اُبھارا شیشے نے، نکلی نہ جھجک پیمانے سے
گلشن سے پیام آتے ہی رہے، گُل پھول کھلے، مرجھا بھی گئے
دیوانہ تو آخر دیوانہ، نکلا نہ قدم ویرانے سے

تم جس کو سمجھتے ہو مستی، در اصل وہی ہشیاری ہے
"مستی ہی میں اکثر ملتی ہے اپنے کی خبر بیگانے سے

عیّاری، اُف ری عیاری، یہ کہکے بری الذمہ ہوا !
کیا اُس کو تسلی دے کوئی بیتاب جو ہو سمجھانے سے

" سعی منی، اتمام من اللّٰہ " قول ہے اک مشہور اثر
ہونا ہے جو کچھ وہ ہو ہی رہیگا، حاصل کیا گھبرانے سے؟

بے نام ہو نشاں ہے یہی بے نشان کا　　خود گم ہو جب پتا نہ ملے آستان کا
ہمواریٔ وفا سے اُلٹنے لگا تھا دم　　خوش ہوں کہ تم نے قصد کیا امتحان کا
رنگِ شکستہ بھی تو ہے غماز دردِ دل　　پھر کیوں فغاں سے کام نہ لوں ترجمان کا
چاہا جو تجکو میں نے تو کیا ہو گیا گناہ　　بے مہر قاعدہ ہے یہ دُنیا جہان کا
دیکھا تو اک بہانہ پئے مشقِ ناز ہے　　آوازہ سُن رہا تھا بہت امتحان کا
وہ غور بات بات پہ، وہ شک بھری نظر　　یا رب مجھسے صاف ہو دل بدگمان کا
پھر کیا گلہ کہ دشنۂ سر تیز ہے نفس　　وابستہ جیبِ خلش سے ہوا رشتہ جان کا
جب سے خمارِ چشمِ سخنگو ہوا شریک　　دونا ہوا ہے لطف مری داستان کا

ساقی نے کیا اسے بھی کوئی جام دے دیا
سرپھر گیا ہے جیسے اثر آسمان کا!

سجدے کی تھی یہ غایت نکلا مہ جبیں سے
آ آگیا پسینا وہ کچھ سُنا نہیں سے

مانند شمع سوزاں صرف گداز ہو جا
سجدے میں جلتے جلتے نکلے دھواں جبیں سے

اللہ اتنی بھی کیا فرصت تمھیں نہیں ہے
جو داستان دل کی سُن لو کہیں کہیں سے

۔۔ایہ ضبط غم کا بیتابیوں نے لوٹا
ہوتا ہے راز افشا، فریاد ہے نہیں سے

۔نے سے اب نہ روکو، بے اختیار ہم ہیں
کیوں تم نے اشک پونچھے اور اپنی آستیں سے

سب مقتل تمنّا، عشرت کدہ تمنّا
اتنی نہ تھی توقع اُس چشم شرمگیں سے

وہ حُسن و سادگی نے مل کر اُٹھائے فتنے
خود ناز کو گلہ ہے اب ناز آفریں سے

انکار کی یہ صورت، اقرار کی ہے صورت
کی اب "نہیں" جو تم نے، نکلے گی "ہاں" "نہیں" سے!

آپ اور پرسش غم آپ اور فکر درماں
پھر اس ادائے دلجو، اس طرز دلنشیں سے!

ہاں طنز نامناسب، ہاں شکوہ ناروا ہے
کیوں کہئے بات ایسی جو دور ہو یقیں سے

سیراب جلوہ عالم، بس اک ترستے ہیں ہم
جو کچھ ہے بدگمانی اُن کو وہ ہے ہمیں سے

عنوان مختلف ہوں، پیغام ایک ہی ہے
حیراں ہے چشم بینا پیکار کفر و دیں سے

صنّاعِ مثلِ آتش ہیں میرزا **اثر** بھی
دیکھو تو جڑ رہے ہیں الفاظ کیا نگیں سے!

ہجر میں تیرے زار ہوئے ہیں   جینے سے بیزار ہوئے ہیں
کب تک جھیلیں غم کی کڑیاں   مرنے پر تیار ہوئے ہیں
کچھ میرے دل میں تیر نظر کے   اور کچھ دل کے پار ہوئے ہیں
اُن سے تو شکووں کا بس نہ چلا کچھ   میرے گلے کا ہار ہوئے ہیں
کیسے کیسے عزّت والے
تیری گلی میں خوار ہوئے ہیں

محبّت کو حیاتِ مرگ کا حاصل سمجھتے ہیں   مآلِ دردمندی صرف اہلِ دل سمجھتے ہیں
جہانِ شوق ہے اور لذّتِ گم گشتگی، یعنی   قدم جس سمت بھی اُٹھے سوئے منزل سمجھتے ہیں
نظر میں کھب گئی ایسی بہار آرائی جلوہ   ہجومِ لالہ و گل کو تری محفل سمجھتے ہیں
وہ آغازِ محبّت تھا، یہ انجامِ محبّت ہے   جسے آساں سمجھتے تھے، اُسے مشکل سمجھتے ہیں
مذاق اپنا، پسند اپنی، خیال اپنا، نظر اپنی
جسے تم درد کہتے ہو، اُسے ہم دل سمجھتے ہیں

کبھی سُن لے کہ دلکش داستاں ہے　　زباں میری ہے اور تیرا بیاں ہے

کوئی روٹھا ہوا پھر مہرباں ہے　　مرے حسرت بھرے دل تو کہاں ہے

خدارا ہمت اے پائے شکستہ　　نظر کے سامنے وہ آستاں ہے

چمن کی جان نکلے جو پھول توڑے　　فغاں ہے: سن کہ گلچیں یہ فغاں ہے

پلک پر کوئی بھولا بسرا آنسو　　کہے جو کچھ خموش اپنی زباں ہے

تمنا ہے مل کے بچھڑنا، دل کا جانا　　وہی پیش نظر اب تک سماں ہے

نہیں لذت سے خالی نامرادی　　بحمد اللہ محنت رائگاں ہے

نشیمن سے جو اُٹھا تھا اسیر دھ　　مری آنکھوں میں اب تک وہ دھواں ہے

قفس میں ہو گیا اکثر یہ دھوکا　　ستارہ صبح کا یا آشیاں ہے

اسیری ایسی آزادی سے بہتر　　چمن اپنا نہ اپنا باغباں ہے

مژہ نمناک، چہرہ زرد، لب خشک

اثرؔ پندار خود داری کہاں ہے ؟ !

اسیری میں جو فکر آشیاں ہے　　نفس ہمرنگ شعلہ پر فشاں ہے

جہاں دل ہے وہیں تیرا نشاں ہے　　حقیقت یہ ہے باقی داستاں ہے

وہ دل جس میں سمائے عشق تیرا　　مکاں بھی ہے تو رشکِ لامکاں ہے

ہوئی ہے سُرخ جس سے چشمِ عاشق　　بہار اُس آتشِ تر کا دھواں ہے

عیاں ہو اور اے حُسنِ جہانتاب　　حجابِ جلوہ ابتک درمیاں ہے

تعالی اللہ عشقِ داغ ساماں　　بساطِ دل کہ پھولوں کی دکاں ہے

مے جلوہ لُٹائے آج ساقی　　مگر اس مے کا پیمانہ کہاں ہے

قیامت ہے اگر ہو بال افشاں　　وہ نالہ زمزمہ جس کا آشیاں ہے

خراباتِ تعین سے گزرنا　　طریقِ جستجوئے بے نشاں ہے

ہوا ہے عام اتنا فیض ساقی　　خرابِ رنگ و بو سارا جہاں ہے

تکلف برطرف پردا ہی اچھا　　اگر مقصودِ جلوہ امتحاں ہے

آثر تخیل کے پر جل نہ جائیں
یہ طرح آتش معجز بیاں ہے

میں وہ رند بادہ پرست ہوں، کبھی توبہ کی جو شراب سے
تو ہزار میکدے جوش زن ہوئے میری چشم پُر آب سے

وہ ترا شباب کہ الحذر، وہ ترا احترام کہ الاماں
نہ یہ رنگ چھلکے بہار سے، نہ یہ کیف ٹپکے شراب سے

وہ فروغ جام و صفائے دل کہ ضیائے مہر بھی ہو خجل
تمھیں سابقہ ہی نہیں رہا کسی رند بادہ خراب سے

شب انتظار گزر گئی، خلش انتظار کی ہے وہی
بھری نیند ہے مری آنکھوں میں مگر آنکھیں ڈرتی ہیں خواب سے

تو ہزار بار مٹا مجھے، یوہیں مٹ کے ابھروں گا بار بار
کہ ہے جوشش بحر کو ربط خاص نمود و بود حباب سے

یہ قبول در خور سرزنش ہیں جنون عشق کی شورشیں
کہے ایسی بات ہی کیوں کوئی کہ جواب نکلے جواب سے

دم واپسیں نہ حیا کرو، کہیں یہ نہ اس کا نتیجہ ہو
کرو یاد جب گئے وقت کو تو حجاب آئے حجاب سے

کمال ہوش ہے ذوق خبر میں بے خبر ہونا   نظر میں کیف ہونا، کیف سے پیدا نظر ہونا
مآل زندگی ہے، زندگی کا یوں بسر ہونا   کہ سب سے بے تعلق اور سب کے دل میں گھر ہونا

ابھی اے سوز غم درپیش ہیں خون جگر ہونا　　یہ اُسکے بعد کی باتیں ہیں نالوں میں اثر ہونا
فنا کی راہ میں یوں چاہیئے گرم سفر ہونا　　کبھی رنگ رُخ شعلہ کبھی نبض شرر ہونا
ہوس کاری کا اک پہلو نکلتا تھا محبت میں　　حیا نے تیری سکھلایا نگہبان نظر ہونا
وہ یکسوئی جسے نومیدی جاوید کہتے ہیں　　نتیجہ ہے نہ تھا خالی دعا کا بے اثر ہونا
بجائے اشک آنکھوں سے لہو ٹپکے دم پرسش　　حریف گریۂ سرشار اے درد جگر ہونا
کیا ہے خوار کیا کیا ناصبوری نے محبت کی　　حضوری جب نہیں تو سرنشین رہگزر ہونا
خدا معلوم کن اجزا سے ہے ترتیب ہستی کی　　کہ حل ہونا ہے اسکے عقدۂ کل پیچیدہ تر ہونا
نہ ہو کیوں شش جہت آئینہ دار شوخی جلوہ　　نمایاں اس قدر ہو کر بھی پنہاں اسقدر ہونا
نہیں پروائے گمراہی سبکساران اُلفت کو　　کہ ہمت پر گراں ہے خضر کا بھی راہبر ہونا
چمن ہے، شاخ گل ہے، آشیاں ہے، پھر نہیں کچھ بھی　　غضب ہے طائر آزاد کا بے بال و پر ہونا

صلاح اہل تقوی میں نہیں کچھ شک اثر لیکن
نہ آنا تھا نہ آیا بے نیاز خیر و شر ہونا

نظریں گزریں جب گل و گلزار سے　　کرنیں پھوٹیں حسن کی ہر خار سے
گفتگوئے شوق اس طومار سے　　خون ٹپکے گا لب گفتار سے

مل کے چل ہر کافر و دیندار سے — بھاگ لیکن سبحہ و زنار سے
دل اگر ہو صاف مثل آئنہ — آئنے بننے لگیں دیوار سے
داغہائے معصیت سب دھو گئے — ایک ہی اشک غلط بردار سے
عشق کیا جنس ہوس ہے بلہوس — مول لے آیا جسے بازار سے
سادگی تو دیکھ چشم التفات — اور تیری نرگس خوددار سے!
گو بلائے جان مشتاقاں ہے عشق — دل کہیں بھرتا ہے اس آزار سے
شوق میں مستیاں بھرنے لگا — تیرا پروا طالب دیدار سے
ہوش اڑاتی ہے ہوا اس نشے کی — مست ہوں جس نشۂ سرشار سے
پی نہیں زاہد نے لیکن مست ہے — بو جو پھوٹی خانۂ خمار سے
ایک طوفان بلا تھا جوش زن — ہجر کی شب دیدۂ خونبار سے
رائگاں کیا کیا ہوئیں جانبازیاں — عشوہائے سادہ و پرکار سے

پھر اثر ہیں اور توجہ ستم
پھر بڑھا ربط اس بت عیار سے!

گم کردہ راہ شوق کو اپنا پتا نہیں ملا   پھر کس طرح گلہ کرے وہ گم نما نہیں ملا

تابِ تواں کو رو چکے، صبر و قرار کھو چکے   سو انقلاب ہو چکے، وہ بے وفا نہیں ملا

نیرنگِ ہست و بود میں، ہنگامۂ شہود میں   سب کچھ ملا مگر دلِ بے مدعا نہیں ملا

دل نغمہ سنجِ غم نہ تھا، آزادِ کیف و کم نہ تھا   جب تک نوائے عشق سے سازِ فنا نہیں ملا

تھا سر نشینِ بزم مے کچھ دن اُدھر کی بات ہے   آج ایک جام کے لئے ترسا کیا، نہیں ملا

اک عمر جستجو رہی، ہر لحظہ آرزو رہی   اُنکی جو تھی وہ خو رہی، مل سکتا تھا نہیں ملا

وہ خود پسند و خود نما، میں دردمند و بینوا   ملنا نہ ملنا ایک تھا، اچھا ہوا نہیں ملا

کافر ہوں جو غرور ہو ترکِ سوال کا سبب   شایاں تری جناب کے دستِ دعا نہیں ملا

ہر شعر جس کا ہو اثر بنیادِ ایک طرز کی
شاعر سوائے میرؔ کے اس طرز کا نہیں ملا

ہر قدم پر ہے رفتگی از خویش   کون سا ہے یہ مرحلہ درپیش ؟

ربط پیدا بھی ہو تو کیونکر ہو   میں دل آزردہ، وہ تغافل کیش

کوئی تجھسے اُمید کیا رکھے   اک نظر میں ہے کسقدر پس و پیش

آہ اے شورِ خندۂ قاتل   کہ نمکداں ہوا ہے سینۂ ریش

کاش اک رنگ پر بسر ہوتے — زندگی کے یہ چار دن کم و بیش
خوب اُلفت کی رازداری کی — مرحبا اے دل مآل اندیش
اُس مژہ کی خلش ارے توبہ — جیسے رگ رگ میں چبھ رہے ہوں نیش
حیف بے سُود زندگی گزری — آئے درویش اور چلے درویش

تابِ دل تو اثر سے کم سے کم
اور دردِ جگر ہے بیش سے بیش

دل نغمہ صدائے طرب آہنگِ خودی ہے — سدِّ رہِ مقصود ابھی سنگِ خودی ہے
ہے دامِ نگہ ہوش خراباتِ تعیّن — چھایا ہوا ہر شے پہ یہاں رنگِ خودی ہے
کیا شاہدِ معنی کی تجلّی نظر آئے — دل میں تو بھری تیرگیِ زنگِ خودی ہے
پیشانیِ نخوت پہ ہے عرق ریزِ ندامت — بس ختم ذرا دیر میں اب جنگِ خودی ہے
یا اسقدر ارفع ہو کہ آپ اپنا خدا بن — یا ترکِ خودی کر کہ دوئی ننگِ خودی ہے

کیا بار بہ دل ہو نوا سنجِ محبّت
جب دستِ تمنّا میں اثر چنگِ خودی ہے

تجھسے حذر ہے اے نگہ ناز آشنا!
دل کی عدو ہوئی ہے باندازِ آشنا

صد حیف آشنا نہ ہو دمساز آشنا
غربت میں تُو تو ساتھ نہ چھوڑ اے خیالِ یار

آنے لگی ہے کانوں میں آوازِ آشنا
ہمت کہ دور منزلِ مقصود اب نہیں

پھر آئے جاکے تا بدرِ بازِ آشنا!
حیرانِ کارِ عشق ہیں وارفتگانِ عشق

بیدل کی طرح مجھسے بھی مخفی رہا اثر
"انجامِ کار دشمن و آغاز آشنا"

دل عشق کی مے سے چھلک رہا ہے
اک پھول ہے جو مہک رہا ہے

آنکھیں کب کی برس چکی ہیں
کوندا اب تک لپک رہا ہے

اب آئے بہار یا نہ آئے
آنکھوں سے لہو ٹپک رہا ہے

ہے دُور بہت زمانِ وعدہ
اور دل ابھی سے دھڑک رہا ہے

کس نے وحشی اثر کو چھیڑا
دیوار سے سر پٹک رہا ہے

بیخودی کہتے ہیں جس کو ابتدائے ہوش ہے
دل مُرے پہلو میں وہ مینائے حیرت جوش ہے

پھر بہار آئی صبا صد میکدہ بر دوش ہے
غنچۂ گل کا چٹکنا شورِ نوشا نوش ہے

تبسمِ رنگیں نے شفق گوں جام اپنا رکھ دیا — ہاتھ میں ساقی کے وہ پیمانۂ گلجوش ہے

بوئے گُل سے مست ہو، بادِ سحر سے مست ہو — وسعتِ مشرب بقدرِ ہمتِ مے نوش ہے

مژدہ اے زاہد کہ دُنیا رشکِ جنّت ہو گئی — ہر گُلِ تازہ شگفتہ حور در آغوش ہے!

سر جھکا دے بیخودانہ معبدِ تسلیم میں — ہوش میں سجدے کا جبتک سجدۂ ننگِ ہوش ہے

شاءاللہ پردہ داریِ حسنِ عالم آشنا، — جسقدر آگاہ جو ہے اُس قدر خاموش ہے!

دل کو جلووں نے ترے آئینہ خانہ کر دیا — شوق پھر بھی شکوہ سنجِ تنگیِ آغوش ہے

کا اگر جب اُلٹ دے شاہدِ فطرت نقاب — حاصلِ عمرِ ابد وہ لمحۂ خاموش ہے

آشنا رازِ حقیقت سے ہو کیا ظاہر پرست — لفظ بنکر پردۂ معنی میں وہ روپوش ہے

جذبۂ منصور کیسا، بےحسی یہ ہے اثر
دعوتِ دار و رسن پر انجمن خاموش ہے!

ایک دل ہی نہیں گنوا بیٹھے — جی کو بھی روگ سا لگا بیٹھے

لاکھ روکا، نکل پڑے آنسو — وہ کڑی چوٹ دل پہ کھا بیٹھے

نہ سُنانا تھا جس کو، آج اُس کو — ماجرائے الم سُنا بیٹھے

حاصلِ زیست ہے کہ حاصلِ زیست — دوست کی راہ میں لُٹا بیٹھے

دھیان کس سے لگا ہوا ہے اثرؔ
سوچتے رہتے ہو یہ کیا بیٹھے؟

زندگی ہے سازِ نیرنگِ قضا میرے لئے   تارِ تارِ جاں ہے مضرابِ فنا میرے لئے
عشق لایا وہ پیامِ جاں فزا میرے لئے   ہر نفس ہے جامِ صہبائے بقا میرے لئے
تیرا پردا دے رہا ہے دعوتِ نظّارگی   کیوں نہ ہو دشوار ترکِ مدعا میرے لئے
طبعِ غیرت آشنا نے دے کے پہلو میں جگہ   کر دیا اندوہ کو راحت فزا میرے لئے
تجھ سے تجھکو مانگتا ہوں اے زہے حُسنِ طلب   آئنے سے کم نہیں دستِ دعا میرے لئے
مرگ جس میں نوحہ خواں ہے اور ہستی سوگوار   عشق نے ہموار وہ جادہ کیا میرے لئے
دیکھنا شوخی کہ مجھکو یاد تو کرتا نہیں   بزم میں خالی ہے لیکن میری جا میرے لئے
طبعِ رنگیں بھی ملی، ذوقِ تماشا بھی ملا   ہر ادائے حُسن ہے حُسنِ ادا میرے لئے

شورِ ما و من ہوا ہے جب سے افسانہ اثرؔ
زندگی ہے اک نوائے آشنا میرے لئے

کاہش میں اب مزہ ہے نہ درد جگر میں ہے   خمیازۂ خمارِ تمنّا نظر میں ہے
کیونکر کہوں کہ ختم ہوا دورِ انتظار   آنسو کی ایک بوند ابھی چشمِ تر میں ہے

آسودۂ فنا نہ ہو جانِ اُمیدوار
آلودہ پیرہن ابھی گردِ سفر میں ہے

توبہ حریفِ مشربِ رندانہ ہو گئی
کیفیتِ شراب ہر اک اشکِ تر میں ہے

کیا نقشِ پاے یار کا سجدہ ہوا نصیب
اک نورِ گرمِ جلوہ جبینِ سحر میں ہے

محرومیِ پیام کا حاشا گلہ نہیں
سب دلکشی خبر ہی کی ذوقِ خبر میں ہے

یہ جانتا تو گریۂ خونیں نہ روکتا
اک آگ سی لگی ہوئی قلب و جگر میں ہے

وہ شوق کشتہ ہوں کہ مری آہِ نیم شب
پہلے اثر سے فکرِ وداعِ اثر میں ہے

ایجاد کردہ حیرتِ آئینہ ساز کا
اک ماوراے جلوہ بھی جلوہ نظر میں ہے

بارے جنوں کے جوش میں کچھ تو کمی ہوئی
مدّت کے بعد آج **اثرؔ** اپنے گھر میں ہے

جب نیازِ عشق میں رنگِ خودی شامل نہیں
آرزو مشکل ہے، ترکِ آرزو مشکل نہیں

جلوۂ لیلیٰ اسیرِ پردۂ محمل نہیں
دیکھنے والے ترا ذوقِ نظر کامل نہیں

کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا ہمتِ دل برقرار
موج ہے، گرداب ہے، کیا غم اگر ساحل نہیں

شوق وہ درکار ہے جو خود ہو دریا درکنار
محفلِ ساقی تنک آشام کی محفل نہیں

وہ نواے درد ہوں جس کا نہیں شنوا کوئی
وہ صداے دشت ہوں جس کی کوئی منزل نہیں

ہے بہت بر تماشا آیاتِ عبرت کی نظر / صبحِ گل کا جز شکستِ رنگ کچھ حاصل نہیں
منزلت اپنی سمجھ اے عشقِ رنگیں ماجرا / آپ محفل ہے، ترے درخور کوئی محفل نہیں
پھر گلہ کیا جب نگہ کا آہ سے پایا جواب / جانتے تو ہو ٹپکتا آبلہ ہے، دل نہیں
اور دم بھر دیکھ لوں خونابۂ دل کی بہار / ناخنِ غم کی حنا بندی کوئی مشکل نہیں
ہوش میں رہ اپنے بس اے زاہدِ برخود لبید / اُس سے میں غافل سہی مجھ سے تو وہ غافل نہیں
لوٹ لے دل لوٹ دردِ نارسائی کے مزے / عشق ہے ننگِ ہوس تلخی اگر شامل نہیں
طے ہوئی ہیں ایک لغزش میں بفیضِ بیخودی / ایسی راہیں جن میں جادہ محرمِ منزل نہیں
عشق حیرت آشنا کی دستگاہِ جستجو / کون ذرہ ہے جو چشمِ شوق میں بسمل نہیں
تم یہ کہتے ہو کہ ساقی نے نگاہیں پھیر لیں / میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مسکیں نہیں، وہ دل نہیں

جو حقیقت آشنا ہیں اُن کی نظروں میں اثرؔ
ہستئ "باطل" بجز اندیشۂ باطل نہیں

کیا محبت میں فقط ہیں ناتوانی کے مزے / سرگرانی کی ہے لذت، بدگمانی کے مزے
ہم ہیں اور دیرِ مغاں ہے، ہم ہیں اور دورِ شراب / واعظوں کو ہوں مبارک تر زبانی کے مزے
رحم آئے یا نہ آئے، رشک آنا چاہیے / بے ترے مرنے میں سب ہیں زندگانی کے مزے

لب پہ آ آ کے پھری سو بار جانِ مبتلا ، ناتواں تھے کوئی پوچھے سخت جانی کے مزے

جیتے گل اپنے تھے، اپنا باغباں، اپنی بہار — آہ وہ پہلے پہل کی پرفشانی کے مزے

اب مذاقِ درد ہے اور چشم خونابہ فشاں — ہو گئے افسانہ عہدِ کامرانی کے مزے

عیش کے جویا مجھے، اتنا نہ تم سمجھے آخر
تلخ کامی میں نہاں ہیں عمرِ فانی کے مزے

حسرت ہی رہ گئی نہ پھر اپنا پتا ملا — جس کشتۂ ادا سے وہ مستِ ادا ملا

طالع ملے، نصیب ملے، مدعا ملا — سب کچھ ملا جب اک دلِ درد آشنا ملا

کیا ذکرِ خضر دشتِ بلاخیزِ عشق میں — رہزن اگر ملے تو سمجھ رہنما ملا

رنگینِ خونِ دل سے ہے دامانِ آرزو — اس ذوقِ دل گر نہ ملا پھر تو کیا ملا

کونین ایک لغزشِ مستانہ پر نثار — وہ نشۂ طلب مجھے بے مدعا ملا

سچ ہے کوئی نہیں ہے بُرے وقت کا شریک ، دل سا رفیق بھی اُسی دشمن سے جا ملا

پامال کر کے مجھ کو تأسف ہے کیا ضرور — یوں بے وفا نہ خاک میں خونِ وفا ملا

آغاز کچھ ہو، دونوں کا انجام ایک ہے — دیہیمِ خسروی نہ ملا بوریا ملا

یہ وہمِ دخلِ غیر تھا، اُٹھا نہ پھر قدم — دروازۂ قبولِ دعا کو جو وا ملا

پہلو میں دل نہیں، مجھے ساقی کے فیض سے
جام شراب تند چھلکتا ہوا ملا

میں لاکھ بار عرض تمنا کروں، مگر
کس دن نیاز عشق کو دست دعا ملا

تجھکو صبا قسم ہے دیار حبیب کی
اس خاک میں غبار رہ کربلا ملا

کھویا ہوا کسی کے تصور میں تھا اثر
پایا گیا تو بے خبر مدعا ملا

کوئی شکل شرح محبت نہ نکلی
زباں سے دم عرض لکنت نہ نکلی

حیا تو بہت ہے اُن آنکھوں میں، لیکن
کہیں نام کو بھی مروت نہ نکلی

نکھارا صبا نے، سنوارا سحر نے
گُل تر کی تیری سی رنگت نہ نکلی

بلا کا جنوں تھا کہ گزرا زمانہ
مزاجوں سے تا حال وحشت نہ نکلی

جگر خوں کیا اور لہو رو کے دیکھا
مگر تیرے ملنے کی صورت نہ نکلی

تمنا میں شامل ہے خون تمنا
برابر ہے نکلی کہ حسرت نہ نکلی

ترے دل میں جو کچھ ہے تو اُس کو جانے
مرے دل سے تیری محبت نہ نکلی

جن آنکھوں نے دیکھا اُسے بے محابا
اثر پھر اُن آنکھوں سے حیرت نہ نکلی

…ب میسر نہ ہوا رنگ تکلم تیرا   لے اُڑا غنچۂ گل نیم تبسم تیرا
…شنیدہ ہیں جب نغمے وہ سنا کرتا ہوں   اللہ اللہ نگہ ناز ترنم تیرا
…نفس بیش نہیں ہستیٔ فانی کا ثبات   میں تو کہتا ہوں کہ یہ بھی ہے توہم تیرا
…تہ دیدہ ہوں، موجب ہے دل آزاری کا   دیکھنا مجھکو باندازِ ترحم تیرا

اُف ری بیداد سیاست کہ اثرؔ سا بیتاب
نام لیتا نہیں ہنگام تظلم تیرا!

مشاہد ہے، شاہد ہے، مشہود ہے   وہ موجود بالذات موجود ہے
در دیر ہو یا حریم حرم   جہاں نقش سجدہ ہے، مسجود ہے
یہاں تک ہے بیگانۂ کیف و کم   اشارہ کیا اور محدود ہے
تعین کی سرحد سے پہلے گزر   جدھر پھر نظر جائے معبود ہے
تماشا ہوئی چشم حیرت نگر   کشادہ ہے در، راہ مسدود ہے
زہے مصطفےٰ شاہ گردوں سریر   محمدؐ ہے، احمدؐ ہے، محمودؐ ہے
تورع پہ زاہد کے ہرگز نہ جا   تہ دلق رخت زر اندود ہے
اثرؔ ایسی توبہ نہیں معتبر   لب جام ابتک مے آلود ہے

دلِ خراب! ستم آرمیدہ ہونا تھا — کہ میری جان کو تیغ کشیدہ ہونا تھا؟
یہ کیا کہ خون ہوا دل اور آنکھ سے ٹپکا — جواب طائرِ رنگ پریدہ ہونا تھا
حیائے عشق یہ کہتی ہے پھر نہ بہتے اشک — جو شمعِ بزم کو گردن کشیدہ ہونا تھا
مجھے یہ ذوقِ نظر کیوں دیا تو ہی بتلا — جو تیرے حسن کو حسنِ ندیدہ ہونا تھا
اُسی نے عشق کیا، عشق کے مزے لوٹے — جسے کہ بسمل در خون تپیدہ ہونا تھا
دلِ کلیم کہ تھا اضطراب کا شعلہ — کنارِ برق ہی میں آرمیدہ ہونا تھا
یہ دھن تو رہتی کہ سودائے خام پختہ ہو — تُنک تو مثلِ مے نارسیدہ ہونا تھا
کمینِ عجز میں کیوں دستِ آرزو ہے نہاں — نگاہِ شوق اگر دام چیدہ ہونا تھا
فسانۂ دلِ صد چاک و بزم آرائی — شہیدِ طرزِ گلِ نو دمیدہ ہونا تھا
جنوں میں شائبہ ہوش اگر نہ تھا باقی — سحر کی طرح گریباں دریدہ ہونا تھا

غزل کہی تو اثرؔ تم نے طرحِ آتشؔ میں
"کچھ اختیار سے کیا برگزیدہ ہونا تھا؟"

اُس ناوکِ دلجو کا، دل جب سے نشانا ہے — ہر سانس میں نغمہ ہے، ہر نغمہ ترانا ہے
یہ شورِ طلب کیسا، لینے کہیں جانا ہے — مطلوب ہی طالب ہے تہ بات کی پانا ہے

بیدادِ محبت کا بس اتنا فسانا ہے — اپنی ہی تمنّا کا دل اپنا نشانا ہے
کندن ہے ابھی، لیکن اکسیر بنانا ہے — اس تپتے ہوئے دل کو کچھ اور تپانا ہے
دل میرا دھڑکتا ہے ہر ذرّے کے سینے میں — صحرائے محبت کو یوں شوق میں چھانا ہے
تو میرے مقابل ہے، میں تیرے مقابل ہوں — میں تیرا نشانا ہوں، تو میرا نشانا ہے
آپ اپنے مزے لے لیں خوش ہو کے تمنائیں — وہ دل سے نہیں واقف، غم جس کو سُنانا ہے
یا ہنسنے کو لاتے تھے، یا اشک ہیں آنکھوں میں — کیوں صاف نہیں کہتے، دیوانہ بنانا ہے
بیمارِ محبت سے باتیں ہیں محبت کی — یہ ہوش میں لانا ہے یا ہوش اُڑانا ہے
آئینے کی آنکھیں ہیں، کیسی تری باتیں ہیں — اے رشک اب اُن سے بھی کیا اُنکو چھپانا ہے
پھر داغ کوئی تازہ اے لذّتِ ناکامی — پھر بزمِ تمنّا میں اک شمع جلانا ہے
جو محوِ سخن تھے وہ بات نہیں کرتے — اک وہ بھی زمانا تھا، اک یہ بھی زمانا ہے
یہ کون کہے اُن سے اب ہچکیاں آئینگی — روتوں کو ہنسانا کیا، ہنستوں کو رُلانا ہے
ہاں سعی چلی جائے اے ہمتِ مردانہ — مٹنا ہے کہ قسمت کے لکھے کو مٹانا ہے
سب تیرے کرشمے ہیں اے نرگسِ مستانہ — تقدیر ہے اک حیلہ، تدبیر بہانا ہے
اک بات بھلا پوچھیں؟ کس طرح مناؤ گے — جیسے کوئی روٹھا ہے اور تم کو منانا ہے

اس چشمِ سخنگو کی باتوں میں اثر آ کر
دل مفت گنوا بیٹھا، سنتے تھے کہ دانا ہے!

رُت بدلی، ہوا سنکی، قسمت کھلی گلشن کی
ہر سمت سے خوش وقتی، ہنسنا ہے ہنسانا ہے

وہ صبحِ بہار آئی، وہ پہلی کرن پھوٹی
"ہر سانس میں نغمہ ہے، ہر نغمہ ترانا ہے"

ہر پھول مہک اُٹھا، ہر طیر چہک اُٹھا
سبزہ بھی لہک اُٹھا، کیا وقت سہانا ہے

یوں تاک سے رس ٹپکا، لالے نے جماہی لی
مخمور نگاہوں میں اندھیر زمانا ہے

شبنم نے دئے چھینٹے رخسارِ گلِ تر پر
اس نیند کے ماتے کو منظور جگانا ہے

سب ایک طرف ننھی کونپل کو بھی رِس آئی
تتلی سے اشارے ہیں پہلو میں بٹھانا ہے

سنبل نے بلائیں لیں جھٹ پٹ گلِ رعنا کی
آغوشِ بنفشہ میں شبّو کا ٹھکانا ہے

پھولی ہوئی ہے سرسوں، چمپا کی بھی آنکھوں میں
تن تن کے صنوبر کو چھب اپنی دکھانا ہے

نسریں کی حیا پر دو آنکھوں میں تڑپے ڈورے
ریحاں کی طرف جھکنا اور جھک کے لجانا ہے

مستانہ صبا آئی، منہ چومتی غنچوں کا
مشکل کوئی ظاہر کے روٹھوں کو منانا ہے

سوسن کے جو چٹکی لی، گھبرا کے بھری سسکی
بکنا ہے، بلکنا ہے، اور نیل دکھانا ہے

بل کھاتی اور اٹھلاتی ہر شاخِ شجر لچکی
یا پتلی کمر لچکی، دل کس کا لبھانا ہے

نرگس نے بھی آنکھوں سے آخر کو جھپک نکلی ۔۔۔ یا آنکھ چرانا تھا، یا آنکھ لڑانا ہے
گل شیوۂ بلبل کی کرتا ہے پذیرائی ۔۔۔ یا چشم نمائی تھی یا ہنس کے رجھانا ہے
یا ناز و تبختر تھا، یا مہر و وفا کوشی ۔۔۔ حیلہ ہے، نہ حجت ہے، غمزہ نہ بہانا ہے
سنبھ جوڑ کے غنچے سے تقریب ہم آغوشی ۔۔۔ سرگوشی و مدہوشی، چھکنا ہے چھکانا ہے
خمخانۂ فطرت میں بن آئی ہے مستوں کی ۔۔۔ پی پی کے بہکنا ہے اور دھوم مچانا ہے
دیتا ہے صلائے عیم پیمانہ بکف ساقی ۔۔۔ پی لے جسے پینا ہے، آئے جسے آنا ہے
سرشار محبت ہو، پیغام محبت دے ۔۔۔ اے رند یہ بزم خوش، دم بھر میں فسانا ہے

ہاں پڑھئے اثر پڑھئے پرکیف غزل کوئی
اعزاز کی محفل ہے، اچھوں کو سنانا ہے

۱۲۔۴۔۶۰ء از رسول
منعقدہ ارنولہ

رنگین خیالوں کا اک باغ لگانا ہے ۔۔۔ آج اُن کے تصوّر کو پھولوں میں بسانا ہے
ہر برگ کی جنبش میں، ہر تار کی لرزش میں ۔۔۔ گرداب کی گردش میں تیرا ہی ترانا ہے
ہر نغمۂ شیریں میں، ہر پردۂ رنگیں میں ۔۔۔ چھپ چھپ کے تجھے اپنی آواز سنانا ہے
ہر رنگ میں شامل ہے، ہر رنگ سے بیگانہ ۔۔۔ سمجھے تو یہ سمجھے ہیں، جانا تو یہ جانا ہے
انوار ترے جلوے، اسرار ترے پردے ۔۔۔ کیا جلوے ہیں، کیا پردے، سچ ہے کہ یگانا ہے

خورشید و مہ و انجم چلتے ہیں اشاروں پر — گردش سے نگاہوں کی گردش میں زمانہ ہے

لیلائے تخیل کا زیور ہے ترا پرتو — سلمائے معانی کا آئینہ، شانہ ہے

خمیازۂ رنگیں ہے تو صبح دمیدہ کا — صہبائے تجلی سے عالم کو چھکانا ہے

شبنم کے بھی موتی ہیں، مظلوم کے آنسو بھی — یہ جوڑ کے رکھ لینا، وہ تجھ کو لٹانا ہے

بلبل کی ہو شیدائی، یا گل کی ہو رعنائی — افسانہ در افسانہ تیرا ہی فسانہ ہے

پروانہ سوزاں ہو، یا شمع فروزاں ہو — جی تجھ پہ جلانا ہے، لو تجھ سے لگانا ہے

ہر شے میں ترا جلوہ، ہر شے سے ہے ترا جلوہ — پھر کس سے یہ پردا ہے، منہ کس سے چھپانا ہے

مشہود بھی، شاہد بھی، مستور بھی، ظاہر بھی — پانا تجھے کھونا ہے، کھو کر تجھے پانا ہے

یہ نقش بنا ڈالا، وہ نقش مٹا ڈالا — ہر آن سنورنے کو اک تازہ بہانا ہے

ہے عشق کے پردے میں آپ اپنا تماشائی — سو طرز سے اک محفل امکاں کی سجانا ہے

اللہ ری محبوبی، اللہ ری محجوبی — نزدیکی و مہجوری، شوخی کا ٹھکانا ہے!

پھوٹیں گی آخر کرنیں انوار حقیقت کی

اس دل کو مگر پہلے اک نقطے پہ لانا ہے

حقیقت ہے یہ مستی کی کہ دل بیدار ہو جائے   یہ حد ہے مے پرستی کی نظر سرشار ہو جائے

اگر بے پردہ ظاہر بھی جمال یار ہو جائے   نظارہ اسقدر حیران ہو، دیوار ہو جائے

نشنے مت محبت کا جسے آزار ہو جائے   خوشا طالع، میسر دولت بیدار ہو جائے

بنا سے آدمی سودا سر بازار ہو جائے   اگر ایسا نہ ہو اپنی نظر میں خوار ہو جائے

حجاب اندر حجاب اُس پر یہ عالم ہے تجلی کا   قیامت ہے جو بے پردہ ترا دیدار ہو جائے

رقص موج مستانہ، یہ طوفان طرب افزا   برابر ہے کہ ڈوبے یا سفینہ پار ہو جائے

اسیران محبت اُس گھڑی فریاد کرتے ہیں   سکوت دردمندی جب لب اظہار ہو جائے

مزا بھرتا ہے نالوں میں تو مشق ضبط کر اتنی   کہ رشک نبض شعلہ ہر نفس کا تار ہو جائے

جہاں جوہر ہیں اک تختہ گل نرگس کا پھولا ہو   اگر آئینہ تیرا محرم دیدار ہو جائے

خوشی سے جان محزوں کرے ماتم مرگ حسرت کا   یہ آساں کام بھی ایسا نہ ہو دشوار ہو جائے

قیامت ہے اگر پہلے چمن پھر آشیاں اجڑے   مرے اللہ جو ہونا ہے وہ اکبار ہو جائے

عدم میں اور ہستی میں بس اتنا ہی تفاوت ہے   کہ محو خواب جیسے خواب میں بیدار ہو جائے

بہشت اک دفعہ ہے اُسکے سرور جاودانی کا   میسر جس کو تیرا سایۂ دیوار ہو جائے

یہ نشانے تحیر ہے، یہ معراج تحیر ہے   کہ حسن مطلع کل مقطع اسرار ہو جائے

بلند و پست عالم ایک ہو چشمِ حقیقت میں
یہاں تک جادۂ ہستی اثرؔ ہموار ہو جائے

اور کیا ہے خیرِ مقدم میں جو قرباں کیجئے
دیدہ و دل فرشِ رہ، جاں نذرِ جاناں کیجئے

مُنھ پہ مل سکتے نہیں، دامن ہی افشاں کیجئے
آہ کچھ تو حسرتِ خونِ شہیداں کیجئے

کوئی اتنا بھی نہیں جو بیکسی کی داد دے
کبتک اپنے غم میں حال اپنا پریشاں کیجئے

وادیٔ غربت میں سر پٹکیں کہاں تک حسرتیں
یاس کو اس قافلے کا میرِ ساماں کیجئے

داغِ نو داغِ کُہن کے زینتِ آغوش ہوں
اس گلستاں کو گلستاں در گلستاں کیجئے

حُسن کی محفل میں ذوقِ باریابی ہے اگر
سینہ چاکی صورتِ گلہائے خنداں کیجئے

ہو رہے گا جو بھی ہونا ہے مآلِ عاشقی
دردِ دل کو بے نیازِ فکرِ درماں کیجئے

اوّل و آخر یہی ہو، ظاہر و باطن یہی
اس قدر پہلو محبّت کے نمایاں کیجئے

راہ پیچیدہ نہ ہو جبتک مزا ملتا نہیں
عشق کافر کیش کو کیونکر مسلماں کیجئے

ڈوبتا ہے دل ادھر اور اس طرف ماہِ تمام
آپ بھی ان سنوری زلفوں کو پریشاں کیجئے

"خیر ایماں کی" وظیفہ روز و شب کا ہے اثرؔ
کیجئے اور اُس بُت کا ذِکر ارماں کیجئے!

پلٹی ہے کامیاب تری رہ گزار سے
پہلے بہار آتی نہ تھی اس بہار سے

پہنچی نہ سیر کی نگہِ اعتبار سے
نکلا نہ وہم غیرِ دلِ ہرزہ کار سے

جھپکی ذرا جو آنکھ وہ رنگِ چمن نہ تھا
مجکو خزاں قبول ہے ایسی بہار سے

منصور ہی پہ کچھ نہیں موقوف، آجتک
اک ربطِ خاص کلمۂ حق کو ہے دار سے

ترکِ بقا کی منزلِ اوّل قریب ہے
ذکرِ وفا پہ آج وہ تھے شرمسار سے

محویتِ خیال کے قربان جائیے
پیغام سن رہا ہوں لبِ انتظار سے

صیاد کی نگاہ، اسیروں کا آشیاں
اک پھول تھا کہ ٹوٹ پڑا شاخسار سے

ہر ذرۂ غبار میں پنہاں ہے اک چمن
آزاد ہو تو قیدِ خزان و بہار سے

لے لیکے دم جو تڑپے تو شاید گناہ ہو
اے دل کہاں کا بیر ہے صبر و قرار سے؟

صدقہ نگاہِ ناز کا ایک اس طرف بھی تیر
اے کامیاب صیدِ حرم کے شکار سے

کیا جانے لیچلی ہے کدھر سیلِ بیخودی
اک موج سی اٹھی تھی دلِ بیقرار سے

تسکیں نہ دے کہ بڑھتا ہے کچھ اور اضطراب
گزرا ہے کارِ شوق مرے اختیار سے

سو رنگ سے ہو جلوہ نما حسنِ بے عدیل
آئینہ دل کا صاف اگر ہو غبار سے

تم کو حیا عزیز ہے، مجکو ہو تم عزیز
بیٹھے رہو نگہ کے مقابل قرار سے!

اپنی بساط بھر تو بہت سعی کی اثرؔ
مانوس دل ہوا نہ غمِ روزگار سے

نکاتِ سوزِ الفت کا جو پایا ترجماں مجکو — گلوں نے قول ہارا، بلبلوں نے دی زباں مجکو
کوئی ہمراز ملتا ہے نہ کوئی ہمزباں مجکو — الٰہی کیوں دیا تو نے یہ دردِ رائگاں مجکو
مٹانا تھا، مٹایا، خاک کیوں دور اُس در سے — عداوت کا گماں ہوتا ہے تجھ پر آسماں مجکو
پپیہے تو کشمکش ہے، مگر انصاف کر ظالم — اجازت ہے تجھے اور منع ہے آہ و فغاں مجکو
سحر ترتیب ہے جسکی، شفق عنوان ہے جسکا — سُنانا ہے محبت کی وہ رنگیں داستاں مجکو
ترا آئینہ زارِ راز ہے جو نقشِ ہستی ہے — مبارک تجکو جلوے اور جلووں کا بیاں مجکو
وہ راہیں بچکے چلتا ہوں وہ منزل چھوڑ دیتا ہوں — جدھر ہوتا ہے نقشِ پائے رہرو کا گماں مجکو
شبستانِ خیال و وہم میں بھی جو نہ آیا تھا — ملا خلوت میں دل کی منتظر وہ جانِ جاں مجکو
نہاں ہوتا چلا جاتا ہے جتنا کھول کر کہئے — عجب وہ راز ہے جس کا کیا ہے پاسباں مجکو
جنونِ شوق کا عالم، ارے توبہ! ارے توبہ! — گلِ تازہ شگفتہ پر ہوا تیرا گماں مجکو

اثرؔ کیا تلخیٔ ایام سے یہ نشہ اُترے گا
کسی کے سجدۂ در نے کیا ہے سرگراں مجکو

ہوس دل میں آئی غمِ یار ہو کر   سُبک سر ہوا ہوں سبکبار ہو کر
زبوں، زار، بیمار، ناچار ہو کر   کوئی آہ کب تک جئے، خوار ہو کر
نسیمِ سُبک سیر و گلبار ہو کر   خودی سے گزر مست و سرشار ہو کر
مری دلدہی کی نہ دلدار ہو کر   مرا حال پوچھا نہ غمخوار ہو کر
کسی طرح الفت میں راحت نہیں ہے   نہ مجبور ہو کر نہ مختار ہو کر
میں اپنی سی جو سعی تھی کر کے ہارا   تری اب جو مرضی دلِ زار ہو کر!
محبت کا سودا بھی ہے طرفہ سودا   بکے جا رہے ہیں خریدار ہو کر
وہ نیچی نگاہیں، حیا بھی ہے جن میں   جب اُٹھتی ہیں، اُٹھتی ہیں تلوار ہو کر
انا الحق کہتا ہے ایک ایک ذرّہ   حقیقت کے پرتو سے بیدار ہو کر
محبت نے رگ رگ میں نشتر بھرے ہیں   ذرا دل دُکھانا خبردار ہو کر
حسیں ہو گیا کس قدر دوشِ بُت پر   یہی رشتۂ سبحہ، زُنّار ہو کر
لگاوٹ تو دیکھو کہ دل مانگتا ہے   بڑا سادہ بنتا ہے، عیار ہو کر
عناصر کی صورت گری پر نہ جاؤ   نظارے میں حائل ہیں، دیوار ہو کر
اٹھی ایسی مینا سے اک موجِ صہبا   کہ جھک جھک پڑا جام سرشار ہو کر

اک ایسا بھی اشک آج مژگاں سے ٹپکا — کہ منصور گزرا سرِ دار ہو کر

یہ ہے عشق راحت طلب کا تقاضا — پڑے رہیے اُس در پہ بیمار ہو کر

اشاروں میں کہتا ہے سب راز تیرے — ستارہ سحر کا نمودار ہو کر

اثر ہے وہی شعر جو دل سے نکلے
محبت کی رنگین گفتار ہو کر

فریبِ شوق کبھی آشکار ہو نہ سکا — وصال بھی خلشِ انتظار کھو نہ سکا

ڈبوئے دیتے ہیں بادِ مراد کے جھونکے — سفینہ دل کا جسے جوشِ غم ڈبو نہ سکا

کہاں ہے اے دلِ ناشاد پاسِ رسوائی — کسی کے پوچھنے پہ گریہ ضبط ہو نہ سکا

جنابِ عشق کی جس پر نگاہ مہر ہوئی — پھر آرزو ہی رہی نیند بھر کے سو نہ سکا

معاف کر دے مجھے اے ہجومِ ناکامی — امیدِ مرگ میں جینے سے ہاتھ دھو نہ سکا

وہ گل ہے جس پہ چھلکتا ہو قطرۂ شبنم — گنہ کا داغ جسے اشکِ شرم دھو نہ سکا

مآل سے ہوئی بیگانہ کاہشِ پیہم
مقامِ شکر ہے دلخواہ کام ہو نہ سکا

محبت کے بندوں کو انساں جانا　　محبت ہی کو میں نے ایماں جانا
پریشاں جانا، پشیماں جانا　　مگر اس طرف مجھکو ہر آن جانا
اسی شخص کو میں نے انساں جانا　　کہ احساں کرکے نہ احساں جانا
سوا تیرے تجھ سے جو مطلب کوئی ہو　　یہی ہے محبّت میں ایماں جانا
زلیخا کا تھا ہاتھ، یوسف کا دامن　　حیا نے یہیں تک گریباں جانا
زیادہ کوئی کس طرح تم کو جانے　　محبت میں تھا جتنا امکاں جانا
جزاک اللہ اے اعتبار محبت　　انھیں جو بھی کہنا تجھے مان جانا!
تری یاد دل میں، ترا نام لب پر　　اسے گُن میں سمجھا، اسے گیان جانا
کسی رنگ میں ہو، کسی روپ میں ہو　　مجھے تیری آواز پہچان جانا
دبیر قضا اور حسرت نہیں ہے　　مقدر میں لکھدے خراساں جانا

گزرگاہ سیل حوادث ہے دنیا
اثر تم نے راحت کا ساماں جانا!

ل نوا سنج خلشہاے فراواں نہ رہا　　تجھ میں پہلا سا مزا اے غم جاناں نہ رہا
س کے ہاتھ میں امید کا داماں نہ رہا　　اب گلہ تجھ سے کوئی گردش دوراں نہ رہا

سو تمنائیں ہیں کس کو سرِ نامہ لکھئے — شوق کس روز سراسیمۂ عنواں نہ رہا
اک امانت ہے جنوں کی کہ لئے پھرتا ہوں — چاک کس طرح کروں، میرا گریباں نہ رہا
دلِ بے تاب نہ کھاتا تھا تسلّی کا فریب — دردِ لذّت کشِ محرومیٔ درماں نہ رہا
عہد کر وعدہ خلافی کا یہی باقی ہے — اور محتاجِ شکست اب کوئی پیماں نہ رہا
ہوش اتنا ہے وہ گزرے تھے بچائے دامن — اُن کا دامن نہ رہا، میرا گریباں نہ رہا
کون کہتا ہے کہ حائل نہیں جلوے میں حجاب — چشم حیراں نہ رہی یا دل حیراں نہ رہا
یادِ بے مہر نہ منھ موڑ، اگر ممکن ہو — کہ سوا تیرے کوئی مونسِ ہجراں نہ رہا
وہ حضوری سے ہے محروم، عقوبت ہے یہی — جس کو احساس غلط کاریٔ عصیاں نہ رہا
منزلِ عشق میں جس دن سے قدم رکھا ہے — کوئی کافر نہ رہا، کوئی مسلماں نہ رہا

آپ کیوں رنج کریں، آپ کے دشمن ہوں اُداس
نہ رہا اکؔ اثرِ بے سروساماں، نہ رہا!

میں تجھے پاؤں تو پاؤں کس طرح — ہوش کا پردا اُٹھاؤں کس طرح
ماجرائے دل سناؤں کس طرح — چیر کے پہلو دکھاؤں کس طرح
کوئی دل پر ہاتھ رکھ کر اُٹھ گیا — ہاتھ اب دل سے اُٹھاؤں کس طرح

اُس کی چشمِ مست نے بیخود کیا　　ہوش میں آؤں تو آؤں کس طرح

شوق لایا، ضعف نے بٹھلا دیا　　در سے تیرے اُٹھ کے جاؤں کس طرح

تیرے ملنے کی قسم ہے بے وفا　　تیرے کہنے سے بھی کھاؤں کس طرح

تو نے اے بیتابیٔ دل کیا کیا　　اُٹھ کے پھر اُس در پہ جاؤں کس طرح

بھولنے والے سے کوئی پوچھتا　　میں تجھے دل سے بھلاؤں کس طرح

ننگ سجدہ اک جبیں پر داغ ہے　　اور قسمت آزماؤں کس طرح

اپنی ہستی کا مٹانا سہل ہے　　داغ ہستی کو مٹاؤں کس طرح

بند کی ہیں شوق نے راہیں تمام　　تیرے در کی راہ پاؤں کس طرح

تیرا دھوکا ہستیٔ ناپائدار　　دیدہ و دانستہ کھاؤں کس طرح

یہ بھی کیا تقدیر ہے، بگڑی بنی　　بات بگڑی ہے، بناؤں کس طرح

جب میں اُٹھتا ہوں تو دل ہے بیٹھتا　　کہہ رہے ہو "جاؤ!" جاؤں کس طرح

میرے کہنے میں نہیں ہے دل اثرؔ

اس کو سمجھاؤں بجھاؤں کس طرح

انھیں آج تھا سابقہ کس حزیں سے؟ نگاہیں تری اور نہ اُٹھیں زمیں سے!
کشش کھینچ لے اپنے در کی زمیں سے وگرنہ ہے اب حشر سجدہ جبیں سے
سُنانا ہے قصّہ اُنھیں دردِ دل کا کوئی تھوڑی تاثیر لا دے کہیں سے
وہ اُبھرا جو پیوست تھا دل میں پیکاں کھُلا عقدۂ حسرت دمِ واپسیں سے
یہ دعویٰ غلط ہے، تو وہ قول باطل کوئی پیش کیا پائے اُس نکتہ چیں سے
صلہ منتوں کا، دعاؤں کا حاصل جبیں کی شکن، دل شکن تر "نہیں" سے
نہیں اب بھی شاداب اے گریہ دامن تو پھر جوئے خوں کاٹ لا آستیں سے
خدا رکھے، فکرِ تلافی ہے اُن کو یہاں کب کی فرصت ہوئی مہر و کیں سے
جنھیں شرمِ عصیاں نے جائز نہ رکھا عرق بن کے ٹپکے وہ سجدے جبیں سے
جہاں ہاتھ رکھا پئے نالہ دل پر وہیں ایک شعلہ سا لپکا کمیں سے
وہ اک بیخودِ شوق کی بہکی باتیں یہ ٹکڑا کہیں کا، وہ ٹکڑا کہیں سے
ذرا ہمّتِ عشقِ گستاخ دیکھو تمھیں مانگتا ہے، تمھیں! اور تمھیں سے!!
جھکے سر جو سجدے میں تو پھر نہ اُٹھے ترا حُسن جبتک نہ جھلکے جبیں سے
اثرؔ داغ سے ہے، لہو دیں و دشمن بہرکیف دھو ڈالئے آستیں سے!

ہستی ہے ایک داغ جو مٹ کر بھی رہ گیا — کیا راز تھا کہ شمع سے پروانہ کہہ گیا

جو دل تھا آبگینے سے نازک مزاج تر — کیا کیا بلائیں تیری محبت میں سہہ گیا

کاوش فزا ہے شوق، مگر شوق ناگزیر — اک شائبہ خلش کا تمنا میں رہ گیا

جب تک ہے آرزو ترا ملنا محال ہے — دیوانہ بات دور کی پردے میں کہہ گیا

رونے کو اس طرح کے جگر چاہیئے اثرؔ
اشکوں کے ساتھ دل بھی لہو ہو کے بہہ گیا

جو اُٹھے تھے ساری دنیا کو جگانے کیلئے — ایسے سوئے نقش عبرت ہیں زمانے کیلئے

برق کی تعمیر ہے خود ہستی ناپائدار — کیوں پریشاں ہو رہا ہے آشیانے کیلئے

تھک کے جاگے ہوئے کروٹ بدل کر سو گئے — شور محشر تھا فسانہ، نیند آنے کیلئے

چاک دامن ہو گیا، ٹکڑے گریباں ہو گیا — گل سمجھتے تھے کہ ہیں ہنسنے ہنسانے کیلئے

ایک از آں جملہ قیامت ہے، جو ہنگامے ہوئے — عشق کی تاب نظر کو آزمانے کیلئے

چھپنے والے جلوۂ حیرت تجھکو خدا — دل کہاں سے لاؤں، درد دل سنانے کیلئے

اک جہان آرزو کا ماحصل ہے اسقدر — ایک داغ آرزو، وہ بھی مٹانے کیلئے

باز رکھا عشق شوریدہ نے سجدے سے وہاں — خاک چھانی مدتوں جس آستانے کیلئے

کیا کیا تو نے سکوتِ نامرادی، کیا کیا   رُو دیئے، ہنستے تھے جو مجکو رُلانے کیلئے

میرا کہنا مان، اے حُسنِ پشیمانِ ستم
اب محبت کر، محبت آزمانے کیلئے

پھرتے ہوئے کسی کی نظر دیکھتے رہے   دل خون ہو رہا تھا، مگر دیکھتے رہے
کچھ روز یہ بھی رنگ رہا انتظار کا   آنکھ اُٹھ گئی جدھر، بس اُدھر دیکھتے رہے
پنہاں ہر ایک جلوے میں اک جلوہ اور تھا   رعنائیِ خیال و نظر دیکھتے رہے
ملتی ہوئی تھی جس سے سرے نیستی شگفتگی   رنگینیِ طلوعِ سحر دیکھتے رہے
جب آشیاں کی یاد اسیری میں آ گئی   اُڑتے ہوئے ہوا میں شرر دیکھتے رہے
سُنتے رہو کہ دیکھ لیا جلوہ بے حجاب   اپنا ہی سب فریبِ نظر دیکھتے رہے
اس واسطے کہ اور گھٹے مول جنس کا   مطلوب اُنکو دل تھا، جگر دیکھتے رہے
ہے ہے وہ ضبطِ شوقِ نظارہ دمِ اخیر   دل چاہتا کدھر تھا، کدھر دیکھتے رہے

سامانِ صد ہزار تماشا تھی بیخودی
آنکھیں تھیں بند اور اثر دیکھتے رہے

تو نظر آیا، اگر میں نظر آیا مجھکو پھر غلط کیا ہے جو ہے اپنی تمنا مجھکو

دیکھ لوں اُس نے کس انداز سے دیکھا مجھکو ہوش رہ جائے دم جلوہ اِن اتنا مجھکو

حال پوچھا تھا تو اس طرح نہ پوچھا ہوتا رہ گئی عرض تمنا کی تمنا مجھکو

جس طرح، جھومے، گرے، گر کے اُٹھے مستِ شراب یوں ہیں مطلوب ہے سجدہ ترے در کا مجھکو

آپ کے وعدۂ رنگیں پہ جہاں غور کیا کئی فردا نظر آئے ہیں فردا مجھکو

دیکھتا ہوں دل محروم تماشا کو میں دیکھتا ہے دل محروم تماشا تجھکو

ہوش ہے منت، اگر ہوش نہیں، کچھ بھی نہیں اور سب کچھ ہے ترے غم میں گوارا مجھکو

عشق شوریدہ کہاں، منزل مقصود کہاں اپنی حسرت ہے، کبھی تیری تمنا مجھکو

اے زہے شور طلب، جسکی یہ محرومی ہے مل گیا اک دل آسودۂ سودا مجھکو

اُنکی پرسش پہ خموشی ہی تھی قہر اُسپہ ستم
یہ ترا عذر اثرؔ! "ہوش نہیں تھا مجھکو"

عجب کیا رہ شوق کا طے نہ ہونا کہ دشوار ہے سرخوش مے نہ ہونا

وہ گھبرانا اُن کا، وہ شرمانا اُن کا وہ جرم وفا کی سزا طے نہ ہونا

[illegible] بڑی عافیت ہے، غم شے نہ ہونا

یہ ہستی بھی اک شکل ہے نیستی کی ٭ یہ ہونا بھی اے بے خبر ہے نہ ہونا
کسی اور عالم میں وحشی اثر ہے
کہا مانو اس وقت درپے نہ ہونا

کعبہ بھی دل ہے، یہی دیر ہے ٭ دونوں کی گھر بیٹھے غرض سیر ہے
آنکھ لگی ایسے دل آزار سے ٭ نام سے الفت کے جسے بیر ہے
رشک محبّت کی یہ رسوائیاں ٭ تجھ پہ بھی ہوتا ہے گماں، غیر ہے
دل ہے کہ اک بسمل درخوں تپاں ٭ تو بھی ذرا دیکھ، عجب سیر ہے
وہم غلط کار کا یہ بھی فریب ٭ کوئی ہے اپنا نہ کوئی غیر ہے
دیکھئے جانا ہو اب اپنا کدھر ٭ کعبہ ادھر اور اُدھر دیر ہے
بات کہے آتا ہے غصّہ اثر
کس سے لڑے بیٹھے ہو کچھ خیر ہے

عشق و آزار میں تھا میل کبھی ٭ الغرض عاشقی تھی کھیل کبھی
عشق ہے اور نامرادی ہے ٭ منڈھے چڑھتی نہیں یہ بیل کبھی
آہ کیوں دور دور پھرتے ہو ٭ ہم میں تم میں تھا ہیل میل کبھی

عیش کونین بھول جائے گا سختیاں عشق کی تو جھیل کبھی

اب نہ ہمت نہ ولولہ ہے اثرؔ

جان پر کھیلنا تھا کھیل کبھی

تیرا پردہ ہے وہ گہرا پردہ کہ اُٹھائے نہیں اُٹھتا پردہ

اور پردہ تجھے درکار نہیں آپ ہے چشمِ تماشا پردہ

اب وہ دل ہے نہ وہ شوریدہ سری مجھ سے بیکار ہے تیرا پردہ

دل نے مضرابِ فنا سے چھیڑا سازِ نیرنگِ قضا کا پردہ

نہ رہا جب کوئی پردہ باقی بن گئی تیری تمنّا پردہ

جانِ مشتاق پر اب تک نہ کھلا کیا ہے جلوہ ترا اور کیا پردہ

دلِ بیتاب دھڑکتا ہے اثرؔ

یا ہے جنبش میں حرم کا پردہ

اب اُدھر جب نگاہ جاتی ہے آہ بھی عذر خواہ جاتی ہے

راہ مسدود ہے محبت کی جس طرف بھی نگاہ جاتی ہے

پلٹی ناکام اُس آستاں سے دعا گرتی پڑتی اب آہ جاتی ہے

اُس پہ بھی چھا رہی ہے مستی سی　　میکدے کو جو راہ جاتی ہے
کہنے کو جو بھی چاہے کہیئے اثرؔ
دل سے کب اُس کی چاہ جاتی ہے

کوئی ہو جلوہ نما بے نقاب مشکل ہے　　ظہورِ برق بغیر سحاب مشکل ہے
سوال وہ ہے کہ جس کا جواب مشکل ہے　　تسلّیِ دلِ خانہ خراب مشکل ہے
ہر اک ادا پہ مجھے دل نثار کرنے دے　　ادائے خاص کا اب انتخاب مشکل ہے
حقیقتِ مے و مینا کا وہ نہیں محرم　　جسے سرور بغیر شراب مشکل ہے
خروشِ بحر سے کرنا آشنا نہیں قطرہ　　نمود پر نہ ہو مائل حباب مشکل ہے
بعینہ موج سے جس طرح موج پیدا ہو　　گناہ ایک تھا اور اجتناب مشکل ہے
فنا پہ عقدۂ ہستی کا حل اُٹھا رکھئے　　کہ خواب ہی سے ہو تعبیرِ خواب مشکل ہے
ہمیشہ جام بکف ہے وہ نرگسِ مخمور　　شرابخوار سے چھوٹے شراب مشکل ہے
صلاحِ کار مبارک ہو تجکو اے واعظ　　یہاں تمیزِ خطا و صواب مشکل ہے
تمام ہوش ہوئی ہے تمام بے خبری　　جہانِ عشق میں اب انقلاب مشکل ہے
نگاہِ لطف کی ممنون ہے خلش دل کی　　اثرؔ سے ترک ہوا اضطراب مشکل ہے

صفا پروری کا جو معمول نکلے لطافت میں ہر خار بھی پھول نکلے
وہ گم کردہ منزل ہیں واقف نہیں ہم کہاں جا رہے تھے، کدھر بھول نکلے
افادات واعظ پہ تنقید رنداں ذرا پیچ کم ہو، ذرا طول نکلے
چمن میں چلی مست باد بہاری شگوفے کھلے ساقیا پھول نکلے!
ہوئی خدمت خلق جن جن کا مذہب خدا کے وہی بندے مقبول نکلے
اثر کو فضیلت ہے اہل وطن پر
کہ اُن میں بھی ایسے نہ مجہول نکلے!

سچ ہے محبت زہر نہیں ہے جینے کی پھر بھی لہر نہیں ہے
کشتوں سے تیرے جو نہ بسا ہو ملک وفا میں شہر نہیں ہے
چپکے سے پی جائے دل مضطر اشک الم ہے، زہر نہیں ہے
مسلکِ اہل صبر و رضا میں جبر نہیں ہے، قہر نہیں ہے
صورت معنی، معنیٔ صورت تو ہی تو ہے، دہر نہیں ہے
دل ہی اثر کا تاب نہ لایا
ورنہ محبت زہر نہیں ہے

رونقِ بزم نہ ہو شمعِ شب افروز، غلط　　عشق کامل ہے اگر، نالۂ جانسوز غلط

مجھ سے غافل ہو ترا غمزۂ خونریز، دروغ　　مجھ سے منھ پھیرے ترا ناوکِ دلدوز غلط

افترا، شوق کا ممنونِ تسلّی ہونا　　طرزِ دلجو ہے، مگر عافیت آموز ؟ غلط!

بیخودی ہے جو یہی، شورشِ فردا افسوں　　خوابِ افسانۂ ماضی، غمِ امروز، غلط!

عشق کی جان اثر لذّتِ محرومی ہے
ہرزہ گفتارِ طرب، عشرتِ فیروز غلط

اب خموشی بھی ہے، گویائیِ عشق　　تیرا احسان شکیبائیِ عشق!

عشق ہی عشق نظر آئے گا　　کچھ بڑھی اور جو بینائیِ عشق

منھ نہ کھلوائیے، شرمائیے گا　　شہرۂ حسن ہے، رسوائیِ عشق

اب یہ نقشہ ہے دلِ حیراں کا　　کہ ہے خود عشق تماشائیِ عشق

کوئی محفل ہو کہ ہنگامہ ہو　　ہے وہی عالمِ تنہائیِ عشق

کہہ گیا راز یہ اک دیوانہ　　تشنہ کامی سے ہے رعنائیِ عشق

کوئی پرساں جو نہیں ہے تو نہ ہو　　عشق کرتا ہے پذیرائیِ عشق

آبلے خار سے مانوس ہوئے　　ختم ہے بادیہ پیمائیِ عشق

رونے دو، ہے مجھے درپیش آثرؔ
خونِ دل سے چمن آرائیٔ عشق

اِدھر دیکھ لینا، اُدھر دیکھ لینا ۔۔۔ پھر اُنکی طرف اِک نظر دیکھ لینا
وہ میرا نہ کہنے میں کچھ جانا سب کچھ ۔۔۔ وہ اُنکا اچانک ادھر دیکھ لینا
عبث میری جانب سے تو بدگماں ہے ۔۔۔ نہیں مدعا کچھ، مگر دیکھ لینا
مرے غمکدے میں وہ آئینگے اِکدن ۔۔۔ جھلک اُٹھینگے بام و در دیکھ لینا
آثرؔ عرضِ حال اُن سے بے سوچے سمجھے!
کہا تھا کہ پہلے نظر دیکھ لینا!

جب شکستِ رنگ سے دل کی جلا ہو جائیگی ۔۔۔ خود فنا آئینۂ رازِ بقا ہو جائیگی
درد سے مانوس جانِ مبتلا ہو جائیگی ۔۔۔ رفتہ رفتہ بیقراری مدعا ہو جائیگی
شمع کے مانند سرگرمِ طلب رہنا ہے شرط ۔۔۔ رات بیتے بیتے منزل زیرِ پا ہو جائیگی
کشتِ دہقاں پر نظر ہے، خاک میں ملنے کے بعد ۔۔۔ نیستی سرمایۂ نشو و نما ہو جائیگی
نامرادی کا برا ہو، ہاتھ اٹھ سکتے نہیں ۔۔۔ ڈر یہ ہے برباد ناموسِ دعا ہو جائیگی
یاد ہوگا کیا کہا تھا اے دلِ ضبط آزما ۔۔۔ خامشی اِک دن زبانِ ماجرا ہو جائیگی

ہے یہی ظالم جو تیرے مسکرانے کی ادا
گنگنا کے ہر کلی نغمہ سرا ہو جائیگی

زندگی ہو تو خمار آلودۂ ذوقِ فنا
بے تکلف اِک نگاہِ دلربا ہو جائیگی

سوچ لے کیا مانگتا ہے کس سے اور کس کے لئے
دیکھنا کچھ اور ہی شانِ دعا ہو جائیگی

دل ہی مٹ جائے گا یا مٹ جائیگی دل کی خلش
کچھ نہ کچھ دردِ محبت کی دوا ہو جائیگی

ہو چکی روزِ جزا بھی داد خواہی ہو چکی
جور کا پردا وہاں تیری حیا ہو جائیگی

نشہ بنکر جب تری آنکھوں سے چھلکے گا شباب
اور ہی کچھ کیفیت نامِ خدا ہو جائیگی

کیا خبر تھی اُس نگاہِ فتنہ زا کے سامنے
دل میں جو بھی آرزو ہے التجا ہو جائیگی

ہستئ موہوم کیا ہے، گردشِ پرکار ہے
ابتدا جو تھی وہی پھر انتہا ہو جائیگی

نالہ کیوں کرتی اگر یہ جانتی بلبل غریب
صبحِ گلشن خندۂ دنداں نما ہو جائیگی

دستِ سیمینِ تخیل میں ترا دامن رہے
خود بخود رنگینیٔ معنی حنا ہو جائیگی

زخمۂ غم نے جہاں چھیڑا رگِ جاں کو اثر
زندگی اک نغمۂ بے ساز و صدا ہو جائیگی

تبلا تو ہی کیا وعدہ تھا، مجکو جو نہیں ہوش
او وعدہ فراموش

گردن نہ جھکا، دیکھ ادھر، کیوں رہو خاموش
او وعدہ فراموش

کیا قول تھا، کیا فعل ہے، انصاف ذرا کر
کچھ خوف خدا کر

دل چاک، جگر خوں ہے اور ارمان سیہ پوش
او وعدہ فراموش

خونابۂ دل اشکوں کے ہمراہ بہا ہے
وہ جبر سہا ہے

گلپوش ہے دامن تو گریبان ہے گلپوش
او وعدہ فراموش

کیا چال نکالی ہے تری چال کے قرباں
بسمل ہیں دل و جاں

مدہوش کا ہوتا ہے گماں، گو نہیں مدہوش
او وعدہ فراموش

قابو میں اثر کے دل دیوانہ نہیں ہے
مستانہ نہیں ہے

غم اسکو فراموش نہ وہ غم کو فراموش
او وعدہ فراموش

ہ درد جس میں کیف ہو شامل کہیں نہیں
اے عشق تیرا مد مقابل کہیں نہیں

بلائے حسن کا ترے محمل کہیں نہیں
تو جسمیں بے نقاب ہو وہ دل کہیں نہیں

ز دل ہوا اپنے شوق میں بسمل کہیں نہیں
میں جسکو ڈھونڈتا ہوں وہ قاتل کہیں نہیں

عمورۂ جہاں کہ طلسمات ہے کوئی
محفل رچی ہے، صاحب محفل کہیں نہیں

آوارہ دشت میں ہوں باندازِ گرد باد — منزل تو کیسی جادۂ منزل کہیں نہیں

حاصل جو عیش کا ہے وہ اندوہ تو بہت — اندوہ سے جو عیش ہو حاصل کہیں نہیں

موسیٰ کے بعد جیسے چلن ہی وہ اٹھ گیا — تجھ سے جو تجکو مانگ لے، سائل کہیں نہیں

باتیں بنا رہا ہے دلِ خانماں خراب — اک بات بھی تو کہنے کے قابل کہیں نہیں

اے شوق ذبح وقت نہیں اضطراب کا — کہہ اُٹھے "ہاں" کے بدلے نہ قاتل کہیں "نہیں"

منزل جو کل تھی آج وہ جادہ ہے پیش پا — شاید طریقِ عشق میں منزل کہیں نہیں

یوں غرق ہو کہ اُٹھے ہر اک موج سے خروش — مانا کہ بحرِ عشق کا ساحل کہیں نہیں

لے جائیں ہاتھوں ہاتھ ملک جسکی لاش کو — ایسا اب اس نگاہ کا گھائل کہیں نہیں

اِس کارگاہِ دہر میں سب کچھ تو ہے اثرؔ
دل بے نیازِ حسرتِ حاصل کہیں نہیں

زیبا گلہ کسی کا دمِ واپسیں نہیں — یہ کیا ستم ہے جان ستمکش، نہیں نہیں

یوں تو بہار لالہ و گل ہے شفق بھی ہے — دل سا ہلاک جلوۂ رنگیں کہیں نہیں

شادابیاں لٹانے لگی چشمِ خوں فشاں — بالیدہ شاخ گل ہے مری آستیں نہیں

او شوخ تیرے وعدے سے تسکیں ہو کس طرح — دل کو ابھی یقیں تھا ابھی پھر یقیں نہیں

ب تک رہے گی کشمکشِ ضبط و اضطراب یا آج دردِ دل ہی نہیں یا ہمیں نہیں

ری نگہ بدلتے ہی دنیا بدل گئی گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

ت ہوئی کہ دل ہے نہ صبر و قرار ہے اک جانِ زار ہے سو کہیں ہے کہیں نہیں

سوا نہ کر مذاقِ محبت کو بے خبر نالہ ہوس ہے جب نفسِ آتشیں نہیں

اہد نمازِ عشق کی افتاد ہے کچھ اور جس کو ہو ربط سجدوں سے میری جبیں نہیں

لت کا راز دار کیا جب سے عشق نے جز حسن کوئی میری نظر میں حسیں نہیں

ر سانس میں سرور تھا، نغمہ تھا، عیش تھا کیا مجھکو یاد وہ نگہِ اولیں نہیں

پونچھے تو کون شمع کے عارض سے اشکِ غم
شعلے کی آستیں ہے، مگر آستیں نہیں

کھوئے ہوئے سے رہنا دن کو، روتے پھرنا راتوں کو
جو ہیں عاقل وہ کیا سمجھیں، عشق و جنوں کی باتوں کو
صبح کو جلوہ برسرِ منبر، شب کو پیرِ میخانہ
اب کہئے تو بھلا کیا کہئے ایسی مقدس ذاتوں کو!

وہ جو نہ آئے، بادل چھائے، گرجے، برسے، کھل بھی گئے
اسکے سوا ہم ہجر کے مارے کیا جانیں برساتوں کو

بات یہ اور ہے شوق کے ہاتھوں خون دل عاشق ہو جائے
کام نہیں کچھ خونریزی سے تیرے حنائی ہاتھوں کو

شرم و حیا ہے، ناز و ادا ہے، عشوہ کرشمہ، شوخی بھی
کیا تمھیں لینے جانا کہیں ہے دل لینے کی گھاتوں کو

کیا کیا ہم پر لطف و کرم ہے، کیسی کیسی مہر و وفا
تلخ اگر سن سکتے نہیں تو کیوں چھیڑو ان باتوں کو

دید کی عشرت، محویت، پھر مدہوشی میخوار کی سی
شوق نے ختم ہیں یہ کیا پر لطف ملاقاتوں کو

غم میں وہ لذت پائی ہم نے، ذوق طلب پہ نثار کیا
حسن قبول عطا جو ہوا بھی شب کی مناجاتوں کو

ہو نہ ہو سب ہے اپنی بیتی لاکھ کرو انکار اثر
نیند آنکھوں کی اڑاتے ہو کہہ کہہ کے فسانہ راتوں کو

بقدرِ ذوقِ الم پیچ و تاب ہو نہ سکا ہر آبلہ دلِ پر اضطراب ہو نہ سکا

تمام شوق تمام اضطراب ہو نہ سکا جدا شراب سے کیفِ شراب ہو نہ سکا

سحر نے لاکھ ملا غازۂ شفق رخ پر ترے شباب کا لیکن جواب ہو نہ سکا

ہزار غنچے کو آئی ادا لجانے کی تری طرح پسِ پردہ حجاب ہو نہ سکا

سرشکِ شوق کی منزل ہوا نہ وہ دامن ستارۂ سحری آفتاب ہو نہ سکا

کچھ اور اے دلِ ناکام آرزو ہمت وہ غم ہی کیا جو غمِ بےحساب ہو نہ سکا

جدا ہیں سارے زمانے سے عشق کے آئیں وہ کامیاب ہے جو کامیاب ہو نہ سکا

دلِ ستمزدہ ہر چند کانپ کانپ اٹھا نگہ سے انکی مگر اجتناب ہو نہ سکا

حیا نقاب بنی اور چھا گئی رخ پر اگر وہ جلوۂ رنگیں نقاب ہو نہ سکا

بہشت اور مے آشامیاں کہاں کہ یہ کام بغیرِ یار و شبِ ماہتاب ہو نہ سکا

کئے بہم صحفِ لالہ و گل و انجم کتابِ دل کا مگر ایک باب ہو نہ سکا

کہے گا ضبط اسے کون، بے حسی ہے اثر
کہ دل کے جلنے پہ بھی پیچ و تاب ہو نہ سکا!

وصل حاصل نہیں تو ممکن ہے جو بھی دن ہے وہ عید کا دن ہے
وہ نہیں بھولتے اگر اے دل آپ کو بھولنا تو ممکن ہے؟
رازِ الفت چھپایئے کیونکر اشک پردہ دری کا ضامن ہے
یہ کہے کون حسنِ خود بیں سے تیرے ظاہر کا عشق باطن ہے
پھر نہ آئے جو وعدہ کر کے گئے آج کا دن ہے اور وہ دن ہے
اُسے ہم غمزدوں کی کیا پروا وہ بساطِ طرب کا ساکن ہے
چارۂ دردِ دل نہیں ہوتا اور سب اُس نگہ سے ممکن ہے

کافرِ عشق و بندۂ اصنام
یہ اثر دیکھنے کا مومن ہے!

ہے کون سی جا جہاں نہیں ہے وہ جانِ جہاں کہاں نہیں ہے
لیکن ضد ہے یہ عاشقوں سے جس جا کہیئے، وہاں نہیں ہے
یکساں ہے شہود و غیب، یعنی ہے اور کوئی نشاں نہیں ہے
وہ جلوہ فروزِ بزمِ امکاں اتنا ہے عیاں، عیاں نہیں ہے
کوئی ہمتا نہیں ہے تیرا تجھ پر بھی ترا گماں نہیں ہے

ادراک سے تیری ذات بالا　گنجائش این و آں نہیں ہے

آتا ہے براہِ راست دل میں

جس راز کا راز داں نہیں ہے

اب ہم نہیں درخورِ کرامت　اب ہم پہ وہ مہرباں نہیں ہے

اپنے اعمال کی ہے شامت　محنت کب رائگاں نہیں ہے

جو راہ طلب میں سر بکف ہو　وہ جذبہ خوں چکاں نہیں ہے

جنگاہ و صلوٰۃ صف بصف ہو　وہ دبدبہ حکمراں نہیں ہے

دشمن کو اماں دے فتح پا کے　وہ سطوتِ بیکراں نہیں ہے

جو دل میں وہی زبان پر ہو　وہ دل نہیں وہ زباں نہیں ہے

اک وزحیا تھی اپنا ایماں　مدّت سے وہ درمیاں نہیں ہے

وہ ولولۂ نیاز مندی　وہ عشرت امتحاں نہیں ہے

شیوہ نہ رہا جو حق پسندی　حق اپنا پاسباں نہیں ہے

جس کا جوہر نہ ہو محبت

انساں نہیں ہے، ہاں! نہیں ہے

ایسی ویسی بہت بنائیں — دل سے بہتر مکاں نہیں ہے

اک سلکِ گہر کہ ضوفشاں تھی — اشکوں کا وہ اب سماں نہیں ہے

سہرے پڑتے تھے بجلیوں کے — اب وہ طرزِ فغاں نہیں ہے

سن لے کوئی بے کلیجا تھامے — وہ حال بلا کشاں نہیں ہے

کیوں داغ کہوں دیے ہیں غم نے

وہ پھول جنھیں خزاں نہیں ہے

یہ رنگِ طرب جوشئ مینا نہ رہیگا — جسدن اثرِ سرخوشِ صہبا نہ رہیگا

مانا دلِ بیتاب تماشا نہ رہیگا — جلوہ بھی نقابِ رخِ زیبا نہ رہیگا

اللہ وفائیں مری اور تیری جفائیں — کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ چرچا نہ رہیگا

یہ کس کو خبر تھی دلِ ناکام تمنا — جھوٹوں بھی کوئی پوچھنے والا نہ رہیگا

آنکھوں کے اشاروں میں کسی نے دمِ آخر — کیا کیا گلۂ رنجشِ بیجا نہ رہیگا

کچھ ہو کہ نہ ہو حاصلِ اظہارِ تمنا — یہ رنگِ خلش تو دلِ شیدا نہ رہیگا

جب ہے یہی اندازِ غلط بخشئ ساقی — محروم کوئی مانگنے والا نہ رہیگا

کہتا ہے یہ مٹ مٹ کے حبابوں کا ابھرنا — قطرہ کبھی آسودۂ دریا نہ رہیگا

اک بار حجاباتِ تجلی سے نکل آ   اب کون ہے جو دیکھنے والا نہ رہیگا
جس سجدے کی دھن ہو مجھے تکمیل تک اسکی   شاید سرِ آمادہ سودا نہ رہیگا
دل بھی اثرؔ اکی سی کہے تو مرا ذمہ
اپنا جسے سمجھے ہو وہ اپنا نہ رہیگا

دل یہ ناطاقتی میں طاق ہوا   تیرا عذرِ ستم بھی شاق ہوا
ڈبڈبا آئیں خود بخود آنکھیں   بارہا ایسا اتفاق ہوا
کیوں نہ پھر دشمنوں کی بن آئے   دوستوں میں ہی جب نفاق ہوا
جان دی اور گنہگار ہوے   عاشقی کیا ہوئی، مذاق ہوا!
تم کو دیکھا ھزار بار، مگر   کم ذرا بھی نہ اشتیاق ہوا
ایک لفظ وفا نہ ہونے سے   دفترِ عمر بے سیاق ہوا
کہہ رہا ہے یہ ڈوبنا دل کا   ختم ہنگامۂ فراق ہوا
اثرؔ زار سے یہ بیزاری!
اک نظر دیکھنا بھی شاق ہوا

زبور محبت سُناتا رہیگا زبان قلم پر ترانا رہیگا
تری دید کا جسکو سودا رہیگا جدھر دیکھ لے گا تماشا رہیگا
جسے شوقِ عرض تمنا رہیگا محبت کی دنیا میں سوا رہیگا
ادھر دیکھ لے اچھی آنکھوں کا صدقہ ترے حسن کا بول بالا رہیگا
جہاں چاک کردے ہوے کیف و کم کے تماشا نہ ذوقِ تماشا رہیگا
بہت ناز ہے تجکو اے دل وفا پر کسی دن کئے کی سزا پا رہیگا
تری چشم میگوں کا مارا ہوا ہوں مجھے شوق ہر لحظہ اپنا رہیگا
زمانے کو اک رنگ پر کس نے دیکھا بدلتا رہا ہے، بدلتا رہیگا
ادھر آئینگے وہ خراماں خراماں بہاراں بہاراں نظارا رہیگا
خدا کیلئے اے دل داغ ساماں کہاں تک ہلاکِ تمنا رہیگا
حیا شیوۂ حسن، ادب شرطِ الفت ملے بھی تو آپس میں پڑا رہیگا

اثرؔ دل کو بیکار سمجھا رہے ہو
تڑپتا رہا ہے، تڑپتا رہیگا

خونِ ہزار حسرت و ارماں لئے ہوئے ہر قطرۂ سرشک ہے طوفاں لئے ہوئے
اے کاش سوئے دل بھی ہو مائل کبھی کبھی وہ گوشۂ نگاہ گلستاں لئے ہوئے
یہ ہے وفورِ شوق تو مارا پڑا ہے دل پیماں کے ساتھ حسرتِ پیماں لئے ہوئے
تم دیکھ لو تو رشک تمھیں آئے اور آئے ایسا بھی جلوہ ہے دلِ حیراں لئے ہوئے
دستِ جنوں نکال کوئی اور مشغلہ رخصت ہوئی بہار گریباں لئے ہوئے
کبتک دلِ حزیں یہ خلشہائے ناتمام آغاز دردِ عشق کا عنواں لئے ہوئے
کرتی ہے کام نشتر و پیکاں کا وہ مژہ نشتر لئے ہوئے ہے نہ پیکاں لئے ہوئے
کیوں مرگ سوگوار نہ ہو اسکی زیست پر جو تیری صیدگہ سے پھرے جاں لئے ہوئے
ہر داغِ دل ہے فیض سے تیری نگاہ کے شانِ جمالِ یوسفِ کنعاں لئے ہوئے
شورش فزا بہار نہ کیوں ہو کہ ہے نسیم سب پیچ و تابِ زلفِ پریشاں لئے ہوئے
جب لطف دید ہے کہ شبستان ناز میں تارِ نظر ہو شمع فروزاں لئے ہوئے

لو مجھ سے بدگمان ہے میرا ہی دل اثرؔ
انداز سرگرانیٔ جاناں لئے ہوئے

عزیز ہے مجھے کعبہ، عزیز بت خانہ
مذاق عشق ہے بیگانگی سے بیگانہ

تری نگاہ سے جب مستیاں برستی ہوں
رہے جو ہوش میں اپنے وہی ہے دیوانہ

نہ لڑکھڑائے ذرا قدم، حکم ہے یہ ساقی کا
شراب شوق سے لبریز دے کے پیمانہ

غرور والوں سے جھک کر کبھی نہیں ملتا
فقیر تو ہوں مگر ہے مزاج شاہانہ

کھلی کتاب تھا ایک ایک راز ہستی کا
فنا کی راہ میں رکھا قدم جو مردانہ

وہ شمع جس سے لرزتا ہے برق کا شعلہ
کیا ہے عشق نے روشن اسی سے کاشانہ

اجاڑ کر دل حسرت پرست کی بستی
یہ دھن ہے کیجئے قائم نظام ویرانہ

چمن کی یاد ہے اتنی سی اب اسیروں کو
سنا ہو خواب کے عالم میں جیسے افسانہ

خراب نرگس ساقی فقط اثر ہی نہیں
چمن چمن ہے یہی دور دور مستانہ

یہ کیا ہے رنگ تلون خیال جانانہ
کہ آشنا ہے ابھی اور ابھی ہے بیگانہ

جو گرد سرو ہی پھرتا رہا یہ دیوانہ
تو آپ شمع کریگی طواف پروانہ

جنوں کے جوش میں گزرا ہے کون دیوانہ
کہ خار سہمے ہیں وحشت زدہ ہے ویرانہ

ہزار توبہ دم توبہ یہ نہیں کھلتا
در قبول کھلا ہے کہ باب میخانہ

ترے جمال کا پرتو ہر ایک داغ میں ہے — نگار خانہ تھا جو دل وہ ہے پری خانہ
خیالِ یار تجھے اپنی دلکشی کی قسم — مجھے سنا دے مری بیخودی کا فسانہ
سحر لئے رہے اپنا پیالۂ خورشید — شرابِ جلوہ کی خاطر ہے دل کا پیمانہ
وہ سوز و ساز محبت کا آخری منظر — کنارِ شمع فسردہ، مزارِ پروانہ

تمام عمر اثر جس کی راہ دیکھی تھی
ادھر سے آج وہ گذرا تو مثلِ بیگانہ!

یہ اپنی مستیٔ دوشینہ کا ہے افسانہ — ستارے ٹوٹ پڑے چھٹ پڑا جو پیمانہ
کسی کی چشمِ فسوں ساز کا ہوں دیوانہ — نظر کے ساتھ لئے پھرتا ہوں پری خانہ
ہماری بیخودیٔ شوق، جوہرِ بادہ — ہماری لغزشِ مستانہ طرحِ میخانہ
مجھے تو ہوش نہیں، تو ہی کچھ بتا ساقی — کرشمۂ نگہِ مست ہے کہ پیمانہ
اٹھا دے قیدِ سبو و شرابِ ساغر کی — بلند اور ذرا کر مذاقِ رندانہ
گلوں سے کہتے ہی کہتے نسیمِ مست ہوئی — ترے خرام کی رنگینیوں کا افسانہ
زہے نشاط یہ عالم ہے جوشِ مستی کا — نظر کے ساتھ ابھرتا ہے خطِ پیمانہ
ترے نثار وہی اک تبسمِ مبہم — کلی کلی کی زباں پر ہے جس کا افسانہ

تمام عشق ہوا ہے تمام رعنائی — گلاب کی ہے کوئی پنکھڑی کہ پروانہ!
لطیف نشۂ الفت لطیف تر ہے خمار — کہ اب ہے رنگ کو گردش بجائے پیمانہ

جنوں کے جوش میں اپنی بلائیں لیتا ہے
کہا جو ناز سے تم نے اثرؔ کو "دیوانہ"

اللہ اللہ کاہشِ مقصود — کہ ہوے ایک شاہد و مشہود
نغمۂ کن کی سیر آہنگی — ہر طرف چھڑ گیا سرود وجود
مرحبا ذوق خود فراموشی — کہ ہے سر رشتۂ طلب مفقود
یہ خدا جانے کون ہوں، کیا ہوں — کبھی ساجد ہوں اور کبھی مسجود
عالم الغیب تو نہیں لیکن — ہے وہ عالم کہ غیب بھی ہے شہود
اب کہاں سینہ کاوی حسرت — اب کہاں دلخراشی بے سود
اب کہاں اضطراب تاب شکن — اب کہاں شوق مرحلہ فرسود
اب کہاں راز داریاں غم کی — اب کہاں خندہ ہائے اشک آلود
آہ! نیرنگ سازی حیرت — دل پہ ہے راہِ شش جہت مسدود
تیرے غم کی بہار سامانی — دامن اشک ہے شفق آلود

موسمِ گل اگر نہیں تو نہ ہو — برگ برگِ خزاں ہے زر اندود
لے وفا سے بھی ہاتھ اُٹھاتا ہوں — تو وفا سے اگر نہیں خوشنود
دل آثر کا ہے نغمہ زارِ سروش
ہر غزل ہے ترانۂ داؤد

حسن تیرا نہ اگر زینتِ امکاں ہوتا — دہر اک سلسلۂ خوابِ پریشاں ہوتا
میرے اشکوں کی جو منزل ترا داماں ہوتا — شبنمستانِ محبت میں چراغاں ہوتا
جب میں قائل ترا اے گردشِ دوراں ہوتا — کہ مرے ہاتھ میں وہ گوشۂ داماں ہوتا
جتنے پروانے تھے اے کاش مسلماں ہوتے — تجھ پہ اے "شمعِ حرم" کوئی تو قرباں ہوتا
یادِ ایام کہ جب آہِ سحر کا دمساز — نفسِ سوختۂ شامِ غریباں ہوتا
خون ہونا تھا بہر حال تو پھر عیب تھا — کہ حریفِ لبِ اظہار بھی ارماں ہوتا
عشرتِ ہر دو جہاں دردِ محبت پہ نثار — کوئی دیوانہ تھا جو طالبِ درماں ہوتا!
ناز کرتا دلِ برباد پر اپنے کیا کیا — یہ بھرا گھر ترے ہاتھوں سے جو ویراں ہوتا
وہ بھی کیا دن تھے کہ مغرور سمجھتا تھا یہ — بیکسی میں جو کوئی حال کا پرساں ہوتا
دلِ وحشی کا یہ انداز بھی کچھ روز رہا — کہ پریشاں جو نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

غیرت عشق کو یہ جبر گوارا نہ ہوا ورنہ ممکن تھا جفا پر وہ پشیماں ہوتا
دل خوں گشتہ کہ تھا رمز شناس اُلفت شکل آئینہ برآری سے ہراساں ہوتا
کچھ نہیں اور تو ہنگامۂ محفل کے لئے بے وفا تذکرۂ سوختہ جاناں ہوتا
کیا گلہ اُن کے تغافل کا، تسلّی پر بھی میری بیتابیٔ دل کا یہی عنواں ہوتا
سچ ہے نادیدہ ترا حسن ہے ابتک، ورنہ مہر بھی صورت شبنم عرق افشاں ہوتا
پاؤں رکھتا جو ذرا حد ادب سے باہر اے جنوں ہاتھ مرا، تیرا گریباں ہوتا
ایسے طوفان کو روکا کہ لہو بہ نکلا مجھسے بیزار نہ کیوں دیدۂ گریاں ہوتا
حال وہ پوچھتے اور کہنے کی طاقت رہتی ایسی قسمت ہی کہاں تھی جو یہ ساماں ہوتا

حیف محسود ہے پروانہ ترا، تو بھی اثر
آگ میں کود نہ پڑتا جو مسلماں ہوتا

آنکھ کس وقت بھر نہیں آتی پر وہ صورت نظر نہیں آتی
ہمنشیں اک زمانہ ہوتا ہے وہ تو کیسے، خبر نہیں آتی
اب نسیم سحر کے جھونکوں میں نکہت منتظر نہیں آتی
شوق بے اختیار نے مارا بیخودی راہ پر نہیں آتی

کاہشِ انتظار نے مارا   اپنی بھی اب خبر نہیں آتی

نگہ شرمسار نے مارا   آتے آتے اِدھر نہیں آتی

شیفتہ ہوں اُسی تمنا کا ״   خواب میں بھی جو بر نہیں آتی

دردمندوں سے راہ پیدا کر ·   دردمندی اگر نہیں آتی

ایسی بھی ہو گی مست کیا وہ نگاہ ۷   اس طرف جان کر نہیں آتی

ہمسری غالبِ سخنور کی!

شرم تم کو اتر نہیں آتی؟

ذر حوصلہ اے کاش امتحاں ہوتا   کہ صرفِ ضبط نہ سرمایۂ فغاں ہوتا

یسر جور کا پروانہ آسماں ہوتا   جہاں ہے شعلۂ خورشید کچھ دھواں ہوتا

ہ شوق کی اللہ ری فتنہ سامانی   مجھی سے رازِ محبت مرا بیاں ہوتا

ہ تو عرض تمنا کی مصلحت ہمدم   خموش رہنے سے وہ اور بدگماں ہوتا

بیر مطلب مشکل نہیں ہے ذوقِ طلب   وگرنہ اور ہی اندازِ داستاں ہوتا

ر اور بھی ایسی بہار، حسرت ہے   ہر ایک شاخ پر اپنا ہی آشیاں ہوتا

م کا شکر ہے لازم، کہ پھر قیامت تھی   اگر کرم سے محبت کا امتحاں ہوتا

تڑپ رہا ہے دل مضطرب کے پہلو میں ۔ وہ نالہ جو کبھی آشوبِ آسماں ہوتا
فسانۂ ستم اضطراب کیا کہئے ۔ لبِ خموش پہ نہ یاد کا گماں ہوتا
غرورِ بندگیٔ عشق کا تقاضا ہے ۔ مرے ہی سجدوں کی خاطر وہ آستاں ہوتا
تجھے بھی اے چمن آرائے غم تمنا ہے ۔ مرا بھی زمزمۂ عشق خوں چکاں ہوتا
مذاق دید میں خامی ابھی ہے ورنہ اثرؔ
سوائے جلوۂ وحدت نہ کچھ عیاں ہوتا

نئی نئی تھیں اُمنگیں نئی جوانی تھی ۔ گلابی صبح تھی اور شام ارغوانی تھی
شبِ فراق یہ بیداد خستہ جانی تھی ۔ کہ ہر نفس میں نہاں مرگِ ناگہانی تھی
ہمارے حال پر اک دن تھا لطف ساقی کا ۔ ہمارے جام میں صہبائے کامرانی تھی
شباب تم کو مبارک ہمیں تو یہ نہ کھلا ۔ کہ خوابناک فسانہ تھا یا جوانی تھی
شرر فشاں تھیں جو آہیں تو خوں چکاں نالے ۔ جنابِ عشق کی جب ہم پہ مہربانی تھی
دلِ خراب جو الزام مجکو دیتا ہے ۔ بتا تو کون مری بات تونے مانی تھی
گئے وہ دن کہ ہمیں اختیار تھا دل پر ۔ جنونِ شوق کشمکش کی پاسبانی تھی
اُسی سے ہے دلِ ناشاد کو تعلق سا ۔ وہ اک نگاہ کہ تمہیدِ سرگرانی تھی

ہزار حیف کہ مٹنے کو ہے وہ داغِ جگر کسی کے دردِ محبت کی جو نشانی تھی
وہی نگاہ کہ اب جس پہ آہ کرتے ہیں یہی نگاہ کبھی وجہِ زندگانی تھی
ہزار حسن تھے کافر کی سادگی میں نہاں نہ عشوہ تھا، نہ کرشمہ، فقط جوانی تھی
لیا ہے جائزہ ایک ایک حسرتِ دل کا خیالِ یار کو مجھ سے یہ بدگمانی تھی

نہ ہو جو تیشۂ فرہاد سے بھی نقش پذیر
گدازِ فکرِ اثرؔ سے وہ طرح پانی تھی

وفا کی قدر نہ ہو، تو اگر جفا نہ کرے؟ کسی کے بس میں کسی کا ہو دل، خدا نہ کرے!
خموش رہنے پہ طعنے، جو کچھ کہو تو عتاب کرے تو کیا کرے انسان اور کیا نہ کرے
رے مرنے کا گلہ تھا، مرے مرے کا جواب کہ اب سے نام محبت کوئی لیا نہ کرے
و پوچھا عشق میں بھرتے ہیں پھر مزا کیونکر کہا کہ خون ہو دل کا اور اُف ذرا نہ کرے
و پوچھا درد میں لذت کی اور کیا تدبیر کہا کہ سامنے کی بات ہے، دوا نہ کرے
و پوچھا کہتے ہیں کس کو شہیدِ طرزِ نگاہ کہا طلب جو سرِ حشر خوں بہا نہ کرے
و پوچھا صبر کسے کہتے ہیں محبت میں کہا کہ دم ہو لبوں پر مگر دعا نہ کرے
و پوچھا دل کی صفا کا مآل ہے کہ نہیں کہا وہ آئنہ کیا جو خود نما نہ کرے

جو پوچھا عشق میں کیا کوئی شے ہے خودداری — کہا کہ لاکھ تمنا ہو، التجا نہ کرے

جو پوچھا عشق میں کیا آرزو کو دخل نہیں — کہا کہ بھول کے ایسی کبھی خطا نہ کرے

جو پوچھا شیوۂ محبوب دلربا کیا ہے — کہا کہ وعدہ تو کر لے، مگر وفا نہ کرے

جو پوچھا ہوشربا کون ہے ادا، تو کہا — سنائے پردے سے آواز، سامنا نہ کرے

جو پوچھا عشق کے اندوہ سے چھٹوں کیونکر — کہا وہ عقدہ ہے تدبیر جس کو وا نہ کرے

جو پوچھا سچ ہے یہ کیا، جذب ہے محبت میں — کہا غلط ہے اگر ترک مدعا نہ کرے

جو پوچھا ربط ہے کیا حسن اور الفت میں — کہا کہ آگ میں پروانہ کیوں جلا نہ کرے

بنائی بات یہ پھر، نہ جو بات کی پائی — یہ راز وہ ہے کہ محرم سے بھی کہا نہ کرے

خلاف دعوئ تمکیں تھی بحث آرائی — اور اس پہ وہم، کہیں شرح ماجرا نہ کرے

ادا نے آنکھ دکھائی، فسوں نگہ نے کیا — حیا نے عہد لیا، ذکر جا بجا نہ کرے

یہ مدعا تھا گماں عشق پر جنوں کا ہو
کہے بھی کچھ جو کسی سے وہ اعتنا نہ کرے

زباں تو شکوۂ بیداد آشنا نہ کرے — نگاہ دل کی ہے بھیدی، کہیں دغا نہ کرے

وہ لعل لب کوئی آغاز اب فسانہ کرے — کہ شوق، نیم تبسم پہ اکتفا نہ کرے

ہلاک ناز تغافل ہوں اُس جفا جو کا، کہ درد دے تو، مگر درد کی دوا نہ کرے
جھکی تو جھک کے نہ پھر اُٹھی پشت پا سے نظر مراد یہ تھی کوئی خستہ جاں گلا نہ کرے
وہ مرگ تشنہ لبی، جس کو زیست کہتے ہیں خدا کسی کو محبت میں مبتلا نہ کرے
مذاق عشق ہو رسوا تو ہو، مگر ظالم کوئی یقین کبھی تیری بات کا نہ کرے
یہ آرزوے نظر ہے کہ وہ بہار نظر، حیا کرے تو مگر اس قدر حیا نہ کرے

جہاں غرور تھا، صد شکر اب ہے عجز و نیاز
وہ کام دل نے کیا ہے جو کیمیا نہ کرے

وہ ایک تیر کی حسرت میں کیوں جیا نہ کرے نشانہ باندھکے جس کو نہ تو نشانہ کرے
ترا مقام جو سمجھا ہو دیر یا کعبہ وہ کیوں غلط نہ بھلا راہ آشنا نہ کرے
ہدف ہو ناوک جاناں کا طائر سدرہ اگر بلند ذرا اور آشیانہ کرے
نہ ہو خراب محبت جو بد نصیب، اُس کو خراب و خوار نہ کیوں گردش زمانہ کرے
ثبات ہو اُسے کس طرح، عقل شعبدہ گر قیاس و وہم پہ قائم جو کارخانہ کرے
گناہگار ہوں، ایسے کریم کا لیکن جو بہر عفو تلاش اک نہ اک بہانہ کرے
نیاز مند ہوں، یکساں ہے، لطف ہو کہ ستم خوشی ہے اُسکی جو وہ دلبرانہ کرے

وہی سنوارے عروسِ سخن کی زلف اثرؔ
کہ چاک چاک جو دل کو مثالِ شانہ کرے

کب سے ہے ایک جلوۂ رنگیں کنار میں — دیکھے تو کون، ہوش کسے انتظار میں؟
شبنم سے گل نکھرتے نہیں یوں بہار میں — کیا جانے کیا ہے اُس نگہِ شرمسار میں
محرومیٔ نشاط ہے، سرمایۂ نشاط — انگڑائیوں نے کیف بھرا ہے خمار میں
یوں اُنکی یاد ہے دلِ حیراں لئے ہوئے — جیسے نسیم غنچۂ گل کے کنار میں
اے شوقِ تشنہ کام وہ اب آئے بھی تو کیا — اپنا ہی ہوش جب نہ رہا انتظار میں
اک نو بہارِ ناز کا حسرت کشیدہ ہوں — صد رنگ جلوہ ہے مرے مشتِ غبار میں
اُف وہ ستم ظریف کہ تڑپائے اور کہے — انسان کیا جو دل نہ رہے اختیار میں
مشہور اس قدر ہوئے، بدنام ہو گئے — تم عہد توڑنے میں، یہ دل اعتبار میں
اب یادگارِ عہدِ تمنا و انبساط — پرچھائیاں سی ہیں دلِ حسرت شعار میں
ہاں جلوہ گر ہو، تجھ پہ نچھاور کے واسطے — صبحِ دمیدہ پھول بکھیرے ہے کنار میں

مصرع پڑھا جو میرؔ کا، بگڑا وہ اور اثرؔ!
"بہتیری باتیں ہوتی ہیں اخلاص، پیار میں"

آدمی کو چاہئے اُلجھا رہے تدبیر میں
وقت پر کھل جائے گا، لکھا ہے کیا تقدیر میں

شام کی سُرخی مِلا کر صبح کی تنویر میں
رنگ بھرنا ہے مجھے اک شوخ کی تصویر میں

اے جنوں پھر ہے چمن میں آمدِ فصلِ بہار
شور کے بدلے کھنک پیدا ہوئی زنجیر میں

ہستیٔ موہوم میں یارب نہاں کیا راز ہے
ایک مجمل خواب اور یہ کاوشیں تعبیر میں!

الاماں اے خونِ ناحق تیری تاثیر الاماں
دستِ قاتل میں ہے رعشہ، دم نہیں شمشیر میں!

نیچی نیچی اک نظر، شرمائی سی، گھبرائی سی
دل نشانہ کیا ہو ظالم، توڑ بھی ہے تیر میں؟

اللہ اللہ اس قدر ساماں، اتنا اہتمام
ایک مشتِ خاک کی بربادیٔ تعمیر میں؟

صرف کیں، پھر وضع کیں اور ختم کیں صناعیاں
کلکِ نادر کارِ فطرت نے تری تصویر میں

کیا یہ مطلب ہے زمیں میں شرم سے گڑ جائیے
آہ کیوں تاخیر اتنی، جرم کی تعزیر میں

خوابِ آزادی کی یہ تعبیر سُن رکھیں اسیر
دام سے چھوٹے تو پھر جکڑے گئے زنجیر میں

دوست دشمن ایک تھے، شیخ و برہمن ایک تھے
جب ہوئے مشغول اپنے نفس کی تسخیر میں

خون پانی ہو گیا، آنسو شرارے ہو گئے
ہم اثر بھرنے چلے تھے آہِ بے تاثیر میں

حلقے حلقے میں یہ وحشت نے بھریں رنگینیاں
جیسے گلشن بھر سمٹ کے آگیا زنجیر میں

انکی نفرت اور اثر کا "الغرض" تکیہ کلام
الغرض پیچیدگی بڑھتی گئی تقریر میں!

اِدھر ڈھونڈتی ہے، اُدھر ڈھونڈتی ہے نگہ دل میں رہ کر جگر ڈھونڈتی ہے

یہ اب دل کی بیتابیوں کا ہے عالم کہ ہر سانس اک نامہ بر ڈھونڈتی ہے

ترا جلوہ دل کو، تجھے دل مُبارک نظر ڈھونڈتی تھی، نظر ڈھونڈتی ہے

ہر اک اشک بن جائے تصویر دل کی یہ تاثیر اب چشم تر ڈھونڈتی ہے

کچھ ایسے بھی جلوے اُتر آئے دل میں نظر آپ حسن نظر ڈھونڈتی ہے

اِدھر میں تجھے ہجر میں ڈھونڈتا ہوں اُدھر رات اپنی سحر ڈھونڈتی ہے

نظر منزلِ خیر و شر سے گزر کر مقامات بیم و خطر ڈھونڈتی ہے

اثر فکر اسباب راحت کہاں تک
تجھے موت اے بے خبر ڈھونڈتی ہے

حیا پہ حسن کی نہ جا، نظر سے آشکار ہے کہ عشق پاکباز کا اُسے بھی اعتبار ہے

فروغ بزم جلوہ کو وہ آپ بیقرار ہے مگر یہ ظالم آرزو نقاب روئے یار ہے

یہی جو اضطراب ہے تو ختم انتظار ہے کہ موج شوق و بیخودی کنار در کنار ہے

قدم قدم پہ محویت، قدم قدم پہ رفتگی وہ کیسا ہوگا آستاں یہ جس کی رہگذار ہے

تنگ اب ہے زیست سے، چلا تھا اُنکے بلہوس کہ صیدگاہ عشق میں اجل زبوں شکار ہے

بُرا ہو تیرا جذبِ عشق آہ کیا ستم کیا
کہ میری نامرادیوں پہ کوئی اشکبار ہے

تسلیوں سے بڑھتی ہیں جنونِ غم کی شورشیں
خطا معاف لااُبالی اپنا کاروبار ہے

کہو یہ خارِ دشت سے کہ اور ہو خلش فزا
بفیضِ عشق و بیدلی قدم اب استوار ہے

یہ احترامِ عشق ہے، یہ اعتبارِ عاشقی
ہزار جبر سہتے ہیں، ہزار اختیار ہے

نویدِ فصلِ گل سُنا صبا نہ اُس اسیر کو
جسے یہ حس بھی مٹ گئی، بہار یا غبار ہے

دلیلِ نقصِ عشق کیا؟ بتاؤں میں تجھے اثرؔ
تمیز رہ گئی اگر، یہ خوش وہ ناگوار ہے

اک تبسّم لبِ گلاب فروش
اک نگہ نرگسِ شراب فروش

اللہ اللہ فروغِ بادۂ ناب
قطرہ قطرہ ہے آفتاب فروش

ذرّہ ذرّہ ہے جلوہ زارِ جمال
نقطہ نقطہ ہے انتخاب فروش

آج رہ رہ کے یاد آتا ہے
دلِ خوں گشتۂ اضطراب فروش

دیکھنا ہے مجھے ترا پردا
کاش یہ دل نہ ہو حجاب فروش

بحر سے ہمکنار ہونا تھا
اے تنک ظرفیٔ حباب فروش!

شوخیٔ ناز دیکھنے ہو اثرؔ؟
خود نما ہو کے ہے نقاب فروش!

جو ترا کشتۂ ادا نہ ہوا — راز ہستی سے آشنا نہ ہوا

کبھی اظہار مدعا نہ ہوا — عشق غیرت سے لب کشا نہ ہوا

دیتے تھے اک نگاہ کے بدلے — میں طلبگار ماسوا نہ ہوا

بات رکھ لی تری تمنّا کی — میرا مطلب روا ہوا، نہ ہوا

ہائے کیا چیز ہے محبت بھی — دل کسی حال میں بُرا نہ ہوا

ننگ ہستی ہے، داغ ہستی ہے — درد اگر درد کی دوا نہ ہوا

کوئی تمکین ناز تو دیکھے — میرے شکووں سے بے مزا نہ ہوا

یہ خوشی تھی کہ زیر تیغ ستم — سجدۂ شکر بھی ادا نہ ہوا

قطرہ گوہر تھا، حیف بیم فنا — دامن بحر سے جدا نہ ہوا

کشتۂ بے دلی ہے کشتۂ عشق — کوئی پُرساں بھی حال کا نہ ہوا

مجھ سے باہر جو مجھکو مل جائے — ہو کسی کا، مرا خدا نہ ہوا

ڈھل گیا دن آخر قیامت کا

ختم افسانۂ وفا نہ ہوا

ثنا تیری نہیں ممکن زباں سے — معانی دور بھاگتے رہیں بیاں سے
جسے تسکین ہو ضبطِ فغاں سے — مگر لاؤں ایسا دل کہاں سے
وفا کا حال تم پر کیا کھلے گا — تغافل کو نکالو امتحاں سے
محبت کا ہے اک جزو بدگمانی — توقع ہے بہت کچھ بدگماں سے
شعاعیں دے رہا تھا نقشِ سجدہ — جب اُٹھا سر کسی کے آستاں سے
زمانہ کہہ رہا ہے مجھکو کیا کیا — کہو تم بھی تو کچھ اپنی زباں سے
چمن میں آگ سی ہر سو لگی ہے — نوائے عندلیبِ خستہ جاں سے
پلک سے رات یوں اک اشک ٹپکا — ستارا جیسے ٹوٹے آسماں سے
جگر میں درد تھا، لب پر ہنسی تھی — پریشاں خواب ہے قصہ یہاں سے

وہ تیری نذر ہے اے نامرادی
بچا جو کچھ ہو تاراجِ فغاں سے

جیب و کنارِ دامن پھولوں سے بھر رہے ہیں — پردے میں آنسوؤں کے وہ مسکرا رہے ہیں
اس شان سے مسافر منزل کو جا رہے ہیں — چھالے قدم قدم پر آنکھیں بچھا رہے ہیں
جیسے وہ سُن رہے ہیں بیٹھے ہوئے مقابل ، اور دردِ دل ہم اپنا اُن کو سُنا رہے ہیں

آئے نہ آئے نامہ، دل سے ہے راہ دل کو
پیغام آ رہے ہیں، پیغام جا رہے ہیں

پھر ہم کہاں کہاں تم، جی بھر کے دیکھنے دو
اللہ کتنی مدّت تم سے جدا رہے ہیں

اے یاس تو ہی بڑھ کے اُن کو گلے لگا لے
جو اپنی بیکسی پر آنسو بہا رہے ہیں

کیا ضبط کا نتیجہ، رونی ہنسی سے حاصل
دل کھول کے نہ روئیں جب وہ رلا رہے ہیں

اِس نازکی کے صدقے، اس بانکپن کے قرباں
اُٹھتا نہیں ہے خنجر لیکن ڈرا رہے ہیں!

کیوں چاندنی میں نکلو، جو شوخ چشم تارے
رُخ کی بلائیں لے کر، آنکھیں لڑا رہے ہیں

اپنی زباں سے کہہ دو، یا ان کو منع کر دو
دیکھو تمھارے در سے ہم کو اُٹھا رہے ہیں

جادہ ہے اور نہ منزل، جوشِ طلب میں پھر بھی
جانیں کھپانے والے، جانیں کھپا رہے ہیں

جب سے یہ سُن لیا ہے، اُنکو ہے ذوقِ پرسش
ہر آرزوئے دل کو محشر بنا رہے ہیں

گم کردہ راہ منزل، پائے پُر آبلہ سے
مستانہ جا رہے ہیں، جس سمت جا رہے ہیں

شوخیٔ ناز دیکھو یہ بھی کھُلا نہ اب تک
ہم آپ مٹ رہے ہیں یا وہ مٹا رہے ہیں

یکتا ہے، منفرد ہے، ہر ہم صفیر اپنا
اِس گزرے حال میں بھی گلشن پہ چھا رہے ہیں

بدنام کوئی ہوگا، کہہ دے کوئی اثرؔ سے
کیا اپنے دل سے بیٹھے باتیں بنا رہے ہیں

رشکِ اُلفت کی جان ہے پیارے ، جان ہے تو جہان ہے پیارے

تو حیا اور حیا مرا ایماں ، کس لیے بدگمان ہے پیارے

اشک نقش و نگارِ حسرت ہیں   زخمِ دل کا نشان ہے پیارے

عشق کی تو نہ آزمائش کر ، عشق خود امتحان ہے پیارے

درد میں ہنس کے بجلیاں بھڑیں   کس قدر مہربان ہے پیارے!

دل سے کیوں دور دور پھرتا ہے   صاف سُتھرا مکان ہے پیارے

دیکھیے جس کو، تیرا شیدا ہے   ایک آفت میں جان ہے پیارے

جس کو ہو ربط کہنے سُننے سے   عشق کیا داستان ہے پیارے؟

تجھکو اپنی ہی دلبری کی قسم ، کچھ ہمارا بھی دھیان ہے پیارے

روٹھنا آپ، آپ من جانا ، عاشقوں کی یہ شان ہے پیارے

دل جلوں کی ہے خاک بھی برباد   اب تو خاطر نشان ہے پیارے؟

سونی سونی سی دل کی بستی ہے ، تو جو نامہربان ہے پیارے

ہوں تو درویش پھر بھی تجھ سے ہوس   مان کا ایک پان ہے پیارے

خواب چین و عرب کے دیکھ چکا   جیت! ہندوستان ہے پیارے

میرؔ صاحب کی ہو غزل جس میں ، وہ زمیں آسمان ہے پیارے
قول اُن کا، اثرؔ کی تضمیں ہے   لاکھ تو خوش بیان ہے پیارے
"گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے"

تیری نگاہ پھرتے ہی وہ دل نہیں رہا   سب کچھ تھا اور اب کسی قابل نہیں رہا
اُس ماہِ نیم شب کی جو منزل نہیں رہا   اک داغ ناتمام ہے، پھر دل نہیں رہا
صنعت گرِ خیال تھا جو دل، نہیں رہا   محفل وہی ہے، زینتِ محفل نہیں رہا
دردِ فراق کہنے کے قابل نہیں رہا   اک تشنہ زخم ریز ہے اب دل نہیں رہا
حیرت فروشِ جلوہ تھا جو دل، نہیں رہا   آئینہ آئینے کے مقابل نہیں رہا
میں اور تجھ سے عرضِ تمنا، نہیں نہیں   مدت ہوئی وہ نشۂ باطل نہیں رہا
اپنا کنار آپ ہوں گرداب کی طرح   میرے محیطِ شوق کا ساحل نہیں رہا
تو سر بسر جمال، دل آئینۂ جمال   کیا ہے اگر نظر کے مقابل نہیں رہا
اے شوق ہرزہ کوش ترا دھیان ہے کدھر   لیلیٰ کہاں جو پردۂ محمل نہیں رہا
جب تک سُنائے مژدہ غریبوں کو ناخدا   دھندلا سا ایک نقش تھا ساحل نہیں رہا

پایانِ کارِ شوق، طرب ہے کہ اضطراب؟ — اتنا بھی ہوش اے دلِ بسمل نہیں رہا!

سو انقلاب ہو گئے دنیائے عشق میں — وہ گوشۂ نگاہ جو مائل نہیں رہا

اے وہمِ غیر تو نے ستم کیا کیا کہ میں — خود اپنے اعتبار کے قابل نہیں رہا

محشر میں جذبِ عشق کی معجز نمائیاں — آلودہ خوں سے دامنِ قاتل نہیں رہا!

تڑپائے گا تجھے بھی، خدارا نہ اب ستا — دل اپنے اضطراب کی منزل نہیں رہا

ذروں میں ہیں غبار کے لیلیٰ کی جھلکیاں — مرکز جنونِ شوق کا محمل نہیں رہا

اے دل، غریب دل، مرے حسرت نصیب دل — کچھ خونِ آرزو کا بھی حاصل نہیں رہا

ہنگامہ زارِ شوق و تپش ہائے آرزو — اک حشرِ اضطراب ہے اب دل نہیں رہا

ہمت نے راہِ ترکِ طلب اختیار کی — جب اور کوئی عقدۂ مشکل نہیں رہا

خود حسن اُس کے شوق میں بیتاب ہے اثر
اپنی صفائے دل سے جو غافل نہیں رہا

دستہ دستہ ہجومِ داغ کہاں — دل ہی ہے مگر وہ باغ کہاں

وہ نشاطِ دل و دماغ کہاں — اور ہو بھی تو وہ فراغ کہاں

دل ہے سب داغ، دل میں داغ کہاں — غم کی تعمیر تھا جو باغ، کہاں

تم کہاں جلد باز پروانو — منزلِ شمع کا سُراغ کہاں

دل ہے بیتابیوں کی راہگزر — اب کوئی گوشۂ فراغ کہاں

شوق میں تیری چشمِ میگوں کے — فقط انگڑائیاں ہیں، ایاغ کہاں

اشکِ مژگاں پہ رہ گیا ہو گا — میرے غمخانے میں چراغ کہاں

کرنیں بکھرائے صبح کا تارا — چشمکِ بادہ و ایاغ کہاں

خندہ زن تھا جو صبحِ خنداں پر — پہلوئے دل میں اب وہ داغ کہاں

میرا سایہ بھی ہے جُدا مجھ سے — لے چلا ہے ترا سُراغ کہاں

تیرے انوار سے جو روشن تھے — وہ دل و دیدہ و دماغ کہاں

فکر میری تھی جن کا گنجینہ — وہ گہرہائے شب چراغ کہاں

پھول سے رس جو کھینچ لیتی تھی — وہ سُبک روحیٔ دماغ کہاں

جو ہوا اپنا ہی سوگوار اثرؔ
اُس کو اندوہ سے فراغ کہاں

دیکھ سکتا ہے آفتاب تو دیکھ — پہلے جلوہ پسِ نقاب تو دیکھ

بات کرتا نہیں عتاب تو دیکھ — آنکھ ملتی نہیں، حجاب تو دیکھ

شعلۂ شمع ہے کہ پروانہ　　فرق مشکل ہے پیچ و تاب تو دیکھ!
التجا رحم کی جفا جو سے　　اپنی باتیں دل خراب تو دیکھ
ہاں گلہ ہے خلاف شانِ وفا　　اضطراب آہ اضطراب تو دیکھ!
آئینہ دیکھتے جھجکتے ہیں　　اک ذرا سطوت شباب تو دیکھ!
"کچھ اُلجھ سا گیا ہے افسانہ"　　رقم شوق کا جواب تو دیکھ!
نہیں ملتی جو دولت بیدار　　عشق کا اک حسین خواب تو دیکھ

خاک اثر کی رواں ہے سوئے نجف
کشش عشق بوتراب تو دیکھ!

جو ہے وہ طور چلا جاتا ہے　　حیلۂ جور، چلا جاتا ہے
لب پہ فریاد مچل کر آئی　　کوئی اس طور چلا جاتا ہے
پھیرتا ہوں جو اُدھر سے دل کو　　دل اُدھر اور چلا جاتا ہے
کر چکے فیصلہ کب کا دل میں　　بات پر غور چلا جاتا ہے
میں تسلّی سے تری باز آیا　　صبر کچھ اور چلا جاتا ہے
دل ٹھکانے نہیں ہونے پاتا　　آکے فی الفور چلا جاتا ہے

حال یہ ہے کہ نہیں مجھ میں حال   پر ترا جور چلا جاتا ہے
میں تصدق ترے پھر پوچھ کہ" دل   جانے کس طور چلا جاتا ہے"
ساقیٔ میکدہ وہ دیکھ، اثرؔ
دیر میں دُور چلا، جاتا ہے!

منت کی، التجا کی، ہاں دے چکے دعائیں   روٹھے ہوئے کو اپنے اب کس طرح منائیں
بیداد کر رہا ہے، برباد کر رہا ہے   اس دل نے سیکھ لی ہیں سب تیری ہی ادائیں
آہیں بھی لب پہ آئیں، آنکھیں بھی ڈبڈبائیں   اب اور حال اپنا کیونکر اُنھیں جتائیں
صرف الم ہوئیں کچھ، محوِ ستم ہوئیں کچھ   اک عمر عاشقی کا حاصل تھیں جو وفائیں
اس عشق کا بُرا ہو دل انتظار کش ہے   پوچھیں نہ بات پوچھیں، وہ آئیں یا نہ آئیں
تاثیر پیش رَو تھی، بابِ قبول وا تھا   مانگی گئیں نہ مجھ سے مانگی ہوئی دعائیں
آنکھیں ہی بند کر لے، غیرت اگر نہیں ہے   اے بیکسی کہاں تک، خاموش التجائیں
رُخ سے نقاب اُلٹی، وہ کوئی مسکرایا   سنوری ہوئی سحر ہے، نکھری ہوئی فضائیں
آنکھوں میں پھر رہا ہے عہدِ طرب کا نقشہ   کانوں میں گونجتی ہیں ابتک وہی صدائیں
انسان آرہا ہے پھر سے حق پرستی   کمزور ہو چکی ہیں اوہام کی بنائیں

دل ہے اور بے نیاز خواہش ہے تیرا احسان ہے، نوازش ہے
عشق فریادیِ نکوہش ہے حشر ہے، غلغلہ ہے، شورش ہے
دفترِ گل کا جو ورق دیکھا تیری ہی شوخیٔ نگارش ہے
خلشِ خار و آبلہ پائی ہر قدم رہگزار لغزش ہے
کوئی حیلہ بھی اب نہیں درکار یہ دل آزریوں میں کاوش ہے
بند آنکھیں ہیں اور دل بیدار شبنمِ جلوہ کی تراوش ہے
کیوں نہ سہی لیجئے لب اظہار ناپزیرا ہے جو گزارش ہے
حشر ہے اک سکوت بے پایاں معرضِ غور کس کی بخشش ہے

ہوش اثرؔ اور بندگی کا ہوش!
یہ تو اوہام کی پرستش ہے

ی ذرا جو آنکھ جوانی گزر گئی بدلی کی چھاؤں تھی، ادھر آئی، اُدھر گئی
ی جلوہ کام جو کرنا تھا، کر گئی پہلی نظر کے ساتھ ہی تاب نظر گئی
طہٗ بہار عجب گل کتر گئی منہ بند جو کلی تھی، کھلی اور سنور گئی
بس جمال یار کرن آفتاب کی شرما کے چاہتی تھی کہ پلٹے، بکھر گئی

مل کر بھبوت جیسے یہ تاروں کی چھاؤں کا　　دھونی رمانے در پہ یہ کس کے سحر گئی
کیا جانے آنکھ مار کے کیا کہہ گئی شفق　　پھولوں کی گود موجِ نسیم آ کے بھر گئی
دل کی جگہ ہے اک خلش حوصلہ شکن　　اچھا سلوک وہ نگہِ ناز کر گئی
اللہ رے فریب ہوس کاریٔ نشاط　　عمرِ دو روزہ فکر میں اپنی گزر گئی
تاراج ہو گیا چمنستانِ آرزو　　کیونکر کہوں کہ آہ سحر بے اثر گئی
سینے میں اور تابِ شعلے کو شوق کے　　سجدہ غلط اگر نہ تجلّی نکھر گئی
رنگیں خرامیوں پہ جو نازاں تھی وہ نسیم　　یوں غش ہوئی ہے چال پہ تیری کہ مر گئی
اک پرسشِ نگاہ پہ کیا کیا ہے اضطراب　　اے عشق وہ شکیب کی نخوت کدھر گئی
تیری ہی جلوہ زار ہے دنیائے رنگ و بو　　اے وائے وہ نظر جو حجابات پر گئی
اب ہاتھ ملتے ہیں کہ دمِ عرضِ ماجرا　　کہنے کی بات دھیان سے کیسی اتر گئی!

کچھ دن کی اور کشمکشِ زیست ہے اثرؔ
اچھی بری گزرنی تھی جیسی گزر گئی

جلوۂ حسن چراغ تہ داماں نہ بنے　　خود تماشا تو ہی اے دیدۂ حیراں نہ بنے
میری وحشت کبھی آسودۂ درماں نہ بنے　　دل میں ڈوبا ہوا نشتر جو رگِ جاں نہ بنے

تو پریشاں نہ ہو، وہ زلف پریشاں نہ بنے — مجھ میں اور تجھ میں کبھی اے شب ہجراں نہ بنے
جذبۂ شوق بس اتنی کبھی تاثیر نہ کھا — ہاتھ سے میرے چھڑاتے انھیں داماں نہ بنے
غم کہ جس میں نہ ہو انداز ستم تیرا شریک — میرے دیباچۂ تقدیر کا عنواں نہ بنے
لو نسیم سحری مست چلی آتی ہے، — اب تری نکہت خوش شانی بھی ارزاں نہ بنے
کھلے یہ، چھیڑ ہے اُس زلف شکن پرور کو — کہ پریشاں جو نہیں ہے وہ پریشاں نہ بنے
تم نے کی ہی نہیں ربط گل و شبنم پہ نظر — جان جاں خاک ملے جب ہمہ تن جاں نہ بنے
ذرّے ذرّے سے اک آشوب بہار اُٹھے گا — مشہد اہل وفا اور گلستاں نہ بنے!؟
جب میں قائل ہوں ترے دعوئ یکتائی کا — آئنہ دیکھ لے اور دیکھ کے حیراں نہ بنے
داد وہ لیکے رہیں خوش نگہی کی اپنی — عشق سر دادۂ ناموس گریباں نہ بنے

حیف کیا عمر گراں مایہ کو برباد کیا
تم اثر اور تو سب کچھ بنے انساں نہ بنے

ہم سے بھی اب سمجھے جاتے ہیں بڑی مشکل سے ہم — اک معمّا بن گئے ہیں دستگاہ دل سے ہم
شرح آیات حقیقت تھے صفائے دل سے ہم — یا زمانے کے ورق پر ہیں خط باطل سے ہم
اک نئی منزل میں آ پہنچے ہر حجاب دل سے ہم — رفتہ رفتہ مل رہینگے اُس مہ کامل سے ہم

اضطرابِ شوق کی دیکھے کوئی رسوائیاں — اپنی حسرت کہتے ہیں اپنے دلِ بسمل سے ہم
مجھ سے اظہارِ تمنا، مجھ سے عرضِ ماجرا! — بے وفا مجبور ہو جاتے ہیں اپنے دل سے ہم
نیند آنکھوں میں بھری ہے، آتی ہیں انگڑائیاں — بیخودی میں گزرے ہیں یارب کس منزل سے ہم
دیدۂ بینا کہاں، وہ جلوۂ رعنا کہاں — آنکھیں روشن کرتے ہیں گردِ پسِ محمل سے ہم
گو مے و مینا سے مطلب ہے نہ ساغر سے غرض — جھومتے اُٹھے ہیں جب اُٹھے ہیں اُس محفل سے ہم
آبگینے کے لیے اتنا بھی صدمہ ہے بہت — دردِ دل تم سے کہیں، لیکن کہیں کس دل سے ہم
داغِ محرومی ہیں اپنی حسرتِ ناکام کے — تا بساحل پہنچے تو بیگانہ تھے ساحل سے ہم
جستجوئے کم نما کا اور کیا ہوتا مآل — کھو گئے ایسے کہ ڈھونڈے ملتے ہیں مشکل سے ہم
اہلِ ہمت نے سفینہ نذرِ طوفاں کر دیا — اور بیٹھے کھیلتے ہیں موجِ ساحل سے ہم!
کشتگانِ بے دیت ثابت ہوئے اس جرم پر — منتظر تھے اک نگاہِ لطف کے قاتل سے ہم
مدعا ہستی کا ٹھہرا ہستیِ بے مدعا — کچھ نہ کچھ لے تو چلے اس کشتِ بے حاصل سے ہم
جب سے پردے قرب و دوری کے اٹھائے عشق نے — سنتے ہیں محبوب کا پیغام اپنے دل سے ہم
جیبِ پارہ پارہ کی ترتیب ہے اب مشغلہ — دل کو یکسو کر چکے عشقِ جنوں منزل سے ہم
کس طرح سمجھے کوئی نیرنگِ ہستی و عدم — تیری ہی محفل میں آئے تیری ہی محفل سے ہم!

تھک کے بیٹھے، بیٹھ کر اُٹھے، گرے، سنبھلے، بڑھے کیا کہیں در تک تمہارے پہنچے ہیں کس مشکل سے ہم

تار تار جاں ہے لبریز نوائے آشنا
آشنا ہوں تو اثر ساز شکستہ دل سے ہم

دل سرشار ملا عشق کے میخانے سے مے چھلکتی ہی رہے گی مرے پیمانے سے
نہ لیا چین، ہوئی خاک نہ جب تک برباد لاگ کس قہر کی تھی شمع کو پروانے سے
تیز ہوتا ہے یہاں نشہ بانداز خمار اپنی مستی ہے کسی اور ہی پیمانے سے
راہ میں آبلوں کی خار نچھے جاتے ہیں اس تواضع پہ کہاں جائیے ویرانے سے
اک ذرا پھیر لے منہ، خوش نگہی کا صدقہ مے اُڑی جاتی ہے ساقی مرے پیمانے سے
توبہ میں یاد مے و ساغر و مینا توبہ اشک آنکھوں میں چلے آتے ہیں مستانے سے
عشق فرزانگی ہوش ہے، بے غفلت ہوش کام رہتا ہے نہ اپنے سے نہ بیگانے سے
اُس کا ہر قطرہ نہاں خانۂ اسرار بنا مے جو چھلکی بھی کسی رند کے پیمانے سے
جب سے گزرا ہے ترا وحشیٔ انداز خرام خاک منانہ اُٹھا کرتی ہے ویرانے سے
بھولی بسری کوئی آنکلی جو سورج کی کرن اُلٹے ہی پاؤں پھری تیرے سیہ خانے سے
دلکشی بھر دی محبت میں کہاں کی یارب ہر حقیقت ہوئی افسانہ اس افسانے سے

متصل خالی و لبریز ہوا جلد اتنا — کہ دھواں اُٹھنے لگا دور میں پیمانے سے

عشق میں خاک ہوا جب تو سرافراز ہوا — صبح تک شمع ہم آغوش تھی پروانے سے

خاک سمجھے گا حقیقت کے وہ اسرار اثرؔ
آگہی جس کو نہیں اپنے ہی افسانے سے

یہیں سب کو ہر پھر کے آنا پڑیگا — محبت کو مرکز بنانا پڑیگا

محبت جتانا ہے اک بدگماں سے — محبت کا پہلو بچانا پڑیگا

اِدھر دیکھ لے آنکھ بھر کے ستمگر — بندھے گا تو سچّا نشانا پڑیگا

کہا تھا نہ میں نے دل شوق کشتہ — نظر ملتے ہی سر جھکانا پڑیگا

مسلّم ترا شیوۂ خود پسندی — کشش ہے جو الفت میں، آنا پڑیگا

نہ ہے بخت وہ اور کہیں مسکرا کے
اثرؔ تم کو در سے اُٹھانا پڑیگا

جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں — حقیقت کو افسانہ کر دیکھتے ہیں

کلی کا ہو کھلنا کہ انجم کی چشمک — نظر باز تیری نظر دیکھتے ہیں

محبت کی مجبوریاں، ہائے ہائے — کدھر دیکھنا ہے کدھر دیکھتے ہیں

کبھی جنکی آنکھیں تھیں سیرابِ جلوہ　　وہ حسرت سے اب سُوئے در دیکھتے ہیں
جنھیں شوقِ منزل ہے کامل، وہ رہبر　　کہیں راستے کے خطر دیکھتے ہیں؟
جو اُس خود نما کے ہیں طوروں سے واقف　　پسِ پردہ خیر و شر دیکھتے ہیں
کبھی خونِ حسرت، کبھی خونِ ارماں　　دکھاتی ہے جو چشمِ تر، دیکھتے ہیں
محبت کے بندے، محبت کے ہاتھوں　　نہ پوچھو جو شام و سحر دیکھتے ہیں
یہ رہتی ہے اُلجھن نہ دیکھا کہ دیکھا　　اِس انداز سے وہ اِدھر دیکھتے ہیں
ٹھہر خونِ حسرت پہ آنسو بہالیں　　تجھے بھی دل نوحہ گر دیکھتے ہیں

اثرؔ سچ کہو کیا گزرتی ہے دل پر
تمھیں مضطرب بیشتر دیکھتے ہیں

بد بلا ہے کبھی نہ چاہ کرو　　آ پڑی ہے؟ تو پھر نباہ کرو!
منع ہے اُن کو پیار سے تکنا؟　　بیکسانہ ہی اک نگاہ کرو
اور صورت نہیں حضوری کی　　شوقِ تعزیر میں گناہ کرو
یوں ہیں شاید خدا بھی مل جائے　　کسی کافر کے دل میں راہ کرو
شان قائم رہے محبّت کی　　آہ جب آئے لب پہ، واہ کرو

عہد مہر و وفا نہ کرنا تھا — قصد جب تھا، ہمیں تباہ کرو

سن تو لو حال دکھ بھرے دل کا — نہ کرو پھر یقین، خواہ کرو

وہ ستمگر خبر نہیں ہوتا — لاکھ تڑپو کہ آہ آہ کرو

عشق کو دھن کہ خود بنو مجرم — دل بضد اُن کو عذر خواہ کرو

گھٹ نہ جائیگی شان محبوبی — لطف ہم پر بھی گاہ گاہ کرو

عشق کیا کم ہے بہر رسوائی — کہ بھرو ٹھنڈی سانس، آہ کرو

لطف کی، قہر کی، ملامت کی — اس طرف کوئی تو نگاہ کرو

ٹوٹتے یوں نہیں لٹیرے بھی — کچھ تو غمزوں کو انتباہ کرو

تم تو منہ کو چھپا دو بالوں میں — مجھے تاکید سیر ماہ کرو!

کوئی غفلت کی انتہا ہے اثرؔ؟
اُٹھو کچھ فکر زاد راہ کرو

اے جذب عشق تیری تائید ہے تو پھر کیا — وعدے کی بے وفا سے تجدید ہے تو پھر کیا

کیا جانے رنگ دل ہو کیا اُن کے آتے آتے — موہوم سی اک امنگ اُمید ہے تو پھر کیا

میری نظر میں اُن بن اندھیر ہے زمانہ — ہے چاندرات، ہوگی، کل عید ہے، تو پھر کیا؟

جب دل دیا کسی کو پرواے خلق کیسی ظالم ہے، بیوفا ہے، بے دید ہے تو پھر کیا
ہر موے تن زباں ہوا ور غم کا ترجماں ہو ضبط فغاں کی اے دل تاکید ہے تو پھر کیا
تیری ادا ے دلکش چھو بھی نہیں گئی ہے یہ مشتری ہے اور وہ ناہید ہے تو پھر کیا!

وہ دل کہاں کہ لاتے تاب جمال تیری
ہر داغ دل اثر کا خورشید ہے تو پھر کیا

یہاں عشق میں افسانہ بن جا یہاں تک مست ہو دیوانہ بن جا
حبیب نرگس مستانہ بن جا خود اپنے شوق کا پیمانہ بن جا
چھلکتا جام یا پیمانہ بن جا سراپا لغزش مستانہ بن جا
یہاں تک غرق ہو رنگینیوں میں نگاہ ساقیٔ میخانہ بن جا
ہر اک منزل کو ٹھکراتا ہوا چل پیام ہمت مردانہ بن جا
کہاں تک ناز برداری الم کی بلاؤں کا ودیعت خانہ بن جا
کشود راز کا سودا عبث ہے حقیقت ساز اک افسانہ بن جا
یہی ہے شیوۂ تسلیم و طاعت کہ ہر انجام سے بیگانہ بن جا
بہت دیر و حرم کی خاک اڑائی اب اپنا ہی پرستش خانہ بن جا

جنونِ عشق کو دے اور وسعت　　تو ہی جاں اور تو ہی جاناں نہ بن جا
وہ چشمِ مست جب ساغر بکف ہو　　یہی ہے مصلحت دیوانہ بن جا
بہاریں بھی تجھی میں آ بسیں گی　　خیالِ آسودۂ ویرانہ بن جا
غرض اک شورشِ صبر آزما ہے　　کسی انداز کا دیوانہ بن جا

جلا کر دل میں اپنے شمعِ اُلفت
اثرؔ اس شمع کا پروانہ بن جا

بسی ہے گُل تر میں نکہت کسی کی　　چمن ہے حدیثِ محبت کسی کی
بگڑنا تو اے دل ہے عادت کسی کی　　کہاں تک کرے کوئی منت کسی کی
ادائیں ہیں معزول، شوخی معطل　　حیا نے یہ بدلی طبیعت کسی کی
مرے پاس ہے پھر بھی میرا نہیں ہے　　سمجھتا ہوں دل کو امانت کسی کی
صبا ہم غریبوں پہ احسان ہوگا　　اِدھر بھی جو آ جائے نکہت کسی کی
ہر اک سانس میں اک نیا سانحہ ہے　　کسی پر نہ آئے طبیعت کسی کی
رُلاتی ہے رودادِ فرہاد مجھکو　　نہ ہو رائگاں یوں بھی محنت کسی کی
یہ کیا قہر ہے، دم لئے جوشِ گریہ　　دکھائی نہیں دیتی صورت کسی کی

دل زار خون تمنّا کئے جا   کبھی ہو رہے گی عنایت کسی کی
اُڑا رنگ رُخ، سر جھکا، ہونٹ کانپے   کسی سے چھپائی جو چاہت کسی کی
رضامند ہو جا دل شوق کشتہ   بہت ہے نگاہ ملامت کسی کی
یہاں تو غضب کی زباں بندیاں ہیں   کیا شکر، ٹھہری شکایت کسی کی
مجھے نکتہ دان محبت کیا ہے   مری ہر غزل ہے حکایت کسی کی

سبھی کرتے ہیں عشق، آخر دل سنبھالو
نہ ہو غیر ایسی بھی حالت کسی کی!

وہ جان آرزو ہو بہشت نظر کہیں   اتنی نمود پر نہیں جس کا اثر کہیں
رنگینیٔ بہار ہے، رعنائیٔ شباب   سرمستیٔ شراب ہے، کیف نظر کہیں
پھولوں کا حسن بنکے چمن میں سنور گیا   شبنم کے آئنے میں ہوا جلوہ گر کہیں
کیفیتیں اُسی کی ہیں طرز نگاہ کی   نغمہ کہیں، نشاط کہیں، شعر تر کہیں
دل گرمیاں اُسی کی، اُسی کی ہیں چشمکیں   شعلہ کہیں، شرر کہیں، داغ جگر کہیں
پس پس گئی ہیں چال پہ اُسکی قیامتیں   آ گئے ہیں وجد میں دیوار و در کہیں
صرف سجود شوق ہے پیشانیٔ نجوم   محو نشاط دید ہے چشم سحر کہیں

عہدِ مہر و وفا نہ کرنا تھا　　قصد جب تھا، ہمیں تباہ کرو
سن تو لو حالِ دکھ بھرے دل کا　　نہ کرو پھر یقین، خواہ کرو
وہ ستمگر خبر نہیں ہوتا　　لاکھ تڑپو کہ آہ آہ کرو
عشق کو دھن کہ خود بنو مجرم　　دل بضد اُن کو عذرخواہ کرو
گھٹ نہ جائیگی شانِ محبوبی　　لطف ہم پر بھی گاہ گاہ کرو
عشق کیا کم ہے بہرِ رسوائی　　کہ بھرو ٹھنڈی سانس، آہ کرو
لطف کی، قہر کی، ملامت کی　　اس طرف کوئی تو نگاہ کرو
لوٹتے یوں نہیں لٹیرے بھی　　کچھ تو غمزوں کو انتباہ کرو
تم تو منہ کو چھپاؤ بالوں میں　　مجھے تاکید سیرِ ماہ کرو!

کوئی غفلت کی انتہا ہے اثرؔ؟
اُٹھو کچھ فکرِ زادِ راہ کرو

اے جذبِ عشق تیری تائید ہے تو پھر کیا　　وعدے کی بے وفا سے تجدید ہے تو پھر کیا
کیا جانے رنگِ دل ہو کیا اُن کے آتے آتے　　موہوم سی اک ابتک اُمید ہے تو پھر کیا
میری نظر میں اُن بن اندھیرے ہے زمانہ　　ہے چاندرات، ہوگی، کل عید ہے، تو پھر کیا؟

جب دل دیا کسی کو پروا ہے خلق کیسی　　ظالم ہے، بیوفا ہے، بے دید ہے تو پھر کیا
ہر نغمے تن زباں ہو اور غم کا ترجماں ہو　　ضبط فغاں کی اے دل تاکید ہے تو پھر کیا
تیری ادائے دلکش کچھ بھی نہیں گئی ہے　　یہ مشتری ہے اور وہ ناہید ہے تو پھر کیا!

وہ دل کہاں کہ لائے تاب جمال تیری
ہر داغ دل اثر کا خورشید ہے تو پھر کیا

جہان عشق میں افسانہ بن جا　　یہاں تک مست ہو دیوانہ بن جا
حریف نرگس مستانہ بن جا　　خود اپنے شوق کا پیمانہ بن جا
چھلکتا جام یا پیمانہ بن جا　　سراپا لغزش مستانہ بن جا
یہاں تک غرق ہو رنگینیوں میں　　نگاہ ساقئ میخانہ بن جا
ہر اک منزل کو ٹھکراتا ہوا چل　　پیام ہمت مردانہ بن جا
کہاں تک ناز برداری الم کی　　بلاؤں کا ودیعت خانہ بن جا
کشود راز کا سودا عبث ہے　　حقیقت ساز اک افسانہ بن جا
یہی ہے شیوۂ تسلیم و طاعت　　کہ ہر انجام سے بیگانہ بن جا
بہت دیر و حرم کی خاک اڑائی　　اب اپنا ہی پرستش خانہ بن جا

شوریدگیٔ عشق بھی ہے، نازِ حسن بھی ہے خلوتیٔ راز کہیں، پردہ در کہیں

ہنگامے سب اسی کے اُٹھائے ہوئے تو ہیں دار و رسن کہیں ہو کہ ہو شور و شر کہیں

مختارِ گل ہے اُسپہ ہے محتاط اسقدر اک دانہ ہو نہ جائے اِدھر کا اُدھر کہیں

جلوے نئے نئے ہیں، ادائیں نئی نئی پیغامِ شب کہیں ہے، دلیلِ سحر کہیں

موجوں کا اضطراب ہے، گوہر کی آب و تاب توبہ! قرار لیتا ہے اک رنگ پر کہیں

ہنگامِ صبح غازۂ رخسارِ گل بنا ٹوٹے ہوئے دلوں میں رہا رات بھر کہیں

پردے میں یہ بناؤ ہے، ایسا نکھار ہے کیا ہو؟ نقاب رُخ سے اُلٹ دے اگر کہیں

گل محوِ انتظار ہے، بلبل ہے نالہ کش
باتیں چمن میں کس کی صبا نے آکر کہیں؟

ملتی نہیں ہے دیر سے اپنی خبر کہیں ہم ہیں کہیں، خیال کہیں ہے، نظر کہیں

صیاد قید سے مجھے کرتا تو ہے رہا لا دے جو مستعار ملیں بال و پر کہیں

کہدو اثر جو دیکھے ہوں تم نے زمانے میں
ہم سے خراب و خستہ و شوریدہ سر کہیں

لبوں پہ آکے رک جائیگی آہنگ فغاں کبتک
کہیگی چشم پرنم بیکسی کی داستاں کبتک

یہ رنگ بے قراری اے دل حسرت نشاں کبتک
کروں میں نذر تیری لذت سوز نہاں کبتک

حریف گریۂ خونیں ہو جان ناتواں کبتک
کھلی رکھوں جگر کے لعل پارونکی دکاں کبتک

چمن میں فصل گل آئیگی ہر رنگ خزاں کبتک
رہیگی ہم سے برگشتہ نگاہ باغباں کبتک

ستم ہی پر کبھی مائل وفا نا آشنا ہو جا
تغافل سے وفادار دل کا ہوگا امتحاں کبتک

یہ سچ ہے تم کو آتی ہے دوائے درد محرومی
یہ مانا مہرباں ہوگئے، مگر اے مہرباں کبتک

قدم آگے بڑھا، ہمت کو پیغام عمل دے کر
تجھے رکھے گی یاد عیش رفتہ سرگراں کبتک

سحر ہونے کو آئی، جاگ اب بھی خواب غفلت سے
رہے گا منتظر تیرا امیر کارواں کبتک

تکلف بر طرف، ہے بیحسی یہ عافیت کوشی
لگی ہے آگ گلشن میں، بچے گا آشیاں کبتک

نہ کوئی ہمسفر میرا، نہ کوئی راہبر میرا
جریدہ منزل مقصود کا ڈھونڈوں نشاں کبتک

کبھی تو سعئ نا مشکور کی لذت سے واقف ہو
رہے گا بیخبر سرگشتۂ سود و زیاں کبتک

بھلا کس سے ہو ضبط شوق ان رنگیں اشاروں پر
نہ ملتا شمع سے پروانۂ آتش بجاں کبتک

اثر عمر دو روزہ ہو کہ عمر خضر، یکساں ہے
مکیں کبتک، مکاں کبتک، زمیں کبتک، زماں کبتک؟

حیا میں اک ادا نکلی، اداؤں سے حجاب آیا ‏ ‏ ‏ ‏ شباب آیا اور اس انداز سے اُن کا شباب آیا
جوانی اور آئینہ، تبسّم اور انگڑائی ‏ ‏ ‏ ‏ حیا بے اختیار آئی، اداؤں پر عتاب آیا
وہی آنکھیں کہ جن سے بادۂ گلگوں چھلکتا تھا ‏ ‏ ‏ ‏ وہی نرگس کی کلیاں تھیں جہاں ہنگام خواب آیا
بگڑنا، روٹھنا، باتیں بنانا مجھ سے آتی ہیں ‏ ‏ ‏ ‏ مگر اے دل نہ کوئی اُنکے طعنوں کا جواب آیا؟
نظر اُٹھی، نظر کے ساتھ اک موج شراب اُٹھی ‏ ‏ ‏ ‏ مجسم کیف رنگیں بن کے وہ مست شباب آیا
گلوں کی گود میں جیسے نسیم آ کر مچل جائے ‏ ‏ ‏ ‏ اسی انداز سے اُن پُر خمار آنکھوں میں خواب آیا
بسا پھولوں کی نکہت میں، لئے مستی شرابوں کی ‏ ‏ ‏ ‏ جھکنا، لہلہانا ایک کافر کا شباب آیا
نہ دینا داد شوخی کی خطا تھی، اب یہ تہمت ہے ‏ ‏ ‏ ‏ نگاہیں اُٹھ گئیں کیوں جب اِدھر وہ بے نقاب آیا

اثرؔ کو ہوش میں پاؤ تو کہہ دو کوئی کہتا تھا
کہاں ہے، کیا ہوا، جا کر نہ وہ خانہ خراب آیا

شش جہت اک جلوۂ سرشار ہونا چاہیئے ‏ ‏ ‏ ‏ اس قدر سرگشتۂ دیدار ہونا چاہیئے
کفر ہے شرحِ تمنا، جرم اظہارِ وفا ‏ ‏ ‏ ‏ مہر بر لب اے لبِ اظہار ہونا چاہیئے
صد چمن خونِ تمنا، صد چمن رنگِ طرب ‏ ‏ ‏ ‏ دل خلش آسودۂ آزار ہونا چاہیئے
عشوہ ہر تمکنت بھی ہے، آن بھی اور شان بھی ‏ ‏ ‏ ‏ عشق کو اک جذبۂ خوددار ہونا چاہیئے

عشق پرتو حسن کا ہے، عشق شعلہ طور کا — دل تجلی کا امانت دار ہونا چاہیے

عشق شمع بزم ہستی، عشق ہستی کا فروغ — عشق ہی کو زیست کا معیار ہونا چاہیے

عشق ساقی، عشق مطرب، عشق مستی، عشق مے — عشق ہی پیمانۂ مے خوار ہونا چاہیے

عشق کا غم جانفزا، لذت فزا، عشرت فزا — تجھ میں ہمت دیدۂ خونبار ہونا چاہیے

جسکی صہبا روح پرور ہے وہ میخانہ ہے عشق — مست ہونا چاہیے سرشار ہونا چاہیے

ذرے ذرے سے چھلکتی ہے شراب زندگی — تیرے احساسات کو بیدار ہونا چاہیے

دل جسے کہتے ہیں وہ ہو مشہد صد آرزو — عشق کو اک تیغ جوہر دار ہونا چاہیے

یہ گماں ہو برگ گل بکھرا گئی باد صبا — سرزمین سجدہ کو گلزار ہونا چاہیے

مجکو جنت بھی ہے دوزخ، یہ نہیں تو کچھ نہیں — سر پہ تیرا سایۂ دیوار ہونا چاہیے

ہیں بہت مبہم اشارے نرگس ساقی ترے — برملا اقرار یا انکار ہونا چاہیے

دل بھی رکھ لیتے ہیں ایذائیں بڑھانے کیلئے — پاس آشنائے نگاہ یار ہونا چاہیے

کیسی ہی پرپیچ ہوں راہیں گزر آساں ہے — طبع رہرو کو مگر ہموار ہونا چاہیے

دل سی شے ظالم کوئی چپکے سے دیدے کس طرح — بحث ہونا چاہیے تکرار ہونا چاہیے

حشر ہو یا بے حجابی جلوۂ مستور کی — کوئی ہنگامہ ضرور اک بار ہونا چاہیے

پیش آہنگی کہاں تک نفسِ خود اندیش کی
سازِ ہستی اب اثرؔ بے تار ہونا چاہیے

عشق کی بینائیاں، برنائیاں　　بھرتی ہیں تخئیل میں رعنائیاں
وہ خمار آلودہ آنکھیں دیکھ کر　　موجِ مے لینے لگی انگڑائیاں
اک طلسمِ راز ہے بزمِ مجاز　　جس طرف دیکھو فقط پرچھائیاں!
مجھ سے ناچار و حزین و زار سے　　اللہ اللہ تیری بے پروائیاں
جیسے اُن سے وعدہ ہے، آئے بھی ہیں　　وہ تصور کی چمن آرائیاں!
بدر کو رُخ سے ترے نسبت نہیں　　ناک نقشا یہ کچھ، اُس پر چھائیاں!
زندگی اور زندگی کی یادگار　　پردہ اور پردے پہ کچھ پرچھائیاں!
حُسن کی بے مہریاں جو ہیں سو ہیں　　عشق کی دیکھیں ستم آرائیاں؟
ہاں بقولِ میرؔ اپنی بھی اثرؔ　　"بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں"

نامرادی کا وہی عالم رہا
"طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں"

دخل سب ہے اُس کو بہت کچھ مرے تڑپانے میں / وہ جو لذت ہے ترے نام کے دُہرانے میں
رات مستی کا یہ انداز تھا میخانے میں / بجلیاں کوندتی تھیں شیشے میں پیمانے میں
میں سمجھتا ہوں تری جلوہ گری کا منشا / لُطف ہے ساغرِ لبریز کے چھلکانے میں
دیکھنا ظرف کہ با وصف ہزاراں مستی / راز میخانے کا محفوظ ہے میخانے میں
یاد کرتا ہے کوئی بھولنے والا شاید، / آج رونق سی ہے اُجڑے ہوئے کاشانے میں
اہلِ دنیا کا نہیں ذکر، محبت والے / پوجتے ہیں تجھے فطرت کے صنم خانے میں
تیری ہی برہمیِ زلفِ مسلسل کی قسم / یہی انداز ہیں پیدا ترے دیوانے میں
جل بجھا شمع کو جب سُوز پہ مائل دیکھا / آتشِ رشک تھی کس قہر کی پروانے میں
کہنے والے کہیں موقع سے اضافہ کر دے / نگہِ یاس کا ٹکڑا مرے افسانے میں
امتحاں ظرف کا منظور جو تھا ساقی کو / دی مے بیخبری ہوش کے پیمانے میں
اثرِ عشقِ جہاں سوز سے کوئی نہ بچا / شمع و پروانہ ہم آہنگ ہیں جل جانے میں
ہے حقیقت وہی، سادہ کہیں رنگیں کہیں / فرق اتنا تو نہیں کعبے سے بتخانے میں
تم نے دیکھا نہیں خونی کفنوں کا عالم / کب یہ کیفیتیں ہوتی ہیں بہار آنے میں
میری اک عمرِ وفا میری تباہی پہ نثار / ہونٹ تھرّائیں ترے اور مجھے سمجھانے میں!

قربِ جبریل بھی ہے دور کی آواز اثرؔ
کبھی در آ تو سہی دل کے نہاں خانے میں

ابھی تو دل کے پردے میں لرزتی ہے فغاں میری — سُنے گا کس طرح قاتل صدائے الاماں
جبیں کی اک شکن میں ختم تھی کل داستاں میری — سمجھنا تھا جنھیں سمجھے دمِ آخر زباں
زمانے کے ورق پر مستقل عنوانِ عبرت ہوں — مٹے پر کام آئی ہے یہ عمرِ رائگاں
بناؤ یا بگاڑو، دھیان رہنا چاہیے اتنا — تمھاری داستاں ہوگی کسی دن داستاں
تپش آہنگیِ دل ہے جہاں ترتیب سجدوں کی — باعجازِ محبت ہے روائی اب وہ ہار
کیا وارفتگیِ شوق نے بیگانۂ منزل سے — رہا میں منتظر اب راہ دیکھے کارواں
دلِ ہر خار کو دیکھا ہے میں نے خون سے دل کے — چمن والو یہ پوچھو کس طرح گزری خزاں
نگاہیں کیوں نہیں ملتیں، عرق ماتھے پہ کیسا ہے — تو کیا سچ ہے کہ تم نے بھی سنی ہے داستاں
یہ قسمت دیکھ، اک تنکا ہوا کا لے اُڑا اُس کو — قفس کے پاس آئی بھی جو خاکِ آشیاں
اسیری کی جو لذت ہے نہیں واقف وہ کیا جانیں — کہ خونِ دل میں ڈوبی ہے یہ آہِ ناتواں
تمھیں چاہا؟ خطا دل کی، وفا کیوں کی سزا دل کی — گنہگارِ محبت ہوں نہ کھلوا دو زباں
نہیں آلودۂ گردِ ہوس دامن تمنا کا — مگر پھر بھی نہیں سنتا اثرؔ وہ بدگماں

ہر آن تسلّی تھی ہر لحظہ دلاسا تھا   یا آنکھ نہیں ملتی، کیا ہو گیا اور کیا تھا
ہر راز ہویدا ہے، انداز سے پیدا تھا   یوں ساتھ مرے دل کے، دل تیرا دھڑکتا تھا
جس جا گُل عارض پر اُن پلکوں کا سایا تھا   نظارہ مچل جاتا، آرام یہ ملتا تھا
وہ پرسشِ پُر معنی، تھے لفظ گراں جس پر   اک پوری حکایت جب مبہم سا اشارا تھا
جب آنکھ اُدھر اُٹھی، پیغام لیے اُٹھی   پیغام لیے پلٹی، کیا لُطف و مدارا تھا
رفتار کی یہ خوبی، پابوس بہاریں تھیں   پھولوں کے لیے خاکِ ہر نقش کفِ پا تھا
گفتار میں یہ نرمی، تمئیز ہوئی مشکل   وہ ہونٹ ہلے تھے یا غنچہ کوئی چٹکا تھا
اقرارِ وفا کرنا، اُلفت کی قسم کھانا   شوخی سے مُکر جانا، پھر پوچھنا "ہاں! کیا تھا؟"
بے وجہ بگڑ جانا، پھر آپ ہی من جانا   کیوں یاد تمھیں ہو گا، ایسا بھی زمانا تھا
سنجیدہ کبھی بننا، پھر آپ ہی ہنس دینا   آنکھوں کے لڑانے کا کچھ دیر تماشا تھا
جو طرز تھا دلجو تھا، جو بات تھی دلکش تھی   اے کاش جبھی کھلتا، کچھ بھی نہ تھا، دھوکا تھا
ہر آن ستاتے ہو، ہر لحظہ رُلاتے ہو   وہ ہو کے رہا آخر، قسمت کا جو لکھا تھا

یہ طرفہ ستم دیکھو شکووں پہ اثرؔ میرے
پوچھا بھی تو کیا پوچھا، "یہ کس کا فسانہ تھا؟"

دھوکا تھا فقط دھوکا، جلوہ تھا نہ پردا تھا صورت کشِ حیرانیِ خود نقشِ تمنا تھا
یہ شانِ تمنا تھی، یہ جوشِ تمنا تھا وہ جانِ تماشا بھی، مدہوشِ تماشا تھا
برباد ہوا کیا کیا، پھر بھی وہی نقشا تھا "ہر ذرۂ خاکِ دل اک حسن کی دنیا تھا"
رنگ اور مری چشمِ خوناب فشاں کا تھا یوں بن میں شفق بھی تھی اور ڈھاک بھی پھولا تھا
سنتے ہیں تڑپنا بھی اب یاد نہیں اُس کو وہ درد کا مارا دل جو آپ کا شیدا تھا
انوارِ تجلی سے معمور تھا میخانہ خورشید بدامن تھا جو قطرۂ صہبا تھا
ساغر سے لڑیں آنکھیں، ہاں دورِ سبو دیکھا مجکو جو پسند آیا وہ سجدۂ مینا تھا
کیا رسم ہے دنیا کی، تم جانو، نباہو تم میں نے وہ کیا جو کچھ اُلفت کا تقاضا تھا
خود ذوقِ نظر میرا ہے پردہ ترا ورنہ اک روز ترا جلوہ مانوسِ تماشا تھا
جو قطرۂ خونِ دل ٹپکا مرے دامن پر اک حسنِ سراپا کی تصویرِ سراپا تھا
وہ رات کا سناٹا، وہ اُمڈے ہوئے آنسو چڑھتی ہوئی ندی تھی، بڑھتا ہوا دریا تھا
میں نے تو یہی دیکھا، جب دیکھا، جہاں دیکھا جو پایا تھا وہ خود اپنا جس کو ترا سودا تھا
اک شوقِ مسلسل کی محویت و مدہوشی دنیائے محبت میں امروز نہ فردا تھا
بیداری و غفلت بھی، ہشیاری و مستی بھی سب کچھ تھا اُن آنکھوں میں اور کچھ نہ کھلا کیا تھا!

کیا شخص اثر بھی تھا، سمجھا نہ کوئی اب تک
عاشق تھا کہ شاعر تھا، دیوانہ کہ دانا تھا

قتل میں اک ناکردہ گنہ کے حیف نہ کچھ تاخیر ہوئی
کوئی نہ تھا جو پوچھے اتنا، اس سے کیا تقصیر ہوئی

ایک سے رغبت، ایک سے وحشت، اور کہا دیوانہ کسے
ورنہ ہے یکساں بہرِ اسیری، زلف ہوئی، زنجیر ہوئی

خونِ تمنا، اجرِ تمنا، عشق و وفا کی ریت نئی
اُس پہ قیامت دل کا دھڑکنا، جیسے بڑی تقصیر ہوئی

برگِ گل پر قطرۂ شبنم، اُس پہ شعاعِ مہر مبیں
تیرے نثار اے حُسنِ تصوّر میری نظر تصویر ہوئی

عشق بغیرِ حسن ناقص، عشق کا حسن ترکِ طلب
خاک میں جب اکسیر ملائی، خاک بھی پھر اکسیر ہوئی

اپنا لہنا، اپنا مقدر کہہ کے ہمّت ہار گئے
ہم نے کی تذلیل عمل کی، ہم سے خجل تدبیر ہوئی

تیری دنیا، تیرا زمانہ، توڑ طلسمِ بود و نبود
خواب کی باتیں کب تک سنئے، خواب کی کیا تعبیر ہوئی

تصویرِ وفا میں تو اے دل کیوں رنگِ تمنا بھرتا ہے
ناداں سمجھ! یہ نقش ہمیشہ داغ ہی بن کے اُبھرتا ہے

جلتی ہیں بجھی سی شمعیں بھی، پروانے بھی جلنا بھول گئے
یہ کون الگ محفل سے تیری ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے

خونِ ناحق تیرا اے دل، اُس پر کیونکر ثابت ہو گا،
وہ تو جیسے مدھ ماتی، بہکی بہکی باتیں کرتا ہے

پہلے ہنگامِ سحر یوں پھول سنورتے نکھرتے نہ تھے
مانوں گا نہ میں تو پچھلے پہر گلشن کی طرف سے گزرتا ہے

منصور کی باتیں جانے دے، منصور کی ہمت پیدا کر
حق بات زباں پر لاتے کیوں اللہ کے بندے ڈرتا ہے

پیغام یہ کس کو جاتے ہیں معلوم تو ہو دیوانے اثرؔ
تو خاک پہ بیٹھا کیا لکھتا اور لکھ کے مٹایا کرتا ہے؟!

صبح وطن ہے شامِ غریباں ترے بغیر　　وجہِ الم ہے عیش کا ساماں ترے بغیر

بجھنے سے پہلے شمع بھڑکتی ہے جس طرح　　ہر داغِ دل ہے شعلہ بداماں ترے بغیر

دل موجِ خون و بسمل در خوں تپاں جگر　　اب ہے یہ رنگِ شوق فراواں ترے بغیر

ہر سانس ایک تازہ جراحت کا ہے پیام　　نشتر بنی ہوئی ہے رگِ جاں ترے بغیر

آ، دیکھ، بھول جائے گا حسنِ نمودِ صبح　　میں نے کیا ہے چاک گریباں ترے بغیر

اے جانِ آرزو، مہِ کنعانِ آرزو　　بیت الحزن ہے دل کا شبستاں ترے بغیر

آ، اور سنوار زلفِ چلیپائے آرزو　　کیا لطف خوابہائے پریشاں ترے بغیر

مدت سے اب نہیں ہے بجز خونِ آرزو　　سرنامۂ حیات کا عنواں ترے بغیر

کیا کیا ابھارتی ہے صبا چھیڑ چھیڑ کے　　کس کو دماغِ سیرِ گلستاں ترے بغیر

بلقیس وش ہو زینتِ ایوانِ شاعری　　سونی پڑی ہے بزمِ سلیماں ترے بغیر

آتا نہیں تو بھیج دے پیغام ہی کوئی　　دلبستگی کا کچھ تو ہو ساماں ترے بغیر

سنتا ہے کون دردِ محبت کی داستاں　　ہوتا ہے کون حال کا پرساں ترے بغیر

اتنا بتا دے تیرے تغافل کے میں نثار　　کس سے ہو چارۂ غمِ پنہاں ترے بغیر

آیا بھی لب پہ نغمہ تو فریاد بن گیا　　کیونکر ترا اثرؔ ہو غزل خواں ترے بغیر؟

بلہوس پائے بھلا کیا غم و حسرت کے سوا　　آس رکھتا ہے محبت سے، محبت کے سوا

دل پُر شوق ہے اور تیرے تصور کے مزے　　گل کی آغوش میں اب کچھ نہیں نکہت کے سوا

ہوش کیوں چھینتی ہے، بیخودیٔ شوق ٹھہر　　پردے سب اُٹھ چکے ہیں پردۂ حیرت کے سوا

بادہ پیمائے محبت نہ ابھی سے خوش ہو　　اس میں کچھ اور بھی ہیں پیچ مصیبت کے سوا

کیا یہ ممکن نہیں اے واعظ شیریں گفتار　　اور جنت بھی کوئی ہو، تری جنت کے سوا؟

ہاں گنہگار ہے، لیکن ترا بندہ ہے اثرؔ

کون دامن میں چھپائے تری رحمت کے سوا؟

راستے بند ہیں، کدھر جائیں　　تم ہو پیش نظر، جدھر جائیں

حاصل زیست ہے وہی لمحہ　　جس میں ہم کوئی کام کر جائیں

جب مخالف چلے چمن کی ہوا　　منہ گلوں کے نہ کیوں اُتر جائیں

شش جہت سے اشارے ہوتے ہیں　　حیرت عشق اب کدھر جائیں؟

پھر نہ جائے بہار گلشن سے　　گل جو تیری طرح سنور جائیں

اب میں سمجھا مراد جنت سے　　آپ جس راہ سے گزر جائیں

اپنی منزل ہے اور، مسلک اور　　سب جدھر جائیں کیوں اُدھر جائیں

گل اور اُنکی سی نازکی. توبہ ! کچھ ورق اور ابھی اُتر جائیں
اُنکی حسرت نہ پوچھ، جو تارے دامن صبح میں بکھر جائیں
بزم جاناں کو ہوش سے ہے بَیر آؤ مدہوش و بے خبر جائیں

تیغ چلتی ہے اُسکے کوچے میں
آپ جاتے جو ہیں اُدھر جائیں!

اُن انکھڑیوں کی اُف نیم خوابی ڈورے پڑے تھے جن میں گلابی
رُخ پر پسینا، گیسو پریشاں لکنت زباں کو، آخر شرابی!
نازک لبوں پر، ہلکی سی لرزش کھِلتی کلی یا رستی گلابی
گفتار ایسی پُرکار و سادہ جسپر تصدق حاضر جوابی
جو عرض کیجیے، فوراً پذیرا! عصمت کی ضامن، خود بیحجابی
ہر لحظہ تازہ پیمانِ اُلفت لطف و کرم کی وہ بے حسابی
اُس چشم میگوں کی مست گردش توبہ کی جاں پر لائی خرابی
گونجی ہوئی تھی گلبانگ رندی درس جنوں تھا، رسے کتابی
بدمست میں تھا، ہشیار وہ تھا اب حُسن گل تھا، رنگیں نقابی

جا بلہوس، جا، تجکو خبر کیا ناکامیٔ عشق ہے کامیابی
یارب نبھے گی کیونکر محبت وہ سخت کافر، میں بوترابی
اب خوار ہم ہیں، یا تھی میسر گردوں سریری، کیواں جنابی

فکرِ اثرؔ میں ہے جلوہ فرما
صہبائے حافظؔ کی مہر تابی

مدہوش دیکھنے کو جو پیمانہ بن گیا تو کیا حریف نرگس مستانہ بن گیا؟
لے تیرا کام اے دل دیوانہ بن گیا عالم تمام جلوۂ جانانہ بن گیا
یادش بخیر، اُنکے تصور کی سرخوشی اکثر شراب ڈھل گئی، میخانہ بن گیا
ہر چند میں خموش رہا اُن کے سامنے تصویرِ آرزو دل دیوانہ بن گیا
تجکو خبر بھی ہے کہ ترا حُسن خودنما اتنا ہوا ہے عام کہ افسانہ بن گیا
وہ داغ بجھ رہا ہے کہ دل جسکے فیض سے سرمایہ دارِ عشرتِ پروانہ بن گیا
کیا شرح آرزو ہو کہ اک حرف آرزو آیا تھا لب پہ، نعرۂ مستانہ بن گیا
دل ہے وہ کعبہ جس میں دوئی کا گزر نہیں یہ بات اور ہے کہ صنمخانہ بن گیا

عشق و ہوس میں فرق ہے اتنا ہی بس اثرؔ
دیوانہ ہوگیا، کوئی دیوانہ بن گیا

ہائے رے پیاری پیاری آنکھیں		متوالی رتنناری آنکھیں
غارت دل پر ٹوٹ پڑی ہیں		شیام نگر کی گنواری آنکھیں
کیا ہے دل، جب دل کو لبھائیں		بہکی باتیں خماری آنکھیں
اُس گھڑی دیکھو اُن کا عالم،		نیند سے جب ہوں بھاری آنکھیں
زہر کبھی ہیں اور کبھی امرت،		اُن کی باری باری آنکھیں
دل سے جگر تک بھر دیں جراحت		گو ہیں چھری نہ کٹاری آنکھیں
جنکو جھپکنا یاد نہیں ہے		حیرت کی ہیں ماری آنکھیں
بھولے ملک تسبیح فلک پر		رات یہ روئیں ہماری آنکھیں
کس حسرت سے بند ہوئی ہیں،		بیچاری، دکھیاری آنکھیں

کون اثرؔ کی نظر میں سمائے،
دیکھی ہیں اُس نے تمہاری آنکھیں

متوالا آنکھ لڑتے ہی پیمانہ ہوگیا — ایسا بھی دورِ نرگسِ مستانہ ہوگیا
نیرنگِ ہست و بود سے بیگانہ ہوگیا — جسکو ذرا بھی ہوش تھا، دیوانہ ہوگیا
لو اُن کو یہ گلہ ہے کہ مغرور ہے گدا — میرا مزاج اور بھی شاہانہ ہوگیا
رنگینیوں میں غرق تھا ہر لمحۂ حیات — جب عشق وصل و ہجر سے بیگانہ ہوگیا
کیوں مجھ پہ وہ نظر ہو جو تھی غیر پر نظر — میں شکِ التفات سے دیوانہ ہوگیا

یہ بھی فریب اُس نگہ نیم باز کا
حاصل وفائے عشق کا افسانہ ہوگیا

زینت افروزِ شبستاں ہوجا — مونسِ خلوتِ مستاں ہوجا
شرم آلود نگہ کا صدقہ — مسکرا اور گلستاں ہوجا
تیری رنگین خرامی کے نثار — آج فتنۂ بستاں ہوجا
نرگسِ مست کی سوگند تجھے — عشرتِ بادہ پرستاں ہوجا
امتحانِ ظرف کا جب لے ساقی — جوش کھا اور خمستاں ہوجا
عشق میں کیوں ہے معلّم کی تلاش — آپ ہی اپنا دبستاں ہوجا
دیکھ لے سادگیِ حسن اثرؔ — تیرے قرباں سمنستاں ہوجا

ساقیا جام کہ بیدادِ فلک باقی ہے　　آبلے پھوٹ بہے، پھر بھی تپک باقی ہے

دھار دے آتشِ تر سے کہ نہ پھر چوٹ ابھرے　　ابھی تو یہ کی مرے دل میں کسک باقی ہے

آنکھوں ہی آنکھوں میں پھر کوئی اشارہ کر دے　　تیرے قربان ابھی تھوڑی سی جھجک باقی ہے

پھر اُٹھی نا نسے اک خندۂ گلریز طرب　　شیشۂ دل میں مرے جس کی کھنک باقی ہے

پھر چھلکا دے سرِ انگشتِ حنائی سے شراب　　شیشہ بازی کی ستاروں کو لپک باقی ہے

ہاں چھلک جائے لبِ جام سے وہ لعلِ مذاب　　جس میں خورشید کی کرنوں کی جھلک باقی ہے

جس کئے صبح نے انفاس معطر جس میں　　روح بالیدہ ہوا بتک وہ مہک باقی ہے

جسکو افسردہ کیا "شام کی دوشیزہ" نے　　قطرے قطرے میں ستارے کی چمک باقی ہے

وہ زلال اُس کا ہے سب جسکو شفق کہتے ہیں　　اُسکی چھینٹے ہیں، فلک پر جو دھنک باقی ہے

عقدِ پرویں سے کوئی لمس کی لذت پوچھے　　دانے دانے میں تپکنے کی للک باقی ہے

ایک مدت ہوئی گو اُن کو نظر پھیرے ہوئے　　دل میں اُس شعلۂ سرکش کی دمک باقی ہے

دیکھ لے پھر، میں تری نیم نگہ کے صدقے　　نیند کی سی مری آنکھونمیں کھٹک باقی ہے

باتیں کرنے میں اُلجھ پڑتے ہو ایک اک سے اثر

پیر ہو اور جوانوں کی سی جھک باقی ہے!

کافر یہ نظر ہے، تو حذر ایسی نظر سے | اٹکھیلیاں سوجھی ہیں جسے زخمِ جگر سے

اب ہو جو گزر کہنا صبا اُس گلِ تر سے | تسکین دلِ زار نہیں ہوتی خبر سے

یہ ذوقِ تماشا ہے کہ ہنگامِ تماشا | لَو دینے لگا تارِ نظر جوشش نظر سے

ہر حال میں درپیش ہے جب خونِ تمنّا | محروم نہ کر نالۂ محروم اثر سے

دم لینے دے اے گریۂ سرشار ندامت | طوفان نچوڑا ہے ابھی دامنِ تر سے

حیرت کدۂ واں ہیں کہ ہے کارگہِ شوق | آئینے بنا کرتے ہیں دیوار سے، در سے

یہ جان کہ شایانِ درِ دوست ہوئی ہے | جب خون کی بو آنے لگے آہِ سحر سے

گرداب صفت پائے طلب کو ہے گردش | دامن نہ ہو آلودہ یہاں گردِ سفر سے

دل بحرِ تحیّر کا شناور نہیں ورنہ | طغیانِ تجلّی ہو اسی آبِ گہر سے

دل جانے کی خاطر تھا، گیا، سوچ یہ اب کیا | حیلے سے لیا اُس نے، دغا سے، کہ ہنر سے

کھُلتے ہیں اثر طاقتِ دیدار کے جوہر
جسوقت پلٹتی ہے نظرِ دل کے نظر سے

شورشِ دل کا کچھ سبب نہ کھلا | کیوں اُٹھاتا رہا تعب، نہ کھلا

گو مہیّا تھے عیش کے ساماں، | دل بیگانۂ طرب نہ کھلا

حیرت عشق کیا کیا تو نے — کدھر آکر گئے وہ کب نہ کھلا

پوچھتا ہوں جنوں میں ایک اک سے — کہہ گئے کیا وہ زیر لب نہ کھلا

اُس نے پوچھا بھی ملتفت ہو کر — دیکھنا عشق کا ادب نہ کھلا

گل میں تیرا سا بانکپن ہے، مگر — اُسکی چتون پہ یوں غضب نہ کھلا

داغ جبتک تیرے غم نے دیے — طالع روز و بخت شب نہ کھلا

دل حسرت زدہ کو تاب کہاں — ورنہ وہ شوخ مجھسے کب نہ کھلا

تیرا شکوہ نہیں، گلہ یہ ہے — تیری بیداد کا سبب نہ کھلا

کیا کہوں اُس سے اور کیا نہ کہوں — مدعا میرا مجھپہ جب نہ کھلا

عہد گل میں بھی حیف تجھ پر اثر
در میخانۂ طرب نہ کھلا

ی ہے اُن انکھڑیوں میں کرشمہ بھی، ادا بھی — پوچھو جو مروت کو نہیں ایک ذرا بھی

وضع نزاکت سے کیا خون جگر کا — اے کاش یونہیں تو ہو پشیمان جفا بھی

مجکو یقین آئے کہ سچ عذر ستم ہے — کرلے کوئی اس وقت جو پیمان وفا بھی

دل نہ ہو محمل کش لیلائے تمنا — منزل سے ہے بیگانہ یہاں بانگ درا بھی

دیکھے تو کوئی وسعت صحرائے تمنّا ٹکرا کے پلٹتی نہیں رہرو کی صدا بھی
معلوم نہیں عشق کی منزل مجھے لیکن اُفتاد اسی راہ کی ہے روزِ جزا بھی
مستانہ وہ شوریدگیٔ عشق نے طے کی جس راہ میں ہے لرزہ بر اندام قضا بھی
مرجائے نہ کیوں چھوڑ کے سر کنجِ قفس میں وہ مُرغِ چمن زاد جو ہو رشتہ بپا بھی

اے مایۂ جاں، کامِ جہاں، دلبرِ دوراں
مشتاق ہے تیرا، اثرِ بے سر و پا بھی

دل ہے پہلو میں، سہارا کم نہیں دور ہے منزل تو ہو، کچھ غم نہیں
راہ سے واقف، نہ رہبر پر نظر راز وہ جس کا کوئی محرم نہیں
جہل کی تاریکیاں ہیں اور میں کوئی مونس اور کوئی ہمدم نہیں
تنگ راہوں سے گزرنا ننگ ہے اپنی گمراہی کا مجھکو غم نہیں
ہر نفس ہے محشرِ صد اضطراب حالِ دل کم درہم و برہم نہیں
جس سے آسودہ ضمیرِ عشق ہو دل کی بیتابی کا وہ عالم نہیں
ظرف ہے درکار بہرِ سرخوشی بزمِ ساقی ہے، یہ بزمِ جم نہیں
حُسن و اُلفت میں بہم اک ربط ہے برگِ گل پہ قطرۂ شبنم نہیں

چھان ماری سب خدائی اے آثرؔ
شکل آدم ہیں بہت، آدم نہیں

کیا میں ہی پے تلاش نکلا — خورشید بھی سجدہ پاش نکلا
منصور ہوں نزقۂ " انا " کا — حق امر زباں سے فاش نکلا
پھر دن یہ جنوں میں سوچتا ہوں — کیوں گھر سے کر پے تلاش نکلا
اب حال سے اپنے بے خبر ہوں — ملنے کا ترے تماش نکلا
ہر سانس کے ساتھ شام فرقت — اک نالۂ دل خراش نکلا

میں نالہ جسے سمجھ رہا تھا
فرمان دور باش نکلا

عید نظارہ، وقت نظارہ — نیر کے خم ابرو کا اشارہ
آہ چلی یوں توڑ کے دل کو — سنگ سے نکلے جیسے شرارہ
سب ہیں کرشمے تیری نظر کے — کیا ثابت اور کیا سیارہ
شوق میں تیرے اے گل خوبی — پھرتی ہے نکہت آوارہ
ہر گل نرگس ہے دیدۂ حیراں — اللہ اللہ جوش نظارہ

کس سے کہئے اور کیا کہئے کوئی نہ ہو جب درد کا چارہ
ہم ہیں ازل سے بندۂ اُلفت کیا ہو بغیر عشق گزارہ
آخری آنسو یوں ہے مژہ پر جیسے اُفق پر چمکے ستارہ
ایسے تڑپتا یوں، کہ گماں ہو دل نے کیا پہلو سے کنارہ
اب یہ جنوں ہے جوشِ جنوں میں جیبِ جنوں ہو پارہ پارہ
اُس سے حذر جو لیکے آثرؔ دل
حال نہ پوچھے آکے دوبارہ

محبت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں یہ دولت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں
مجھے کرکے پامال چل ناز سے قیامت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں
خبر کیا تجھے زاہدِ بے گناہ ندامت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں
آثرؔ جب تمھارا یہ مصرع سُنا "محبت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں"
تو اُس شوخ نے یوں بدل کر پڑھا
"جو حسرت نہیں ہے تو پھر کچھ نہیں"

ن گیا ہے شوق میں خود اپنی محفل انتظار   کوئی حد ہوتی ہے آخر کبتک اے دل انتظار
جستجو آوارگی ہے اور جنوں شورِ طلب   شوق ہو کامل تو ہے اک وہمِ باطل انتظار
نجِ محرومی نہیں دلدادگانِ عشق کو   لیلیٔ حسنِ طلب کا خود ہے محمل انتظار
جانتا ہوں خوب لیکن پھر بھی کھاتا ہوں فریب   وہ ترا وعدہ ہے ٹھہرا جس کا حاصل انتظار
ثت چاہیئے اب ہوش آنے کے لئے   بیخودی وہ بحر ہے جس کا ہے ساحل انتظار
ستارۂ صبح کا ڈوبا وہ شمعیں گل ہوئیں   ختم کر، بس ختم کر، اے جانِ بسمل انتظار

دامِ نیرنگِ خودی سے اے اثرؔ آزاد ہو
یار ہے پہلو میں تیرے اور غافل انتظار!

نزلِ ہوش سے بیگانہ بنا دے ساقی   تیرے قربان وہ مے آج پلا دے ساقی
ست گل کی طرح، قطرۂ شبنم کی طرح   پرِ لطافت کے تخیل کو لگا دے ساقی
نہ آ جائے مرے لوحِ طلسمِ ہستی   اس طرح آئینۂ دل کو جِلا دے ساقی
از اگر کوئی نہیں، ذوقِ تجسس کیوں ہے   مجکو اتنا تو ضرور آج بتا دے ساقی
سکے نظارے کو ہے دیدۂ انجم بیدار   جلوہ اُس شاہدِ رعنا کا دکھا دے ساقی
اہش ترک بھی اب ترک مجھے کرنا ہے   دل کو اک صفحۂ بے نقش بنا دے ساقی

عشق لبیک کہے جب کوئی آفت آئے　　مجکو وہ بادۂ سرجوش رضا دے سا
دے کے اک ساغرِ سرشارِ بے خبری　　ہوسِ عشرتِ فردوس بھلادے ر
شورش انگیزیٔ افسونِ دوئی ختم ہوئی　　اور خوابیدہ کوئی فتنہ جگادے ر
زندگی کو مری تعبیر تڑپنے سے کریں　　لذّتِ دردِ جگر اتنی بڑھادے ر
جو مرے حق میں تری چشمِ سخن گو نے کہا　　لبِ نازک سے وہی مژدہ سنادے ر

ایک لغزش میں ہو طے منزلِ امکان وشہود
اثرِؔ مست کو وہ جامِ فنا دے ساقی

مرا دل دکھا کے تاسف کیا　　تکلّف سا تم نے تکلّف کیا
محبت نے کچھ ایسی مت پھیر دی　　تلطف پر اُسکے تاسف کیا
مجھے سیرِ گلشن سے تھی کیا غرض　　تری پائی سن گن، توقف کیا
جو دل کعبہ تھا، وہ ہے دیرِ مغاں　　عجب دلبروں نے تصرف کیا
جہاں کی ہر اک شے ہے فانی، مگر　　بنانے میں کیا کیا تکلف کیا
رہے گا یہ تم سے گلہ عمر بھر　　تامل کیا، پھر تلطف کیا
نظر جب نہ آئی حقیقت، اثرؔ　　تو بدنام نام تصوف کیا

اک مضطرب شوق ہے گویا تگ و دو میں — ہستی جسے کہتے ہیں وہ ہے برق کی رو میں

اللہ ری نیرنگیٔ تاثیر محبت — پروانے کا انداز ہے سب شمع کی لو میں

گمراہ کرے کیا مجھے نظارۂ کثرت — تعمیر ہر اک رنگ کی ہے مہر کی ضو میں

جس شان کی تھی بات، اسی شان سے کہہ دی — منصور کے مانند ہوا ایک نہ سو میں

مانا وہی چشم خم ہے، وہی حسن و نزاکت — جنبش بھی اس ابرو کی سی کیا ہے مہ نو میں

کانوں پہ رکھے ہاتھ آخر اٹھ گیا کوئی

اور تم ہو کہ بکتے ہی چلے جاتے ہو، رو میں!

نرگس مست کو لبریز نہ کر — آتش شوق مری تیز نہ کر

آنکھ جھپکا کے دم جلوہ گری — غمزۂ شوخ کو مہمیز نہ کر

ہنس کے اے خانہ برانداز چمن — دامن گل کو شرر بیز نہ کر

غارت دل ہو مبارک لیکن — ستم و لطف کو آمیز نہ کر

مے بے غش میں نہ کر دُرد شریک — کوئی حیلہ دم خونریز نہ کر

عاشقی کو بکنی کا ہے نام — خواہش عشرت پرویز نہ کر

زینہار اور مداوا ہی نہیں — عشق میں بھول کے پرہیز نہ کر

میرے پہلو میں بھی آخر دل ہے   نالہ اے مُرغِ سحر خیز نہ کر
ہائے دیوانے اثرؔ کا کہنا
"نرگسِ مست کو لبریز نہ کر"

بیتابیوں کو زیست کا حاصل بنا دیا   سو اضطراب جمع کیے، دل بنا دیا
پروانہ اور حریمِ تجلّی میں باریاب!   ذوقِ تپش نے درخورِ محفل بنا دیا
میں اور ضبطِ شوق کا یارا نہ ہو مجھے!   کافر تری نگاہ نے سائل بنا دیا
شوریدگیٔ عشق نے، ہنگامِ جستجو   ہر ذرّۂ غبار کو محمل بنا دیا
اللہ رے فریبِ طلسماتِ آرزو   اک نقشِ بے ثبات کو حاصل بنا دیا
کچھ ایسے آبلے تھے کہ جب پھوٹ کر بہے   جادے کو سر بسر رگِ بسمل بنا دیا
تیری خموشیوں پہ مرے بڑھتے شوق نے   مشکل کو سہل، سہل کو مشکل بنا دیا
حسرت پرستیاں دلِ خانہ خراب کی   منزل کو جادہ، جادے کو منزل بنا دیا
شامل نہ کیوں غرور ہو میرے نیاز میں   تجھ سے کریم کا مجھے سائل بنا دیا
اک ناتمام نغمہ تھا، پردے میں ساز کے   رنگیں نگاہیوں نے تری، دل بنا دیا
اے دل تری لطافتِ احساس کے نثار   پامالیٔ نگاہ کے قابل بنا دیا

جب شوق ہمکنارِ تمنا ہوا اثرؔ
ہر جنبشِ خیال کو منزل بنا دیا

ناز سے پھیر دے ادھر عارضِ دلفروز کو — صبح کا راز داں بنا طالعِ تیرہ روز کو
خیرگیِ نگاہ سے میری ہوس نہ جائیگی — خرمنِ ہوش پر گرا برقِ نظارہ سوز کو
حد سے گزر چکی ہے اب میری فسردہ خاطری — آتشِ نغمہ تیز کر، نغمہ بنا دے سوز کو
عشق کی نے نوائیاں کان سنینگے خود بخود — دل میں چھپائے رکھ ابھی نالۂ جاں فروز کو
تو نے کیا ستم کیا، دل کو قرار آ گیا — اور تکان دے ذرا ناوکِ سینہ دوز کو
یہ تو نہیں کہ آشنا لذتِ غم سے دل نہیں — اشک کہاں سے لائے گریۂ پردہ سوز کو
گردشِ ماہ و سال سے ربط ہی جیسے اٹھ گیا — صبحِ فراق تیرہ کو، شامِ فراق روز کو
بھول کے آ نکل کبھی، جلنے کو بے قرار ہوں — کوئی بہانہ چاہیئے عشق بہانہ سوز کو

شوخ نگاہیوں کی خیر، سوئے اثرؔ بھی اک نظر
رتبۂ آفتاب دے کرمکِ شب فروز کو

کس کا یہ پیغام صبا لائی ہے — شوق میں ہر شاخِ گل انگڑائی ہے
عشق میں سازِ حقیقت ہوا — جب کہیں مستانہ بہار آئی ہے

آکے ذرا میری قسم آزما
تجھ سے نہ ملنے کی قسم کھائی ہے

ختم ہوا دورِ تمنا و ہوش
داغ جنوں عشق کی بھرپائی ہے

شعر اثرؔ ہو کہ ہو جام شراب
مستی اُن آنکھوں کی اُتر آئی ہے

کیوں جھجکتا ہے، اُبھر اور نکھر
ذرہ خورشید ہے ہمّت ہو اگر

صورت موج ہو سرگرم سفر
ساحل آجائے تو کترا کے گزر

تو نے ہاں تو نے لیا دل میرا
یوں مکرنے کو جفا کا۔ مکر

تربیت پاتے ہیں فتنے جس جا
اُس ستمگار کی ہے راہگزر

اُٹھ گیا حسرت دیدار لیے
آپ کا تشنۂ دیدار، اثرؔ

تابِ نظر نہیں، نہ ہو، کیفِ نظر بڑھائے جا
دیدہ و دل کی آرزو دیدۂ و دل پہ چھائے جا

صدقہ نگاہِ مست کا آنکھ نہ یوں چُرائے جا
ڈوبے ہوئے شراب میں تیر ادا چلائے جا

اجرِ نیازِ عشق کیا؟ نیم تبسم، اک نظر
اس میں بھی ہے دریغ اگر، خاک ہی میں ملائے جا

بادۂ ناب میں ملا چشمِ سیاہ کا خمار
ہوش بقدرِ ظرف ہے، ظرف کو آزمائے جا

دشنۂ غمزہ تیز کر، تجھ سے یہ کس نے کہہ دیا
میں کروں عرض مدعا اور تو مسکرائے جا

تجھ پہ نثار حسرتیں، حسرتیں کیسی؟ جنتیں!
چھین لے اور لذتیں، لذتِ غم بڑھائے جا

تیرا شعار ہے جفا، میری سرشت ہے وفا
میں تجھے آزماؤں کیا، تو مجھے آزمائے جا

پرسشِ حال ہو نہ ہو، اُن کو خیال ہو نہ ہو
اُن سے ہی لَو لگی رہے، گو بھی اُنھیں کے گائے جا

خاک بھی ہو تو خاک ہو، رہگزرِ حبیب کی
دیدۂ اعتبار میں شان وفا بڑھائے جا

دوری و قرب ایک ہے، دل کو اگر ہو یکسوئی
نقشِ خودی مٹائے جا، دخلِ دوئی اُٹھائے جا

رقص میں خود نشاط ہے، جوش یہ ہے نشاط کا
ہوش کو خیرباد کہہ، دھوم اثر مچائے جا

کون شے ہے جو ترے حسن سے معمور نہیں — سینۂ ذرّہ بجز یک ورقِ نور نہیں
گو ادبگاہ محبت میں یہ دستور نہیں — عرضِ خمیازہ بھی اب شوق سے کچھ دور نہیں
ایک دلچسپ فسانہ ہے کہ سنتے رہیئے — نفس اگر خلد نہیں، روح اگر حور نہیں
کارفرما ہے ترا ناز، کہاں دار و رسن — لبِ جاں بخش کا اعجاز ہے، منصور نہیں
اسقدر دھیان رہے، آنکھ چرانے والے — عشق ہنگامہ طلب ضبط پہ مجبور نہیں
آبلے پھوٹ کے دیتے ہیں صدائے لبیک — ہمتِ شوق کہ منزل بھی کچھ اب دور نہیں
ایسے ہنگامے وہاں روز ہوا کرتے ہیں — کشتۂ ناز فقط سرمد و منصور نہیں
عشق بھی حسن سے جب سوز میں ہو ساز شریک — منزلِ شمع سے پروانہ بہت دور نہیں
خونِ حسرت میں بھی اک کیف ہے، مدہوشی ہے — عشرت انگیز فقط بادۂ انگور نہیں
اپنے خرمن کیلئے آپ ہی بجلی بن جا — دل اگر تاب دہ برق سرِ طور نہیں

نشہ آنکھوں میں اُتر آیا باندازِ خمار — اور ابھی دور میں وہ نرگسِ مخمور نہیں

اب وہ عالم ہے ترے دردِ محبت کے نثار — التفاتِ نگہِ ناز بھی منظور نہیں

دل میں آراستہ کر انجمنِ شوق اثرؔ

پے آغوشِ نظر جلوۂ مستور نہیں

گلۂ دوست؟ نہیں اے دلِ رنجور نہیں! — دردمندانِ محبت میں یہ دستور نہیں

ناز تو چھین لے فطرت سے یہ مقدور نہیں — جوش زن دل میں ترے جذبۂ منصور نہیں

جُرم ٹھہرا ہے ترے عہد میں اقرارِ وفا — نام مٹ جائے محبت کا تو کچھ دور نہیں

ہائے وہ آنکھ ٹپکنے لگی حسرت جس سے — ہائے وہ دل کہ جسے ضبط کا مقدور نہیں

آشنائے غمِ اُلفت نہ کسی کو پایا — نرگستاں ہے، یہاں دیدۂ پُرنور نہیں

مرگماں سے کوئی اتنا نہیں کہنے والا — عشق خوددار ہے، خودسر نہیں، مغرور نہیں

تیری محفل کا وہ نقشہ نہیں، ساقی، ساقی! — عشق کی تشنہ دہانی کا جو مذکور نہیں

لُٹ رہا ہے چمن اور آہ نہیں کر سکتے — پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی مجبور نہیں

جس طرح شب سے عیاں نورِ سحر ہوتا ہے — بختِ خوابیدہ بھی جاگ اُٹھے تو کچھ دور نہیں

ذرّے ذرّے سے یہ آہنگِ حقیقت ہے بلند — خود فروشوں کے لئے رایتِ منصور نہیں

کے ساتھ گئی لذتِ دردِ جگری
حسرتہائے دل کہ تمنا کوئی مشکور نہیں

لوئے ظرف جنھیں ہے کوئی اُن سے کہدے
تم کو اندازۂ سرمستیٔ منصور نہیں

بجھ گئے کہ ہوا درخورِ بزم ساقی
شب کا میخوار دمِ صبح جو مخمور نہیں

گلشنِ عشق سے کیا پھول چُنے گا وہ اثرؔ
لذّت اندوزیٔ غم کا جسے مقدور نہیں

تھے جو خفا، ہیں وہ خفا آجتک
کیوں ہیں خفا، یہ نہ کھلا آجتک

سادگیٔ دردِ محبت نہ پوچھ
مجکو ہے اُمید شفا آجتک

بھول کے دیکھا نہ کبھی اس طرف
میں اسی حسرت میں جیا آجتک

دل کی طلب اور حیا، ہائے ہائے
لوٹتی ہے دل وہ ادا آجتک

ہے وہی رسوائیٔ ذوقِ جنوں
اور وہی پردہ ترا آجتک

ترکِ وفا کیا کروں طینت میں ہے
گو نہ ہوئی قدرِ وفا آجتک

مجھسے زیادہ مرا دشمن اثرؔ
کوئی نہیں اور نہ تھا آجتک

کون کہتا ہے کہ موت انجام ہونا چاہیے — زندگی کا زندگی پیغام ہونا چاہیے

جام کو اک شعلۂ گلفام ہونا چاہیے — اس قدر شدت سے دور جام ہونا چاہیے

صبح کی پہلی کرن جادہ ہو، رہبر آفتاب — یوں کسی کے آستاں پر شام ہونا چاہیے

ہوش سے بیگانہ ہو جائے خرد کا محتسب — ذوق سرمستی یہاں تک عام ہونا چاہیے

میکدے پر ہو غبار لالہ گوں چھایا ہوا — اس طرح دور مے گلفام ہونا چاہیے

خود شفق دیکھے تو پھوٹے اسکی آنکھوں میں شفق — میکدے والوں کی یہی شام ہونا چاہیے

تیرے ہونٹوں کا تبسم، تیری آنکھوں کا خمار — ان کو بھی ساقی شریک جام ہونا چاہیے

سن اگر منظور ہے خاطر کسی ناشاد کی — ہر نگہ اک مژدۂ اک پیغام ہونا چاہیے

حسن کی سرکار میں بھی تذکرہ ہونے لگے — اسقدر رسوا دل ناکام ہونا چاہیے

خود ہی کھل جائینگے تجھ پر عقدہ ہائے زندگی — پہلے گم سر رشتۂ آرام ہونا چاہیے

جب شگوفے کھل رہے ہوں اور مہکتا ہو چمن — تیرے ملنے کا وہی ہنگام ہونا چاہیے

عشق بازی کھیل لڑکوں کا نہیں ناداں اثر
ہر نفس اک تیغ خوں آشام ہونا چاہیے!

جب ہو یہ رنگ بیکسی لب پہ فغاں نہ آے کیوں　　جسکو ستا چکے ہو تم اُسکو فلک ستاے کیوں

کان میں اک صدا تو ہے، دل کے دھڑکنے کی سہی　　پیکر انتظار میں جان سی پڑ نہ جاے کیوں

نشہ ہو بے طلب اگر، ایک جہان ہوش ہے　　آپ سے جو گزر گیا، تیری خبر نہ پاے کیوں

محو جمال ذات ہوں، آئنہ صفات میں　　جسکو نشان مل گیا، نام نہ بھول جاے کیوں

آرزو میں ہوں پیش رو اور جلو میں حسرتیں　　یوں وہ بلاے بزم میں ورنہ مجھے بلاے کیوں

شوخی جلوہ کی یہی اہل نظر میں داد ہے　　رُخ سے نقاب جب ہٹے، آنکھ جھپک جاے کیوں

اے دل خانماں خراب، بھی ہے خام آرزو　　خاک میں جو ملا چکا، خاک سے وہ اُٹھاے کیوں

کشتہ ہوں اُسکے ناز کا جو یہ سنا کے کہہ گیا　　ترک ستم نہیں، پھر ہے یہ ہاے واے کیوں

حیرت عشق بن گئی آئنہ اُنکے حسن کا　　ہوش مجھے اب آ گیا، ہوش مجھے اب آے کیوں

پھول ہو یا کوئی حسیں، دیکھ لے، شاد ہو، گزر　　غیرت پاک مشربی، دست ہوس بڑھاے کیوں

سُنکے پیام صبح کا غنچے لرز لرز گئے　　جب ہو یہ حال نازکی، ہاتھ کوئی لگاے کیوں

ایک نہ ایک ربط ہے حسن میں اور عشق میں　　ورنہ مرے نیاز کو ناز سے آزماے کیوں

گلشن رنگ و بو میں ہے جسکی تجھے تلاش اثرؔ
بنکے بہار صد نظر، پھولوں میں کھو نہ جاے کیوں

اشکِ گلرنگ سے چمن ساز گریباں نہ ہوا　　تجھ سے اتنا بھی تو اے دیدۂ گریاں نہ ہوا

اثرِ نالۂ شبگیر نمایاں نہ ہوا　　کیا کہا، پھر تو کہو، تم نے بھی دو ہاں نہ ہوا

پھر جنوں عشق کی تکمیل نہیں، سودا ہے　　صورتِ صبح اگر چاک گریباں نہ ہوا

جو بھی لکھا انھیں، بے ربط و پریشاں لکھا　　نامۂ شوق کا قائم کوئی عنواں نہ ہوا

ضبط سے آہ کھلی، آہ سے فریاد کھلی　　دل کے داغوں سے اگر سینہ چراغاں نہ ہوا

پھر ادھر دیکھ لے، برگشتہ مژہ کا صدقہ　　ایک ناوک بھی تو پیوستۂ رگِ جاں نہ ہوا

ہاں ذرا میں بھی سنوں کون وہ خوش قسمت ہے　　جس نے دل تم کو دیا اور پشیماں نہ ہوا

گمرہی میں بھی وہ لذت ہے کہ اللہ اللہ　　طے جو مجھ سے نہ ہوا جادۂ عرفاں نہ ہوا

محرمِ شوخیٔ جلوہ نہیں آنکھیں ورنہ　　کبھی پنہاں وہ ہوا تھا، کہ نمایاں نہ ہوا؟

مار ڈالے گی وہ مژگانِ سرشک آلودہ　　دل اگر کشتۂ اندازِ پشیماں نہ ہوا

رنگ بھی نکہتِ آوارہ ہوا جاتا ہے　　محفلِ گل میں وہ کل رات جو مہماں نہ ہوا

ہے یہی کفرِ محبت کے پرستاروں میں　　عشق اگر عشق کی عصمت کا نگہباں نہ ہوا

شیشہ و ساغر و مینا کے طلبگار بہت　　ایک ٹوٹے ہوئے دل کا کوئی خواہاں نہ ہوا

تجھ کو ساحل کی تمنا رہی نادان اثرؔ　　بحر میں ڈوب کے منجملۂ طوفاں نہ ہوا!

کوئی اس طرح ساون گا رہا ہے ، دل ناشاد امڈا

سُروں میں ڈوبا لہرا بانسری کا قیامت پر قیامت ڈھ

ٹھوکے دے رہی ہیں بھیگی تانیں کلیجا منہ کو بہہ

پپیہا ٹیرتا ہے کہکے "پیو، پیو" یہ پاپی اور بھی تڑ

اُدھر آواز میں لگتی ہے پیتی ادھر دل ہے کہ بیٹھا

بھری برسات اور یہ گھُپ اندھیرا اندھیرا آپ سر پٹک

کسی کو تیل میں جیسے ڈبو دے یوہیں سینے میں دم گھ

اندھیری رات میں کوندا لپک کر دبی جو آگ تھی، بھ

اُدھر جھنکارتے ہیں مور، ادھر دل پچھاڑوں پر پچھاڑیں

چمکتے اب نہیں جگنو ہوا میں فلک چنگاریاں

مسلسل نغمہ تھی جھینگر کی جھنکار دل اب آزار جبر

سہاگن رات کا ڈھلتا ہے کاجل مرا اک اک رواں

یہ رات اور یاد آثر اک بے وفا کی

بس اب رہنے دو، رونا آ رہا ہے

حُسن خود نما کو بھی جستجوے مقصد ہے — عشق بے سر و پا وہ مطلب مقید ہے
ہاتھ کو ہوئی جنبش، نور کی کرن پھوٹی — آئیں اُلٹ دینا صبح عید ساعت ہے
بے نیاز ہستی ہو، راز ہے یہ ہستی کا — آپ کو مٹا دینا زندگی کا مقصد ہے
عشق ہے خلش یکسر، چین کی خلش دشمن — دار جسکو کہتے ہیں، خوابگاہ سرمد ہے

لامکاں کی رفعت میں شک نہیں اثرؔ، لیکن
اور کچھ بلند اس سے اہل دل کا معبد ہے

اے جوش الم ایسی گر اشک فشانی ہے — جتنا ہے لہو تن میں، دم بھر میں وہ پانی ہے
اک داغ جو ہے دل میں، بدلی میں قمر جیسے — یہ عہد تمنّا کی دھندلی سی نشانی ہے
وہ چاندنی راتوں میں گلگشت چمن باہم — ہر چند کہانی ہے، دلچسپ کہانی ہے
اب اُس میں بھی حیلے ہیں، تکرار ہے، جھگڑے ہیں — سو منتیں کرنے پر اک بات جو مانی ہے
یہ کون سی حسرت تھی، رخصت جو ہوئی دل سے — خونابہ فشانی سی خونابہ فشانی ہے
کہنے کو کہا اُسنے کیا جانئے کیا کیا کچھ — جو بات سُنانی تھی وہ بات سنانی ہے
یہ پھول مسل ڈالا، اُس غنچے کے چٹکی لی — اس وہم پہ اک دل کی در پردہ کہانی ہے
اک جذبۂ حیرت ہے چھایا ہوا ہر شے پر — دُنیاے محبّت میں باقی ہے نہ فانی ہے

غنچے کا چٹکنا ہو، یا گل کا لہکنا ہو — اُن مست نگاہوں کی رنگین کہانی ہے
مکتوب ہر اک گل ہے، ہر برگِ گل اک عنواں — اور غنچۂ گل؟ تیرا پیغام زبانی ہے
نیرنگِ بہاراں نے دیوانہ کیا مجھکو، — پھولونکی جوانی ہے، یا تیری جوانی ہے

پھبتا ہے، کہو جو کچھ، اشعار اثرؔ دیکھے
کس حُسن کی بندش ہے، کیا لطف معانی ہے!

اسیرو آہ کی تم نے کہ آئی آنچ گلشن پر — جہاں اُٹھا دھواں دل سے، گری بجلی نشیمن پر
یہ مدفن ہے تپش کا آبلے پڑ جائینگے تن پر — کوئی آساں نہیں اے برق گرنا میرے مدفن پر
نہ تو قاتل، نہ میں بسمل، محبت کے کرشمے ہیں — ترا احسان مجھپر، خون میرا میری گردن پہ
مُبارک اے جنوں صحرا بھی اک بزم تماشا ہے — کسی نے چشم حیراں باندھ دی ذروں کے روزن پر
ہوا ہے ایک طرز خاص سے صورت نگر معنی — بتقریب محبت رشک آتا ہے برہمن پر
اُسے تاریکیاں گھیرے ہوئے ہیں وائے محرومی — وہ دل جسکی صفا نے آنکھ ڈالی نور ایمن پر
نہ اُسکے منہ لگے اے گل مار کھانے کی یہ باتیں ہیں — ابھی تک چٹکیوں کے نیل ہیں رخسار سوسن پر
وہیں شمع فروزاں کا بھی منکا ڈھل گیا آخر — جہاں پروانۂ کشتہ کی خاکستر تھی دامن پر
تڑپ کر مر گئے اللہ کیسے کیسے دل والے — کسی نے بَل بھی آتے نہ دیکھا تیری چتون پر

دل آزاری کے حیلے چپکے چپکے وضع ہوتے تھے   میں سمجھا تھا حیا چھائی ہوئی ہے چشمِ پُرفن پر
کنارِ شوق میں لینے کو بیتاب آتشِ گل تھی   مُجھکی پڑتی نہ تھی بجلی فقط اپنے نشیمن پر
اسی حسرت میں جیتے تھے اسی حسرت میں مرتے ہیں   بہار آئی ہوئی پھر دیکھ لیں اِک بار گلشن پر
گلوں کو دیکھ، ہنستے ہیں، مگر دل کے ہیں سو ٹکڑے
نہیں موقوف اثر کچھ دردمندی آہ و شیون پر

اب جو باغ و بہار ہے اپنا   وہ دلِ داغدار ہے اپنا
ہوش کسکو ہے تیرے وعدے کا   جس کو ہے، انتظار ہے اپنا
برق دیکھی ہے، رم نہ ہو جس میں؟   وہ دلِ بے قرار ہے اپنا
وہ جو دامن کشیدہ گزرا ہے   دامن افشاں غبار ہے اپنا
حیف وہ ملتفت نہیں ہوتا   حال تو آشکار ہے اپنا
عشق سے لوگ منع کرتے ہیں   جیسے کچھ اختیار ہے اپنا
مرحبا اے تصورِ جاناں   آئنہ یا کنار ہے اپنا
سنگدل کروٹیں بدلتے ہیں   نالہ سرگرم کار ہے اپنا
آرزو ہے کہ ایک دن کہدو   اثر دلفگار ہے اپنا

شب کی بیداریاں ارے توبہ — چھپ کے مینخواریاں ارے توبہ

دور اُس نرگس خماری کا — اپنی سرشاریاں ارے توبہ

پارسائی کے جسم رنگیں پر — توبہ کی خواریاں ارے توبہ

لب پہ کروبیوں کے نغمی فریاد — رات کی زاریاں ارے توبہ

آگ لگ جائے ایسے اشکوں کو — جیسے چنگاریاں ارے توبہ

کچھ کہا اور چڑھ گئی تیوری — ہم سے بیزاریاں ارے توبہ

بن کے انجان دل دکھا دینا — اُس پہ غمخواریاں ارے توبہ

کھا کے قسمیں وفا و اُلفت کی — یہ دل آزاریاں ارے توبہ

توبہ ہے اب جو تجکو چاہے اثرؔ

نبھ چکیں یاریاں، ارے توبہ

کبھی صبح میکش، کبھی شام گلگوں — مری طبع رنگیں، مری فکر موزوں

یہ سرخوش وہ حیراں، یہ بیخود وہ مفتوں — چلا نرگس مست جاناں کا افسوں

در میکدہ کی گدائی کے صدقے — جھکی رہتی ہے گردن پیر گردوں

رگ سنگ سے موج یاقوت نکلے — اگر دیکھ پائے وہ صہبائے میگوں

دو عالم کے ملنے پہ قانع ہوئی ہے   بس اتنا ہی تھا حوصلہ ہمتِ دوں؟!
وہ دامن نہیں، خاک ہی پر ٹپک جا   ہلاکِ تغافل، دل، اے قطرۂ خوں
اُسی سے کھلا طرۂ زلفِ لیلےٰ   وہ شوریدگی نام تھا جس کا مجنوں
ذرا اور اے عشقِ فرہاد ہمت   اُبھر آئے شاید کوئی نقشِ محزوں
نتیجہ تھا شاید یہی ضبطِ غم کا   کہ ہر قطرۂ خوں ہے اک موجۂ خوں
ہر اک سانس ڈوبی ہے کیفیتوں میں   کہ پیشِ نظر ہے ترا حسن میگوں

اثرؔ اس نزاکت پر ایسی صفائی
جھلکتا ہے لفظوں کے پردے سے مضموں

نکلے بھی تو یوں آہ دلِ تنگ سے نکلے   جس طرح کہ نغمے کی صدا چنگ سے نکلے
اے مطربِ غم، زمزمہ زن سازِ محبت   نالہ ہو کہ فریاد اک آہنگ سے نکلے
مضرابِ نشاں یوں ہو رگِ جاں میں خلش ریز   جھنکار کی آواز دلِ تنگ سے نکلے
فریادئ بیداد نظر میں ہی نہیں ہوں   تو دیکھ لے ظالم تو دھواں سنگ سے نکلے
ہشیار، بپا حشر نہ ہو وقت سے پہلے   دیوانے ترے [illegible] نیرنگ سے نکلے
تکرار کئے جا، یوں ہی آزار دیئے جا   اٹکے ہوئے سب کام مرے جنگ سے نکلے

ہر رنگ عدم، ہستیٔ موہوم تھی اپنی — المنۃ للہ کہ اس ننگ سے نکلے

دل حیرتیٔ بزم تماشا نہیں ورنہ — وہ جلوۂ بیرنگ ہر اک رنگ سے نکلے

مسدود ہوئیں کثرت اندوہ سے راہیں — حسرت کوئی کس طرح دل تنگ سے نکلے

حل کرتی ہے اک شعر میں وہ طبعِ سخنور — مطلب جو کسی شرح نہ فرہنگ سے نکلے

انصاف اثرؔ تم پہ ہے معدن سے جواہر
اس آب کے، اس رنگ کے، اس ڈھنگ سے نکلے؟

پرسشِ حال تھی ہنس ہنس کے رلانے کے لئے — بجلیاں جان ستمکش پہ گرانے کے لئے

بار الٰہا یہ تپکتا ہوا چھالا کیسا — میں نے دل مانگا تھا ایذائیں اٹھانے کے لئے

سنبھل اے ڈوبتے دل، آہ ٹھہر جان حزیں — گوش بر لب ہے کوئی میرے فسانے کے لئے

حیف پروانۂ جانباز نہ اتنا سمجھا — شمع جلنے کے لئے ہے کہ جلانے کے لئے

دل کے ہر داغ کو سینے سے لگائے رکھا — تیری بیداد کو محبوب بنانے کے لئے

وقت درکار ہے، بدلی ہوئی دنیا درکار — تم سے بے مہر کو اب دل سے بھلانے کے لئے

میں نے ہر آرزوئے دل پہ کیا دل کو نثار — شوق کو لغزشِ مستانہ سکھانے کے لئے

کہہ نہ دو صاف کہ منظور نہیں دلداری — یوں تو باتیں ہیں بہت، بات بڑھانے کے لئے

مجھکو اپنی ہی دل آزاری پیہم کی قسم — لطف کی ایک نظر ہوش اُڑانے کے لئے
اپنی گردن میں پڑی رہتی ہیں بانہیں اپنی — ہم گئے تھے کسی روٹھے کو منانے کے لئے
دل سراپردۂ حیرت سے نمودار ہوا — عشق میں حسن کے انداز دکھانے کے لئے
بیخودی بزم تمنا سے اُٹھا لائی ہے — عمر درکار ہے اب آپ میں آنے کے لئے
خاک پر بیٹھے ہو خاموش جھکائے گردن — اور تم آئے مصیبت میں ستانے کے لئے

کف افسوس ملا کرتے ہو بیکار اثرؔ
دل گیا، جانے بھی دو، تھا ہی وہ جانے کے لئے

مطلوب سعی ٹھہرا جب تیرا آستانہ — دیر و حرم کا سجدہ، حیلہ ہے یا بہانہ
نذر بہار کرتا کیونکر نہ آشیانہ — ہر گُل تھا ایک شعلہ، ہر شعلہ اک زبانہ
گزرا ہوا زمانہ خارج ہے زندگی سے — کیوں یاد کر رہا ہے گزرا ہوا زمانہ
اس آگہی پہ یارب کیوں ایسی زندگی دی — ہر سانس ہے عقوبت، ہر آہ تازیانہ
ناگاہ برق چمکی اور لے گئی اُڑا کے — بس اتنی ہے اسیرو تاریخ آشیانہ
پروانہ جل چکا ہے اور شمع بجھ رہی ہے — جو آپ ہو فسانہ، کس کا کہے فسانہ
اتنی بھی بے رُخی کیا، صیاد قیدیوں سے — آئے نہیں خوشی سے، لایا ہے آب و دانہ

غربت نصیب ہما، شاید ہی دوسرا ہو   نا آشنائے منزل، گم کردہ راہ خانہ

رگ رگ میں بھر رہا ہے صہبا کی سی جو مستی

سنتا ہوں گوشِ دل سے وہ بے صدا ترانہ

بے ہوشیوں کو ہوش بنا کر چلے گئے   ایسی شراب آج پلا کر چلے گئے

سو فتنے اک نگہ میں اُٹھا کر چلے گئے   کعبہ کہا جو دل کو تو ڈھا کر چلے گئے

وہ آئے بھی تو منہ کو چھپا کر چلے گئے   بربادِ آرزو کو مٹا کر چلے گئے

اپنی خطا پہ عید کا چاند ان کو کیوں کہا   بس دور ہی سے شکل دکھا کر چلے گئے

کہنے کو آئے تھے وہ تسلّی کے واسطے   کچھ اور اضطراب بڑھا کر چلے گئے

مستانہ چال، لب پہ تبسم، نظر میں کیف   یوں آئے اور ہوش اُڑا کر چلے گئے

حیرت ترے سپرد ہے اب کاروبارِ شوق   وہ جلوۂ جمال دکھا کر چلے گئے

مطلب یہ تھا کہ شوق میں شامل ہو اضطراب   آغوشِ انتظار میں آ کر چلے گئے

اپنے شہیدِ ناز کو گلہائے زخم سے   اک پیکرِ بہار بنا کر چلے گئے

وہ نازنین ہی نہیں، نازآفریں بھی ہیں   دل کو سب اپنے طور سکھا کر چلے گئے

اے حیرتیِ شوق کہاں تک یہ انتظار   جا کر وہ آئے اور پھر آ کر چلے گئے

وہ لذتِ خلش ہے کہ تڑپا ہی کیجئے — اس نازکی سے دل کو دکھا کر چلے گئے
ہر جذبۂ لطیف ہوا ہے لطیف تر — رنگینیوں میں کیف ملا کر چلے گئے
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو — دیوانے تیرے دھوم مچا کر چلے گئے

آزردہ ہیں کہ پردے میں اشعار کے اثرؔ
سب اپنی سرگزشت سنا کر چلے گئے

اک شمعِ انتظار فروزاں کئے ہوئے — دل ہے کسی کی یاد کو مہماں کئے ہوئے
طے کر رہا ہوں دشتِ محبت کے مرحلے — ہر آبلے میں بند گلستاں کئے ہوئے
آئینۂ بہار دلِ داغدار ہے — درپردہ تیری دید کا ساماں کئے ہوئے
مژگانِ گلفروش پہ تابناک ہے اک سرشک — تبخالِ لعلِ لب کو پشیماں کئے ہوئے
آ اے جنوں چلیں کہ زمانہ گزر گیا — وحشت کو دور گردِ بیاباں کئے ہوئے
ہے ہے وہ مستِ ناز جو پھر مسکرا بھی دے — اقرارِ بے ثباتیٔ پیماں کئے ہوئے
پھر اشکِ خوں نے قصدِ گریباں کا کیا — ساماں "رنگِ لب" گلستاں کئے ہوئے
پھر منتظر ہوں اک نگہِ التفات کا — نظارے کو بہار بداماں کئے ہوئے
پھر بے نیازِ گریۂ خونیں ہے چشمِ تر — جنبش کو اس مژہ کی رگِ جاں کئے ہوئے

پھر چاہتا ہوں کسے وہ غارتگر قرار　　سو دشنے ہر نگاہ میں پنہاں کئے ہوئے
پھر جھک رہا ہے پائے صنم پر سرِ نیاز　　آیاتِ کفر داخلِ ایماں کئے ہوئے
پھر لے کے چلی ہے سوئے درِ دوست بیخودی　　ہر نقش کو حیات کے ویراں کئے ہوئے
پھر آمدِ بہار کے ہیں منتظر اسیر　　گلزارِ رنگ قفس سے چراغاں کئے ہوئے

پھر طرزِ نو سے زمزمہ پرداز ہے اثرؔ
ہر گوشۂ چمن کو غزلخواں کئے ہوئے

خوشبو سے تیری سارا گلشن مہک رہا ہے　　بلبل چہک رہی ہے، غنچہ بہک رہا ہے
اب ذوقِ میکشی کی اس حد پہ ہے لطافت　　موجِ شمیمِ گل سے ساغر کھنک رہا ہے

اللہ ری لہلہاہٹ اُن نرم رونگٹوں کی
غیرت سے عارضِ گل کیا کیا دہک رہا ہے

لاکھ سمجھاؤ کہ ہے برق سراپا کوئی　　مانتا ہے دلِ دیدار تقاضا کوئی
پوچھنا کیا ہے تمنّاؤں کا، جب یہ سُنا　　ناز کرتا ہے باندازِ تمنّا کوئی
جذبۂ شوق سلامت ہے تو انشاءاللہ　　آپ اُلٹے گا نقابِ رُخِ زیبا کوئی
ہے خیابانِ تصوّر شفق آلودِ نشاط　　مسکراتا ہوا یوں پاس سے گزرا کوئی

خوئے ایذا طلبی عشق کی طینت میں ہے — دل دکھانے سے ہوا اور بھی پیارا کوئی
زندگی موت کا آغوش ہوئی جاتی ہے — کیا کرے جس کا نہ ہو پوچھنے والا کوئی
دل تھا بیتاب سو ہے آنکھ تھی مشتاق سو ہے — لوٹ کے دے بھی گیا عشق کی دنیا کوئی
وجہ ناشادیٔ ارباب وفا کیوں پوچھو — لب پہ آجائے نہ پھر نالۂ رسوا کوئی
اُن سے در پیش ہے بیداد تغافل کا گلہ — اسقدر بھی نہ ہو پامال تمنا کوئی
حال دل کہنے کی اکبار اجازت ہوتی — اس سے مطلب نہیں سنتا کہ نہ سنتا کوئی
اب تو اے جان کشمکش تجھے آجائے قرار — وہ بھی کہتے ہیں نہیں غم کا مداوا کوئی
دل صد پارہ سے لبیک کی آتی ہے صدا — دیکھے تو دیکھنے والے کا کلیجا کوئی
خار پر شعلۂ بالیدہ کا ہوتا ہے گماں — پھوٹ جاتا ہے جہاں آبلۂ پا کوئی

دل ہر ذرہ چمن زار تجلی ہے اثرؔ
پہلے پیدا تو کرے دیدۂ بینا کوئی

میرے دل و دماغ پہ چھائے ہوئے ہو تم — ذرے کو آفتاب بنائے ہوئے ہو تم
آباد تم سے ہے مری دنیائے آرزو — خلوت میں دل کی دھوم مچائے ہوئے ہو تم
میرے مذاق دید کو رسوا کئے ہوئے — جس کی نظر میں دیکھو سمائے ہوئے ہو تم

افسانہ کہہ رہی ہیں پریشاں نگاہیاں کیا راز ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہو تم
پھر مسکرا کے ناز سے اور منھ کو پھیر کے
پوچھو اثرؔ سے کسکے ستائے ہوئے ہو تم

میں کہوں کیا وہ شوخ کیا سمجھے بے کہے کاش مدعا سمجھے
تیری بے وجہ سرگرانی سے جو سمجھنا تھا بے وفا سمجھے
کوئی دیکھے یہاں تو کیا دیکھے کوئی سمجھے تو آہ کیا سمجھے
تھک گئے ہم اثرؔ کو سمجھا کے
کچھ جو وہ بندۂ خدا سمجھے!

اور انداز ترا حسرت منزل ہوجائے دل جو لذت کش محرومیٔ حاصل ہوجائے
ہاں چمن زار محبت میں بہار آتی ہے نام اک نکہت برباد کا جب دل ہوجائے
دل صد پارہ سے یوں الجھی ہے وہ شوخ نگاہ جیسے سورج کی کرن پھول پہ مائل ہوجائے
اپنے بسمل کے تڑپنے کا تماشا تو دیکھ تو سہی تو بھی جو بیدرد نہ بسمل ہوجائے
ایک اچٹتی سی نگہ پر ہے یہ بیتابیٔ دل حال پوچھے کوئی اسوقت تو مشکل ہوجائے
ہائے کس لطف سے یہ عمر دو روزہ گزرے تھوڑی مستی بھی اگر ہوش میں شامل ہوجائے

امتحاں طاقت دیدار کا جائز ہے گر ، جب نظارہ بھی دھڑکتا ہوا اک دل ہو جائے

مجکو الزام نہ دے آپ کو بدنام نہ کر   دعوئ عشق غلط کیوں ہو جو باطل ہو جائے

مان جائے بھی اگر حسن تماشا دشمن   شوق بیتاب سراپردۂ محمل ہو جائے

ہوشمندوں سے کہیں معرکے سر ہوتے ہیں؟   کاش دیوانہ کوئی رہبر منزل ہو جائے

ناخدا سے یہ کہے کون کہ ہمت ہو اگر   موج طوفان بلا، دامن ساحل ہو جائے

کیا کرے کوئی گلہ اُنکے تغافل کا اثر
شوق جب آپ تمناؤں کا قاتل ہو جائے

جز حقیقت مجاز کیا جانے   محرمی امتیاز کیا جانے

ہوس آلودۂ نگاہ کرم   خوئے عاجز نواز کیا جانے

نا امیدی کلید مطلب ہے   خرد ہرزہ تاز کیا جانے

حرم و دیر کی جبیں سائی   عشق گردن فراز کیا جانے

عشرت بادہ و غم بادہ   نرگس نیم باز کیا جانے

عشق ہے اک فتادگی تکبیر   پنجگانہ نماز کیا جانے

جسکی مستی رہین بادہ ہے   میری مستی کا راز کیا جانے

حسن والفت میں ربط کا باعث ٪ ناز ہے یا نیاز کیا جانے
کسقدر تلخ کام ہے کوئی ٪ مست صہبائے ناز کیا جانے
دل سنبھلتا نہیں سنبھالے سے ٪ کیا ہوا چارہ ساز کیا جانے
قصہ کوتاہ، آبلہ پائی ٪ راہ دور و دراز کیا جانے
جو ہے بیگانۂ نیاز اثرؔ
لذّت سوز و ساز کیا جانے

تو خموش کیوں ہے مطرب وہ سنا دے اب ترانہ ٪ کہ نوائے آتشیں سے تڑپ اُٹھے اک زمانہ
تجھے کچھ خبر ہے غافل کہ بدل گیا زمانہ ٪ ترے جام میں ہے لیکن وہی بادۂ شبانہ!
یہ جہان رنگ و بو تھا سر شام کا ستارا ٪ کبھی اُن بلندیوں پر تھا ہمارا آشیانہ
مجھے خوف گمرہی کیا، مری بیخودی سلامت ٪ مرے سجدوں کیلئے ہے ترا سنگ آستانہ
جنھیں ہم نے یہ سمجھا کہ مآل معرفت ہیں ٪ وہ حقیقتیں ہوئی ہیں رہ عشق میں فسانہ
کوئی حال پوچھتا ہے بکمال دلنوازی ٪ مری چشم تر کہاں ہے ترے اشکوں کا خزانہ
نہ قرار حسن کو ہے نہ شکیب عشق کو ہے ٪ کبھی میں ترا نشانہ، کبھی تو مرا نشانہ
تری کم نگاہیوں کا نہیں کچھ گلہ کہ ظالم ٪ دل دردمند کو ہے دم سرد تازیانہ

یہاں کے ذرے ذرے میں حقیقت بال افشاں ہے بقدر ذوق مستی نشۂ ارباب عرفاں ہے
جہاں لبریز جلوہ، چشم بینا نقش حیرانی خدا معلوم کس کے واسطے یہ ساز و ساماں ہے
زمین راہ الفت ہے دل بیگانۂ راحت نہیں گوشۂ محنت، چراغ داغ حرماں ہے
جدا گرمی ہو شعلے سے نہیں ممکن، نہیں ممکن نیاز عشق و ناز حسن میں اک ربط پنہاں ہے
ہوئی ایجاد یہ رسم وفا تیرے شہیدوں سے محبت نے ستم جھیلے، محبت ہی پشیماں ہے

نہ ہو منکر محبت کا کہ اس کا کیف او ظالم
غرور حسن بنکر تیری آنکھوں سے نمایاں ہے

کیسی ہوا چلی ہے اقلیم عاشقی میں کیا کیا ہما ہمی تھی یا کچھ نہیں ہے جی میں
جنت بھی ہے اسی میں، دوزخ بھی ہے اسی میں اضداد رکھ دئے ہیں کچھ ایسے آدمی میں
مطلب کی بات کہدی اُنسے ہنسی ہنسی میں برپا ہے اک قیامت دنیائے دلبری میں
کرنا ہے اُنسے شکوہ بے مہریوں کا اُن کی اے عشق کچھ اضافہ ذوق ستم کشی میں
فرصت نہیں ہے تم کو، سر پر قضا کھڑی ہے کیا حال دل سنائیں ایسی رواروی میں
کچھ ملتی جلتی ہے تو اُن انکھڑیوں سے مستی رستی ہوئی گلابی، کھلتی ہوئی کلی میں
خوش باش درد الفت کیا کیا مزے بھرے ہیں بے مایہ بے حقیقت دو دن کی زندگی میں

مجھ پر ہے رشک مجھکو، عاشق ہوں آپ اپنا ۔۔۔ اس شان سے وہ آئے آغوشِ بیخودی میں

دل خوں کیا ہے برسوں تب جا کے بن گئے ہمدم ۔۔۔ سرمستیاں بھری ہیں آہِ سحرگہی میں

رُخِ عرق فشاں کی اللہ رے ملاحت ، ۔۔۔ چمپا کا پھول جیسے تاروں کی روشنی میں

اُس چشمِ فتنہ زا کی غمازیاں تو دیکھو ۔۔۔ سو رخنے پڑ گئے ہیں مدت کی دوستی میں

کچھ ہوش بھی ہے تجکو اپنی خرد کے بندے ۔۔۔ مقصود گم ہوا ہے آشوبِ آگہی میں

شیرازۂ قوم کا ہے ہر فردِ قوم، یعنی ۔ ۔۔۔ زنجیر کی ہے طاقت زنجیر کی کڑی میں

گمراہ کیوں ہوئے ہو، دانا جو ہو تو سمجھو
نازک سا فرق آرشؔ ہے خودداری و خودی میں

آج کچھ مہرباں ہے صیاد ، ۔۔۔ کیا نشیمن بھی ہو گیا برباد؟

دہر اک جلوۂ خود آرائی ۔۔۔ اللہ اللہ شوخیٔ ایجاد!

چمن عشق میں بہار آئی ۔۔۔ گل تیشہ ہے اور فرہاد

میں ہوں بدنام، حسرتیں بدنام ۔۔۔ دل ناکام اب ہے کیا ارشاد؟!

کوئی ترکِ ستم پہ مائل ہے ۔۔۔ ہاں، دلِ دردمند ہاں، فریاد!

آرزو تھی کہ وہ ادھر دیکھیں ۔۔۔ ہوش رخصت ہوئے، مبارکباد!

بے یہ رنگ یاس و محرومی　　دل سے پھرتی ہے دور تیری یاد
م طاقت گداز، دشمن صبر　　نفس گرم، رہزن فریاد
اب طوفان اشک آنکھوں میں　　اور ہر اشک آبلہ بنیاد
ئی ہندو، کوئی مسلماں ہے　　عشق ہے اپنا مشرب آزاد

دل سے کیوں مطمئن ہیں آپ اثر
پھر یہ حسرا نسرا نہ ہو آباد!

ماقیا جام مے دے پیاپے　　نغمات مطرب، بشور دف و نے
پوچھتا مول جو لوٹں بھی کوئی　　متاع محبت کی یہ قدر، ہے ہے!
آہ بے مہر انجان بن کر　　وفا کس کو کہتے ہیں، الفت ہے کیا شے؟
ت نہیں نامہ و نامہ بر کی　　خبر خود بخود آ رہی ہے پیاپے

اگر ہے یہی جوش مستی، عجب کیا
بجائے اثر توبہ کرنے لگے مے!

شت گلستاں دیکھ لیتا ہوں　　مجسم اک بہار نو خراماں دیکھ لیتا ہوں
ہی خواب پریشاں دیکھ لیتا ہوں　　وفا کا عہد اُن ہونٹوں پہ لرزاں دیکھ لیتا ہوں
سے پھول نغموں کے برستے تھے　　اسی کو اب خلش ریز رگ جاں دیکھ لیتا ہوں

معاذ اللہ تیرے حسن روز افزوں کی آرائش　　پے یک جلوہ خون صد گلستاں دیکھ لیتا ہوں

صنمخانے میں کچھ ایسے بھی سجدے وضع ہوتے ہیں　　کہ پیشانی سحر کی اختر افشاں دیکھ لیتا ہوں

پیام شوق دیتا ہوں دل دیدار حسرت کو　　ترا انداز جب اے چشم حیراں دیکھ لیتا ہوں

نیاز عشق رخصت آنکھ اٹھانے کی نہیں دیتا　　اگر دست طلب میں تیرا داماں دیکھ لیتا ہوں

ادا کچھ ملتی جلتی ہے ترے دامن جھٹکنے کی　　گلوں کو دیکھ کر اپنا گریباں دیکھ لیتا ہوں

کبھی ترک تمنا پر کبھی عرض تمنا پر　　محبت کو محبت سے پشیماں دیکھ لیتا ہوں

چمن رنگیں، ہوا رنگیں، گلوں کے پیرہن رنگیں　　بہار آرائی خون شہیداں دیکھ لیتا ہوں

ہر اک ذرے کا سینہ مشرق خورشید تازہ ہے　　تلاطم خیزیٔ انوار عرفاں دیکھ لیتا ہوں

مجھے کیا کام تھا نظارۂ گلہائے خنداں سے　　ستمگر تیری خوئے ناپشیماں دیکھ لیتا ہوں

طریق عشق میں اکثر مقام ایسے بھی آتے ہیں　　کہ روح آگہی کو پا بجولاں دیکھ لیتا ہوں

طرب انگیز اتنا ہے تصور دور ساغر کا　　رگوں میں گنگناتے خوں کو رقصاں دیکھ لیتا ہوں

اثرؔ فکر رسا جب مائل پرواز ہوتی ہے　　فضائے شعر میں نغموں کا طوفاں دیکھ لیتا ہوں

یہی انتظار پیہم دل بے قرار ہوتا　　کہ وصال میں بھی اپنا مجھے انتظار ہوتا

کبھی رشک نے سمجھنے نہ دیا کہ بیوفا ہے　　وہ کسی سے وعدہ کرتا، مجھے اعتبار ہوتا

نہیں جس نگہ کو صرفہ یہ کبھی تھا اُس کا عالم
کہ ہزار فتنوں پر بھی نہ ایک وار ہوتا

دل ہو شبنم کا آنکھ شبنم کی
یہ ہے معراج ابن آدم کی

شعلۂ عشق اس طرح بھڑکا
کہ پلک جل رہی ہے عالم کی

بے نیازی کا شور سنتے رہو
راز کو جستجو ہے محرم کی

دل خلش زار صد تمنّا ہے
اُف ری شوخی نگاہ مبہم کی

ایک قطرہ ہے مہر در آغوش
کوئی پرواز دیکھے شبنم کی!

جو بھی معلوم یا ہویدا ہے
بے مثالی ہے تیرے عالم کی

اشک و مژگاں میں ساز باز ہوا
ہو چکیں رازداریاں غم کی

لطف تھا، دید تھی، نظارا تھا
بیخودی نے وہ بزم برہم کی

کچھ نہیں چاہتا ہوں تیرے سوا
اسقدر تو اب آرزو کم کی

چارہ فرمائے نامرادی ہو
اے کہ تو ہے مراد عالم کی

حسن تیرا، حجاب ہے تیرا
جیسے شبنم نقاب شبنم کی

اور دیکھے اثر ان آنکھوں سے
آرزو التفات پیہم کی!

آباد میکدے تری چشم سیاہ سے   مستی خراب بادۂ تسبیلی
نکلی ہے آہ بن کے دل دادخواہ سے   کافر حذر ہے بس تری نیچی نگاہ سے
تھی رات اُنکے عارض تاباں کی گفتگو   جیسے کسی نے کھینچ لیا نور ماہ سے
سجدے کروں نہ پائے صنم پر تو کیا کروں   آخر تو عشق کو ہوئی نسبت گناہ سے
ہیں مرگ و زیست اسکے سوا جانتا نہیں   آیا تری پناہ میں تیری پناہ سے
انصاف ہو چکا کہ اشاروں میں کہدیا   کیا جانے کیا اُن آنکھوں نے دلکے گواہ سے
وارفتگان شوق بھٹکتے پھریں نہ کیوں   منزل وہ ہے کہ ربط نہیں جسکو راہ سے
گویا حیات ایک عذاب الیم ہے   اپنا تو میکدہ ہی بھلا خانقاہ سے
یہ کشتگان شوق بھی کتنے غیور ہیں   جا جاکے اُس طرف پلٹ آتے ہیں راہ سے
دیکھا مآل عرض تمنا دل خراب   محروم ہو گئے نگہ گاہ گاہ سے
صبح بہار گل میں یہ رنگینیاں کہاں   لے درس میکشی تری چشم سیاہ سے
چندے تھی آفتاب تو چندے تھی ماہتاب   پلٹی نگاہ مل کے جو تیری نگاہ سے

وہ آئے، بیٹھے، چیں بجبیں ہو کے اُٹھ گئے
فرصت ہوئی اثر نہ بجھے آہ آہ سے

الزام دیں نہ اے نگہِ یار، کیا کریں — تڑپا رہی ہے لذتِ آزار، کیا کریں
لو اُنکے التفات پہ پھولا ہوا ہے دل — اب سے اجل گرفتہ کو ہشیار کیا کریں
ہے ہے وہ فتنہ بیں نگہِ نیم مست کی — اب اسکے بعد شوق کا اظہار کیا کریں
چپ بھی گناہ، نالہ و فریاد بھی گناہ — کوئی بتا دے تازہ گرفتار کیا کریں
اک آہ لب پہ آئی تھی، کہرام مچ گیا — کیا جانے نالہاے عزابار کیا کریں
منزل سے دور، خستہ و ناچار و بیدیار — منہ پھیر لے جو قافلہ سالار، کیا کریں
پامال ہر قدم پہ ہوے مثلِ نقشِ پا — اب در رہِ عشق کو ہموار کیا کریں
جلوہ حجاب، شوق حجاب، آرزو حجاب — للہ اُنکے طالبِ دیدار کیا کریں
طوفِ حرم کے قصد سے چھوڑا تھا دیر کو — وہ سامنے ہے خانۂ خمار، کیا کریں!
دل نذر دیتے، چھین لیا تمنے، خیر جاؤ — اتنی سی بات کے لیے تکرار کیا کریں
آ، روئیں تجھسے ملکے گلے، شامِ بیکسی — کوئی نہیں ہے مونس و غمخوار، کیا کریں

چاہا بہت کہ اُس سے کہیں تیرا دکھ، اثر
وہ تو ہے تیرے نام سے بیزار، کیا کریں

متفرق اشعار

میں پوچھوں تو کس سے پوچھوں
اُس شوخ کے ملنے کا اسلوب
میں دیکھوں تو کیونکر دیکھوں
ہے شوق فزوں، جلوہ محجوب
ہے ناز بجا، ہے فخر بجا
محبوب خدا، اپنا محبوب!

طرب فروز ہے دل کا ہر اک داغ مجھے
دئیے ہیں غم نے ترے لعل شب چراغ مجھے
مصیبتوں کو سمجھتا ہوں بے حسی سے اثرؔ
گنا رہا ہے فلک اپنے دل کے داغ مجھے!

ہوش کس کو ہے ترے ذوق طلبگاری میں
خواب سب دیکھتے ہیں عالم بیداری میں
دل سلامت ہے تو اک روز مٹا ہی دینگے
یہ جو اک شان خودی ہے ابھی خودداری میں

ہر داغ دل ہے شعلۂ سینا سے ہمکنار — اس دودمانِ عشق میں جو ہے کباب نیم ہے
دل ہی فقط فگار نہیں ہجرِ یار میں — ہر قطرۂ اشک نوکِ مژہ پر دو نیم ہے

پردا اگر اُٹھے تجھ امتیاز کا — آئینہ منہ تکا کرے آئینہ ساز کا
دیکھا فریب ہستیٔ بیگانہ ساز کا؟ — اک راز بن گیا ہے خود احساس راز کا!

نہ ہو نازاں نیاز پر کوئی — اُن کو حاجت نیاز کی کیا ہے
نام البتہ سنتے آئے ہیں — ہم نہیں جانتے خوشی کیا ہے
اس سے بدتر زمانہ آئے گا — دیکھتے جائیے ابھی کیا ہے

بیک گردشِ چشمِ حیرت فروش — تماشائے دیر و حرم ہو گیا
ذرا دیر دم لینے دے اے فلک — مصیبت کا احساس کم ہو گیا
ہر اک رہگزر میں ہیں سرگوشیاں — خدا جانے کس پر ستم ہو گیا

ہلاکِ شکِ محبت ہوں، کس طرح تڑپوں　　کسی پہ تیر چلایا دل مرا نشانہ ہوا
اُبھر نہ بحرِ جہاں میں حباب کے مانند　　جو تہ نشیں ہوا قطرہ دُر یگانہ ہوا

دلِ مضطرب اپنی دُھن کا ہے پکا　　سمجھتا نہیں لاکھ سمجھائے کوئی
یہ اب اشک خونیں سے، رنگ دامن　　گلِ تازہ جس طرح بکھرائے کوئی

خبر ہے گرم وہ مستِ شباب آتا ہے　　ٹھہر ٹھہر دلِ خانہ خراب آتا ہے
اُنھیں یہ ضد کہ یوں ہی انتظار میں مرجاے　　مجھے اُمید کہ خط کا جواب آتا ہے

دل سے اگر ہو محو یہ سودائے خام ہوش　　جو عین بیخودی ہے وہی ہو مقامِ ہوش
ساقی کی چشمِ مست کی گردش کو دیکھکر　　بیہوشیوں کی نذر کیا میں نے جامِ ہوش

یہ اضطراب ہوا دل کو شوقِ دید میں اُنکے　　کنارِ برق میں غش ہو گیا کلیم ہمارا
نہ ہسکے دور پھر اتنا، نہیں یہ شرطِ مروت　　کبھی چمن میں نشیمن تھا اے نسیم ہمارا

سُننا نہیں ہے بات وہ بیگانہ خو مری — اُسکی نظر میں کچھ بھی نہیں آبرو مری
لفظوں کے ہیر پھیر نے مطلب اُلٹ دیا — جو تیرا مدعا ہے، وہی آرزو مری

کشتنی تو ہیں بہت در خور تشہیر نہیں — اُنکے فتراک کے شایاں کوئی نخچیر نہیں
قدر انداز یہ کیا بات ہے میں تیرے نثار؟ — اُسی پہلو میں خلش بھی ہے جدھر تیر نہیں!

پیماں شکنی پر بھی حسرت ہے یہی دل میں — اکبار کسی سے پھر پیمانِ وفا ہوتا
اک رسم زمانہ تھی، بیمار کو دیکھ آتے — ہوتا تو وہی جو کچھ منظورِ خدا ہوتا

جو تڑپتے تھے، تڑپنا ہی اُنھیں چھوڑ گیا — حیف کس حال میں جانبازوں سے منھ موڑ گیا
کون کہتا ہے ادھر ناز سے دیکھا اُسنے — چند نشتر دلِ حسرت زدہ میں توڑ گیا

لے رند یہاں جام بھر اور چوم کے رکھدے — باہر قدم اس میکدے سے جھوم کے رکھدے
وہ تو کہو چھائی ہوئی شوخی پہ حیا ہے — ورنہ وہ نگہ دل کو ابھی تُوم کے رکھدے

جو ابھی خوش ہیں وہ دم بھر میں پشیماں ہونگے
چارہ سازِ غمِ دل جان کے خواہاں ہونگے
کچھ قیامت ہی پہ موقوف نہیں ظاہر ہے
تم جہاں ہوگے وہاں حشر کے ساماں ہونگے

نگاہ مست کا عالم، دل خراب کا حال
شراب خوار سے پوچھے کوئی شراب کا حال
شبِ فراق بسر ہوگی کس طرح اے دل
یہ انتظار کا عالم، یہ اضطراب کا حال

نشہ بے دردِ سر نہیں یعنی
غم بڑھے تو سرور پیدا ہو
درخورِ اُس آستاں کے ہوگی جبیں
عجز سے جب غرور پیدا ہو

یہ جوشِ نامرادی ہے، یہ رنگِ بے قراری ہے
کہ تیرے وعدے سے بھی دل کی اب تسکیں نہیں ہوتی
خوشا طالع، نہ ہے حال خراب، آج اُسنے فرمایا!
محبت سب کو ہوتی ہے مگر ایسی نہیں ہوتی

اگر شریکِ ترا حسنِ سحر کار نہ ہو
یہ رنگ خانہ برانداز بہار نہ ہو
وہ اور عکدہ میرا، وہ اور پرسشِ حال!
فریبِ شوق کہ افسونِ انتظار نہ ہو،

بھولتا ہی نہیں وہ ناز سے کہنا تیرا   "خیر سے اِن دنوں کچھ کم تو ہے سودا تیرا"
اُٹھ رہے حشر پہ کیوں میرے سوالوں کا جواب   آج ہی فیصلہ ہو جائے نہ میرا تیرا ؟

مست آنکھوں پہ گھنی پلکوں کا سایہ یوں تھا   کہ ہو مینخانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی
جیسے نغمے میں نیا کَن کوئی ایجاد کرے   اُف وہ آواز جو تھی نیند میں بھرّائی ہوئی

کہتے کچھ ہو، کرتے کچھ ہو   دیکھنے جاؤ اپنی باتیں
ایک نہ اک دن آئیں گی منہ پر   جیسی ہونگی جسکی باتیں

گریباں کو بہار افشاں کیا ہے   گلستاں گوشۂ داماں کیا ہے
ترے غم کے تصدق، تیرے غم نے   عجب رتنا قدم احساں کیا ہے

ایک نقط بھی نہیں گرم سخن نہ ہو سکا   غنچے نے لاکھ سعی کی، تیرا دہن نہ ہو سکا
بحر سے ملکے بھی رہا، ایک حجابِ درمیاں   قطرہ فنا تو ہو گیا، ترکِ بدن نہ ہو سکا

ابھی ہے مخالف زمانہ ہمارا کسی دن کہے گا فسانہ ہمارا
کھٹکتا نہ کیوں آنکھ میں باغباں کی بلندی پہ تھا آشیانہ ہمارا

میں نے جو کچھ کیا، کیا، تو نے جو کچھ دیا، دیا معصیتوں کی حد ہوئی، تیرے کرم کی حد نہیں
حرج ہی کیا ہے بیوفا، حیلہ و عذر کس لئے اپنے ستم کا واسطہ، کہدے ستم کی حد نہیں

ابتک یہ روشنی ہے مرے دل کے داغ میں جیسے ہو عکس ماہ دو ہفتہ ایاغ میں
بیہوشیوں میں عہد جوانی بسر ہوا پیری چلی ہے عمر رواں کے سراغ میں

مل جائے گی وہیں سے رہ منزل مراد تیری طلب نے مجھ سے جہاں لے لیا مجھے
ہر آرزو ہے خواب، تمنا خیال ہے اُن رفعتوں پہ عشق نے پہنچا دیا مجھے

رقص شرر تھا اپنا عہد شباب گویا اک برق پر فشاں تھی عمر شتاب گویا
اے مست ناز تو نے یہ چال کیا نکالی کٹتی ہے ہر قدم پر جوئے شراب گویا

ترا نام لینے بھی جب رشک آئے   بڑا کام ہے ضبط سے کام لینا
زبانی تاسف سے بیدرد حاصل   نہ آیا کسی گرتے کو تھام لینا!

تیری ہی صدا سنی ہے میں نے   جب اور جہاں جہاں پکارا
جو تیری نظر سے گر گیا ہو   دے کون بھلا اُسے سہارا

ہر سانس دے رہی ہے پیغام صد تمنا   ہر جنبش مژہ ہے عرض ہزار آغوش
کیف تمام بنکر صرف نیاز ہو جا   اپنی خودی کے بندے، اے مست بادہ ہوش

بزم وصال جاناں اس لطف سے ہے برپا   ہے شوق کا تقاضا، اُٹھ جاؤ درمیاں سے!

یہ ترے کرم پہ ہے، خود اپنے بوجھ سے   اک روز ڈوب جائے گی کشتی گناہ کی

نہاں دل کے پردوں سے تری آواز آتی ہے   کوئی تسکین دے کیونکر نگاہِ جلوہ سودا کو

آ، مرے کاٹے اب نہیں کٹتیں بے وفا تیرے ہجر کی گھڑیاں

ناکامیوں نے اور تو سب کچھ بھلا دیا بھولی نہیں ہے وہ نگہ دلستاں مجھے

کوئی عالم میں خریدار نہیں ہے تو نہ ہو تم متاع دل صد پارہ لٹاتے جاؤ

رونے پہ ہنسی آتی ہے تمھیں اور ہنسنا ہم کو یاد نہیں
پھر تم ہی کہو کس طرح بنے جب نقشہ یہ ہو صحبت کا

درد دل کہے جاؤ، کشتگان خاموشی کچھ نہ کچھ جواب اک دن ہو کے سرگراں دیگا

آنکھ جھپکے نہ دم جلوہ، یہ تاکید ہے آج نگہ شوق مبارک ہو، تری عید ہے آج

ہوک وہ دل میں اٹھی ہاتھ بھی رکھا نہ گیا لذت درد یہاں تک تھی کہ تڑپا نہ گیا

ہ لیا جُرم محبت سب نے   سامنے اُسکے کوئی بات بنائی نہ گئی

ہے محبت کی ستمرانی سے   دل کو ہوتی ہے خوشی غم کی فراوانی سے

لاص کا حاصل جو نہیں ہے   سجدہ تو نہیں ہے وہ شب تا رجبیں ہے

ت دور وقصور سے ہے   دُنیا بھی ہاتھ سے گئی، ایمان بھی گیا

ہوائے دل وہ بے نقاب ملا   ہوس نگاہ کی تھی، تیرے سر جواب ملا!

، پست سرفراز ہوئے   جنھیں تھا منصب محمود وہ ایاز ہوئے

ساقی میرا بھی کام کر دے   صہبائے بیخودی سے لبریز جام کر دے

انساں کو بے عشق سلیقا نہیں آتا ، جینا تو بڑی چیز ہے، مرنا نہیں آتا

وہی ہے شوریدگی جنوں کی، وہی خلش ہے، وہی تپش ہے
نہ سر سے سودا گیا کسی کا نہ دل کو آیا قرار اب تک

اُسپہ کیا گزری ٹھہر کر یہ بھی دم بھر دیکھئے آپ جسکو دیکھئے اور آنکھ بھر کر دیکھئے

راز جو دل میں نہاں تھا آشکارا کر دیا اشک خود رسوا ہوئے، مجکو بھی رسوا کر دیا

مانند شمع محفل شرحِ گداز کب تک اے دل خموشیوں میں افشائے راز کب تک

ایک مدّت سے خشک ہیں آنکھیں یا کبھی دو نگڑے برستے تھے

مداوا یوہیں سا ہے اے چارہ گر کہ اب درد سے دل بہلنے لگا

یہ نہیں کہتا کہ تو نے شکل دکھلائی مجھے ہاں تری تنویر ہر جانب نظر آئی مجھے

ایک دیوار اُٹھی موجوں کی دیکھتا فہر تھا ساحل کی طرف
میری دانست میں قاتل ہی نہیں دیکھ لے مُڑ کے جو بسمل کی طرف

غم نہیں تو لذّت شادی نہیں بے اسیری لطف آزادی نہیں

نہ تکلیف گریہ دے ابر بہاری اب آنسو نہیں، بوٹیاں ہیں لہو کی

جب کہا میں نے وفا مشکل ہے کہدیا سچ تو کہا، مشکل ہے!

ہجر میں انتظار جاناں تھا - وصل میں انتظار ہے اپنا

چٹکیاں لے نگہ ناز نہ لے سُن ہی ہونے دے ہمارے دل کو

سیکڑوں تیرِ نظر دل کے لئے ‏ دل تو ہو تیرِ نظر کے قابل

جہاں ہو دورنگی بہار و خزاں کی ‏ چمن وہ نہیں آشیانے کے قابل

جہاں جلوۂ گُل تھا ہر ہر قدم پر ‏ وہاں اب نشانِ قدم بھی نہیں ہے

نامہ بر کو میں پتا کیا بتلاؤں ‏ جیسے گھر نہیں اُن کا کوئی!

در پردہ گلہ جفا کا ہوگا ‏ کیونکر ہوں رقم وفا کے مضموں؟!

پوچھنے والے دردِ پنہاں کے ‏ اپنے چہرے کا رنگ بھی دیکھا؟

سعیٔ مشکور کو تدبیر کہا ‏ سعیٔ ناکام مقدر ٹھہری

جب تک اک تار نفس باقی ہے | تیرے ملنے کی ہوس باقی ہے

غمزدہ بے اختیار آہ نہ کرتے
تم جو اچانک نگاہ نہ کرتے

جلوۂ صبح چمن، آئینہ دار عید ہے
ہر گل تازہ عروس نوبہار عید ہے

ہم بغل ہو شام غم بڑھ کر صباح عید سے
تجھ میں قدرت ہے بدل دے یاس کو امید سے

عاصی کو دم سرد جو بھرتے دیکھا
میں نے تری رحمت کو سنورتے دیکھا

آہ سحر نے آج اسے بھی بجھا دیا
شمع بساط عشق تھا جو داغ آرزو

حیف نہ آئے تم نے نہ دیکھا، تاروں کی آنکھ جھپکتی رہی
نوک مژہ پر آخر شب تک بوند لہو کی جھلکتی رہی

نظر میں تو ہے جھنک ناروا ہے
وہ سجدہ ربط ہو جسکو جبیں سے

میں اور کوے دوست، کہاں ایسے تھے نصیب
یہ کہئے اُس طرف سے اشارے ہوا کئے

دشمن صبر و قرار ہے لیکن، دل میں کھُبی ہے، جی میں بسی ہے
صورت اُس کی پیاری پیاری اور وہ بانکی طرح

مری بات نہ بھول کے پوچھی کبھی، مرے حال پہ تیری نظر نہ ہوئی
ترے ملنے کی نکلی نہ راہ کوئی، مری شام الم کی سحر نہ ہوئی

دل ناشاد ہو مانوس الم
اور تسکین کی صورت ہی نہیں

اُس گھڑی بیتابئ پروانہ کوئی دیکھتا
لَو ملی ہے شمع کی جب چاک سے گلگیر کے

نہیں ہے شوق پامالی تو مڑ کر دیکھتا ہی جا ، کوئی تو اجز ظالم خون ارباب وفا رکھے

* * *

ہر بُن مو سے ہے عرق جاری ، اور گھُٹ گھُٹ کے روئیے کیونکر

* * *

حال مرا یہ کہ تواں ہے نہ شکیب ، اُس پہ ترا عشوۂ دلفریب!

* * *

اسقدر قرب ہے کہ فصل نہیں ، پھر بھی ممکن کسی کا وصل نہیں
کس طرف تیرا دھیان ہے اے دل ، عشق میں آرزو کو دخل نہیں

* * *

موج بادہ رنگیں ہے ، اسقدر کہاں رنگیں ، اُسکے لعل لب دیکھو جب وہ مسکراتا ہو

* * *

ایک تو تمنا نہیں کوئی حسیں ہونے کا ، اور ہو بھی تو یہ انداز نہیں ہونے کا

* * *

وفور شوق میں تجھ پر نثار ہونے کو ، ہر ایک گل ہے سراپا بہار ہونے کو

پھر کسی کی یاد تڑپانے لگی ✓ پھر لبوں پر جان زار آنے لگی

رخصت خیال منزل نیور اب آ رہے ہیں چھالے تپک رہے ہیں، کانٹے ستا رہے ہیں

یاد چمن کی جائے کیا، چین قفس میں آئے کیا ہم سے چھٹا جب آشیاں دن تھے وہی بہار کے

پاکبازان محبت ہیں یہاں تک محتاط گل پہ بھی دیدۂ شبنم سے نظر کرتے ہیں

تڑپ اُٹھتا ہے جگر درد جگر سے پہلے اک خلش ہوتی ہے محسوس نظر سے پہلے

شرمندہ تجھ سے ہوگی تیری سرشت کب تک اے ننگ آدمیت، اعمال زشت کب تک

عشق کی وہ منزل ہے جہاں اندیشۂ بود و ہست نہیں
فکر کشاد و بست نہیں، اندوہ بلند و پست نہیں

کونسا جبر محبت میں گوارا نہ کیا
حیف کچھ پاس وفا تم نے ہمارا نہ کیا

وہ جو مائل ہے دل کی غارت پر
سو شکستیں ہیں اس عمارت پر

نہ پائی راہ ترے در کی جب تلاشی نے
عرق جبیں کا نچوڑا نیاز پاشی نے

جب ہتیلی سے ملی جائیں وہ آنکھیں دیکھو
مے یوہیں بھرتے ہیں اس طرح کے پیمانوں میں

بناؤ بات کہ مکرو، نظر نہیں چھپتی
کسی پہ آئی طبیعت اثر نہیں چھپتی

کیا جانئے یہ کہکے وہ شرمندہ کیوں ہوا
ہم بے وفا ہیں، آپ بڑے باوفا سہی!

حسن تغافل آشنا عشق سے بے خبر نہ ہو
پردۂ دل سے آشکار تجھ سے بھی خوب تر نہ ہو

اُن سے تڑپا بھی نہ جائے گا جنھیں حسرت ہے خون سے دامن قاتل کو پُرافشاں کر دیں

رو دیا جس نے بھی حالِ دلِ ناشاد سُنا ، ایک تو نے ہی نہ اے بانیٔ بیداد سُنا

ڈھونڈتا پھرتا تھا منزل کو میں ڈھونڈتی پھرتی ہے منزل مجکو

وہ اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہمارا حسرت سے اُن کو تکنا
وہ اُن کا منھ پھیر کر یہ کہنا ، اثر ہمیں ہے خیال تیرا

اب گریباں وہ گریباں ہی نہیں چاک ملتے ہیں جگر کے چاک سے

اُس طرف پھر گئیں آنکھیں سب کی ، اک نظر تم نے جدھر دیکھ لیا

کچھ جنونِ عشق کی تدبیر ہونا چاہئے ایک ہنگامہ پے زنجیر ہونا چاہئے

منت نہیں اچھی دلِ رنجور زیادہ　　ان باتوں سے ہوتا ہے وہ مغرور زیادہ

ہر نفس کو مرے آلودۂ تقصیر کیا　　مزدِ عصیاں ہے جسے زیست سے تعبیر کیا

طشت از بام نہ ہو راز کہیں　　اشک ہو جائیں نہ غماز کہیں

ہستی و عدم تجھ سے، تو ہی اوّل و آخر　　اسرار ہیں پرتو ترے، انوار مظاہر

بحرِ ہستی سے سبکبار گزرنا سیکھو　　تم کو جینا نہیں آتا ہے تو مرنا سیکھو

نجاتِ آشوبِ ہستی سے کہاں اُلفت کے ماروں کو
فنا تعلیم درسِ بیخودی ہے بیقراروں کو

پہلی سی وہ چشمِ التفات نہیں ہے　　مان لوں کس طرح کوئی بات نہیں ہے

نہ کہتے تھے ہم، بے وفا ہے نہ چاہو ۔ نہ سمجھے آخر اُس کا انجام دیکھا؟

ہنسنے والے منہ کو پھیر رو رہے تھے زار زار
اور ابھی اشکوں میں میرے خونِ دل شامل نہ تھا

تیرے دیدار کی حسرت بھی ستمگر مجھ سے ۔ تیری اُلفت کی طرح دل سے نکالی نہ گئی

خود بھی حیران ہوں کیا کرتا ہوں ۔ دل کی تقلید کیا کرتا ہوں

جسکی حسرت تھی اُسی سے نہ ہوئیں چار آنکھیں ۔ دیکھتے دیکھتے ہی پھر گئیں ناچار آنکھیں

لے کر جگر سے دل تک اک آگ سی بھری ہے ۔ تیرِ نگاہ تیرا کیا زہر میں بجھا تھا؟

ماجرائے شبِ غم دل کو سنبھالوں تو کہوں ۔ ٹھہرو ٹھہرو میں ذرا ہوش میں آلوں تو کہوں

نوبت یہ ہے جنوں کی، خیال آتے ہی آثرؔ ٹکڑے ہزار جا سے گریبان ہو گیا

جب سُنا یوہیں سُنا تم نے کہ گویا نہ سُنا پھر غلط کیا ہے کبھی حال ہمارا نہ سُنا

اب تصور میں دید رہتی ہے ۱ بلکہ گفت و شنید رہتی ہے

سرِ شاخسار بلبل گلِ تر پہ طعنہ زن ہے ترے رنگ کا کھلا ہے کوئی پھول کیا چمن میں؟

بیخودِ شوق کو دیوانہ کہا کرتے ہیں ۷ عشق کا راز جو افشا بھی ہوا، راز رہا

تاثیر درد دل میں یارب کہاں کی بھر دی اُس نے بھی آج آخر چپکے سے آہ کر دی

باز آ ظالم کہ اب مژگان خوں آلود سے ہاتھ میں مظلوم کے بھی خنجر خونریز ہے

اُف وہ شامِ الم کی خاموشی جس سے آباد گوشہ گوشہ تھا

دلِ حسرت زدہ ناکامیوں نے اس طرح لوٹا
شگوفہ رہ گیا کوئی، نہ غنچہ اور نہ گُل بوٹا

تعبیرِ حرف و صوت کوئی کس طرح کرے عالم تمام اک سخنِ ناتمام ہے

آن کی آن اُن کو دیکھا تھا جب سے تھرا رہی ہے نبضِ نگاہ

آتشِ ہجر الٰہی توبہ شعلۂ آہ جہاں ہیزم ہے

اُن لبوں پر جھلک تبسّم کی جیسے نکہت میں جان پڑ جائے

دل صورتِ خورشید لبریز تجلّی وہ مجھکو ملا ساغرِ سرشارِ محبت

چمن زار ادب میں اب نہ آئے گی خزاں برسوں
مری رنگیں نوائی رہ چکی ہے باغباں برسوں

مجھکو تڑپاتی ہے اب تک وہ ستمگر کی ادا
آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ کہکے پلٹ جانے کی

جو کبھی کرتے دلدہی میری   بات سُنتے نہیں وہی میری

وہ کام کر بلند ہو جس سے مذاق زیست
دن زندگی کے گنتے نہیں ماہ و سال سے

انتخابِ اثرستاں

پیش ازیں تیغ نفس را دمِ تاثیر نبود
آہ برخاست درونم اثرستاں گشتست

(ظہوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلوں میں ہے یہ شادابی نہ یہ نقشہ گلستاں کا
تماشا دیکھ میرے دیدۂ خونابہ افشاں کا

نہ کر تشریح ذرات اس قدر اے شوق بینائی
بہت مشکل ہے ملنا دل کے اجزائے پریشاں کا

گریباں چاک، سر پر خاک، ہاتھوں میں لئے پتھر
عجب پُر درد منظر ہے جنونِ فتنہ ساماں کا

مرے غمخانے میں ہر وقت دونوں وقت ملتے ہیں
سحر نے بھی یہاں پہنا ہے جامہ شامِ ہجراں کا

دیارِ عشق میں جو سلسلہ جنبانِ وحشت ہے
وہ اک فرسودہ حلقہ ہے مری زنجیرِ زنداں کا

اسیرِ دامِ ہستی ہے وہیں پہونچے گا جب چھوٹا
حریمِ کوئے جاناں ہے نشیمن طائرِ جاں کا

نگاہِ شوق نے اُس دشت کی آئینہ بندی کی
جہاں کا ذرہ ذرہ حکم رکھتا تھا بیاباں کا

اسی کا نام ہے حُسنِ عمل دُنیائے فانی میں
جہاں تک ہو سکے کم کر تعلق جسم سے جاں کا

بھنور میں ناؤ، ساحل دور، اندھیری رات، تنہائی
وہ سناٹا ہوا کا، وہ تھپیڑا موجِ طوفاں کا

ترا ناوک سدھارا ساتھ لے کر دل، جگر، دونوں
بہر صورت مجھے منظور دل رکھنا تھا مہماں کا

تگ و دو عقلِ انساں کی یہاں پر ختم ہوتی ہے
کہ عالم فرشِ پا انداز ہے تیرے شبستاں کا

ہوا ہے ایک طرزِ خاص کا موجد ہر اک وحشی
کوئی ٹکڑا نہیں ملتا گریباں سے گریباں کا

ترقی کا انھیں کے دور میں چھلکا ہے پیمانہ
بہت ممنون ہے اُردو ادب حامد علی خاں کا

مُبارک ہو، جھلک پیدا ہوئی پھر دل کے داغوں میں
جنوں اب تو محافظ ہے اثرؔ کے جیب و داماں کا

فرقت میں سوزِ غم کا یہاں تک فروغ تھا
جو آبلہ تھا ایک دلِ ناصبور تھا

دکھلا رہا تھا حُسن تجلی ظہور کی
آنکھوں میں نور تھا، مرے دل میں سرور تھا

محشر سے یوں چلے ہیں گنہگار جرمِ عشق
گویا انھیں میں بٹ گیا جتنا غرور تھا!

اہلِ وفا جواب دو، کیوں سر جھکائے ہو
اُس کا قصور تھا، کہ ہمارا قصور تھا؟

دیکھا جو اشکبار تو کچھ مُسکرا دیا
اُس بے وفا کو پاس ہمارا ضرور تھا

صد شکر اُس نے دل کو اثرؔ کے مٹا دیا
یہ آبلہ بھی ایک سرِ پُر غرور تھا

یارب وہ کون دل تھا کہ مجبور ہو گیا
ہر ذرّہ جس کی خاک کا منصور ہو گیا

جس طرح ماہتاب ہو آغوشِ بحر میں
یوں دل کسی کے حُسن سے معمور ہو گیا

تیری طلب نے درد کو درماں بنا دیا — دشواریوں کو زیست کی آساں بنا دیا

دل میں ہے درد، درد میں اک لذتِ خلش — آزارِ عشق نے مجھے انساں بنا دیا

دل کو جو ایک فردِ بیاضِ ازل میں تھا — شوخی نے انتخاب کی دیواں بنا دیا

سوزِ دروں نے بڑھ کے بامیدِ شرحِ شوق
دل کو اثرؔ کے رشکِ چراغاں بنا دیا

تغیر آشنا ہستی، نشاں مفقود منزل کا — بہت دشوار ہے آسان ہونا میری مشکل کا

میں وہ کشتی شکستہ ہوں جسے طوفان ہستی میں — حوادث نے بنایا ہے نشانہ موجِ ساحل کا

وہ دل یوں جس کے ذرے اڑ رہے ہیں کوئے جاناں میں — صحیفہ تھا کبھی مجموعۂ جذبات کامل کا

مری آشفتگی باعث ہوئی تزئینِ مجلس کی — اڑا جب رنگ رخ میرا جما رنگ انکی محفل کا

سفینہ توڑ کر ڈوبا ہوں یوں بحرِ محبت میں — کھلا ہے آج تک میرے لئے آغوش ساحل کا

ہزاروں زینتوں سے ہو گئی آراستہ محفل — پتا ملتا نہیں لیکن کسی کو میرِ محفل کا

نہ جانے کیوں مگر قاتل سنا کرتا ہے راتوں کو — زبانِ تیغِ خوں آلود سے قصہ مرے دل کا

اسے کچھ ہوش ہے مجنوں دلِ لیلیٰ پہ کیا گزری — نگاہِ شوق سے پردا لرز جاتا ہے محمل کا

کوئی دم توڑتا ہے کوئی دل تھامے ہے مقتل میں — کہ بسمل تیغ کا گھائل ہے، قاتل چشمِ بسمل کا

کچھ اُسکے دل سے مرگ ناگہاں کی حسرتیں پوچھو   کیا ہو آبلوں کی نذر جس نے شوق منزل کا

بہار آئی، رگوں میں خون دوڑا کان بجتے ہیں   دل دیوانہ پھر مشتاق ہے شور سلاسل کا

قفس میں دل پھڑکتا ہے اثر جب یاد آتا ہے

قریب اپنے نشیمن کے چہک اُٹھنا عنادل کا

دورِ ساغر جو کسی بزم میں چلتے دیکھا   چشم نیرنگ کو سو رنگ بدلتے دیکھا

رشک نے آگ میں اور آگ لگا دی بڑھکر   شمع سر دُھننے لگی مجکو جو جلتے دیکھا

ہمیں محروم ہیں اک جام سے اللہ اللہ   دور پر دور تری بزم میں چلتے دیکھا

جن خیالات سے ہو جاتی ہے وحشت دونی

کچھ اُنھیں سے دل دیوانہ بہلتے دیکھا!

دل جسے کہتے ہیں مرا دل تھا   یادگار نگاہ قاتل تھا

دُرِ مقصود کیا یہاں ملتا   بحر سمجھے تھے جسکو، ساحل تھا

نگہ شوق اس طرح اُلجھی   اُس کو گیسو بنانا مشکل تھا

عشق کی جان پردہ داری ہے   شوق مجنوں حجاب محمل تھا

ہائے رے تیری جستجو کا فریب   ہر قدم پر گمان منزل تھا

اُس کی بیداد کا نہیں شکوہ　　میرا ہی شوق میرا قاتل تھا
رات کو ایسی ہوک دل میں اُٹھی　　اک گرہ رہ گئی، جہاں دل تھا

شعر اثر کہ ہے عطیۂ خاص
آثر اعجاز میر کامل تھا

غش ہجر میں کب موت سے بدتر نہ ہوا تھا　　یہ حال مگر اے دل مضطر نہ ہوا تھا
فریاد تری گرمیٔ نظارہ نے پھونکا　　وہ دل جو ابھی رشک گل تر نہ ہوا تھا
ہم خاک نشینوں کی روش سب سے جُدا ہے　　طالب ہیں اُسی کے جو مقدر نہ ہوا تھا
کیا حسرت دیدار ہے ہر بار یہ سمجھا　　گویا کبھی دیدار میسّر نہ ہوا تھا

کیوں پیار سے دیکھا دل مجروح آثر کو
یہ لطف و کرم پہلے تو اُس پر نہ ہوا تھا

وہ بُت عجیب شان سے جلوہ نما ہوا　　جو محو ما سوا تھا وہ محو خدا ہوا!
آیا جہاں میں کسلئے، میں کیا تھا، کیا ہوا　　بھولا ہوا خیال ہوں، نقشہ مٹا ہوا
دب دب کے آگ اور زیادہ بھڑک اُٹھی　　مجکو سکون جب ہوا سودا سوا ہوا
اس درجہ شوق دل نے کیا مجکو بیحواس　　اُس سے وہی کہا جو تھا اُس کا کہا ہوا

کیا دن تھے جبکہ داغ جگر بھی تھے شعلہ ریز — اب دل ہے یا چراغ سحر ہے، بجھا ہوا
اک شعلہ دل سے اُٹھ کے وہیں دل میں رہ گیا — میں حیرتیِ عشق نہ سمجھا کہ کیا ہوا
میں وہ فریب خوردۂ شوقِ وصال ہوں — آئے جو موت، سمجھوں کہ وعدہ وفا ہوا
خوش ہو دلِ حزیں کہ قضا لائی ہے پیام — اک آسماں ہے زیرِ زمیں بھی چھپا ہوا
چھیڑا جو میں نے قصۂ سوزِ غمِ فراق — خورشیدِ حشر ڈوب گیا، کانپتا ہوا
کس بے نشاں کی قبر پہ بیٹھے ہو سوچ میں — چہرہ اُداس، بال کھلے، سر جھکا ہوا
دل نے کیا مجھے دلِ عالم سے روشناس — اب میں رہا، رہا، نہ رہا بھی تو کیا ہوا

میں گلفروشِ سینۂ صد چاک ہوں اثرؔ
آہ سحر میں خون ہے دل کا ملا ہوا

عشق کی آسانیاں دشواریوں سے کم نہیں — دل بگڑتا جائیگا جتنا سنبھلتا جائیگا
خون اک عالم کا اک دن رنگ لائیگا ضرور — تو جدھر جائیگا ظالم ہاتھ ملتا جائیگا
نزع میں جب ہم سنینگے تیری باتیں پیار کی — دل ٹھہرتا جائیگا اور دم نکلتا جائیگا

ضبطِ گریہ پر بہت بھولے ہوئے ہو تم اثرؔ
خون کھولے گا اور آنکھوں سے اُبلنا جائیگا

شوق میں سُن ہو گیا تھا دل ترے نخچیر کا — ورنہ بینہ تان کر یوں زخم کھاتا تیر کا!

رخصت گفتار ہے اور طاقت دیدار ہے — تجھسے بڑھ کر کیوں نہ ہوں شیدا تری تصویر کا

دل سراپا آرزو تھا اب سراسر درد ہے — یہ صلہ تدبیر کا ہے، وہ لکھا تقدیر کا

حسرتِ دیدار اسیری میں بھی اتنی ہے اثر

چشم حیرت زا ہے ہر حلقہ مری زنجیر کا

عدم سے دار فانی میں دل مشکل پسند آیا — مسافر کو خیال دوریٔ منزل پسند آیا

جہاں معمور ہے جلووں سے لیکن کیا تماشا ہے — نگاہِ ذوق پیما کو دلِ بسمل پسند آیا

نما آئی جھکا جب سر ہجوم نامرادی میں — یہ طرز خواستگاری ہم نوائے سائل پسند آیا

حیات و مرگ عاشق ایک مد و جزر ہے دل کا

کبھی دریا پسند آیا، کبھی ساحل پسند آیا

دے رہے ہیں ضبط پر مژدہ مبارکباد کا — امتحاں منظور ہے شاید دلِ ناشاد کا

تیرے پیمانِ وفا کی تاب لاتا کس طرح — دل کہ خوگر ہو چکا تھا لذّتِ بیداد کا

جب سے کانوں نے سُنی ہے وہ صدائے دلنواز — عالم تقریر پر دا ہے مری فریاد کا

قتل کی لذّت میں شامل حسرتِ دیدار تھی — آنکھ بھر کر دیکھنا کافی ہوا جلاد کا

اب نگاہِ لطف کا آہوں سے دیتا ہوں جواب
یا کبھی قائل نہ تھا بیدادِ پرفریاد کا

اک ناتواں کے ضبط کی تاثیر دیکھنا
کچھ اور جھک گیا فلکِ پیر، دیکھنا!

جنبش لبوں کو کیا ہوئی ساغر چھلک گیا
پُرکیف ہے شراب سی، تقریر دیکھنا

یہ شغل رہ گیا ہے شبِ انتظار میں
مشرق کی سمت یا تری تصویر دیکھنا

جاری شکست و ریخت ہے قصرِ حیات کی
کمزور کس قدر ہے یہ تعمیر، دیکھنا!

رکھتا نہیں ہے پاؤں زمیں پر وہ ناز سے
عرضِ نیازِ عشق کی توقیر دیکھنا

جب اس کو دیکھتا ہوں، نہیں دیکھتا اُسے
وارفتگیِ شوق کی تاثیر دیکھنا

مجھکو سزا ملی ہے یہ قیدِ حیات میں
دن رات مرگ و زیست کی تفسیر دیکھنا

لے گیا باتوں میں دل وہ بُتِ پُرفن کیسا
سادہ لوحی پہ مری ہنستا ہے دشمن کیسا

شاہدِ صبح نے ہنسکر جو ذرا دیکھ لیا
کوہ و صحرا پہ پھٹا پڑتا ہے جوبن کیسا

ہم اسیروں کو خوشی کیا ہو جو آئی ہے بہار
دیکھ سکتے نہیں گلشن کو، نشیمن کیسا

شامِ غربت بھی ہے ویرانہ بھی، تنہائی بھی
اور ناکامیِ دل چاہیئے مسکن کیسا

کشت اُمید پہ برسے جو ترا ابر کرم　　موتیوں سے میں بھروں جھولیاں، دامن کیسا

مشغلے سب ہیں یہ جمعیت خاطر کے اثر
دل ہی قابو نہیں، نالہ و شیون کیسا

خلقت عشق ہوئی، درد کا درماں نکلا　　پردۂ برق سے دل سوختہ ساماں نکلا
آئی قبروں سے نحیف ایک صدا ماتم کی　　وہ جو شرمندہ سوئے گورِ غریباں نکلا
عیش وآرام کا سمجھا تھا وسیلہ جس کو　　میری محرومیٔ قسمت کا وہ ساماں نکلا
عشق بھی کم نہیں کچھ حُسن سے نیرنگی میں　　دل کو آباد سمجھتے تھے، بیاباں نکلا
وصل کہتے ہیں جسے ہے وہی تمہید فراق　　عیش آلودۂ صد حسرت و حرماں نکلا
ہاے وہ ہاتھ نہ پہنچا جو ترے دامن تک　　ہاے وہ دل کہ نہ جس کا کوئی ارماں نکلا
دیکھ سکتا ہے تجھے کون جب اے پردہ نشیں　　ایک عالم تری تصویر کا حیراں نکلا

دل خوں گشتہ کی تشریح نہ کر اے ظالم
ورنہ دیکھے گا کہ ہر قطرے میں طوفاں نکلا

مٹے ہیں کس پہ کسی کو گماں نہیں ہوتا　　مذاق عشق ہمارا عیاں نہیں ہوتا
تمھیں ہو رونق گلشن، تمھیں ہو رنگ بہار　　مگر کسی کو تمھارا گماں نہیں ہوتا

تم آئینے کی طرف غور سے کبھی دیکھو　　ہمیں جو مد نظر ہے، بیاں نہیں ہوتا
شکستہ دل ترے، جس وقت آہ کرتے ہیں　　کبھی زمیں تو کبھی آسماں نہیں ہوتا
وہ خلوتیٔ غم عشق ہوں کہ دل کا راز　　سبھی سے کہتا ہوں، لیکن عیاں نہیں ہوتا

وہ رات بھیگی ہوئی، وہ کراہنا میرا
ہر ایک وقت تو ایسا سماں نہیں ہوتا

نیاز عشق جو منّت کش دعا ہوتا　　کسی کا لُطف بھی اک جور نارو ا ہوتا
بساط عشق میں اک دل تھا، آہ وہ نہ رہا　　ہمارے پاس جو ہوتا بھی دل تو کیا ہوتا
وہ نامراد ہوں ترتیب شے بدل جاتی　　رَوا نہ ہوتا، جو مطلب کبھی روا ہوتا
بہک کے نشے میں مسجد کو سمجھا میخانہ　　غضب ہوا تھا، مرا سر ہی جُھک گیا ہوتا
یہ کیف کیسا ہے آنکھوں میں آج اے ساقی　　کہ میرے ہاتھ سے ساغر ہی چھُٹ پڑا ہوتا!

اثر یہ عشق تمھارا سمجھ میں کیا آئے
کبھی تو حال دل اس شوخ سے کہا ہوتا

اُلجھن تھی دل میں اور نفس لب پہ سرد تھا　　جو سانس آرہی تھی وہ پیغام درد تھا
ہر سمت سے بلند ہے آواز "درد، درد"　　خاموش وہ ہے جس کے کلیجے میں درد تھا

بسمل کی چال، جسم میں رعشہ، جگر تپاں
میں غم سے بھر رہیں ستمہائے درد تھا

اب میں ہوں اور حسرت ناکامیٔ وصال
یا ہر نفس میں شان محبت تھی، درد تھا

دیکھا جو تم کو نزع میں، نیند آ گئی مجھے
ہاں اسکے پیشتر مری رگ رگ میں درد تھا

حیرت نے سب حجاب خودی کے اُٹھا دئے
لرزاں ہر ایک حسن کے پرتو میں درد تھا

اب اُس سے ایک داغ فسردہ ہے یادگار
وہ دل کبھی جو مطلع انوار درد تھا

جلوہ دکھا کے پردے میں روپوش ہو گیا
وہ شوخ برق خرمن صد ہوش ہو گیا

اس رشک کا بُرا ہو، کدھر جاؤں کیا کروں
عالم تمام حسن کا آغوش ہو گیا

وہ دل کا مول پوچھتے تھے، چھیڑ تھی فقط
دیتا جواب کیا اُنھیں، خاموش ہو گیا

قاتل کو سونپ کر دل ناآشنائے ضبط
اندوہ عشق سے میں سبکدوش ہو گیا

بُلبل سے کہہ رہا تھا میں افسانۂ حبیب
گُل فرط شوق سے ہمہ تن گوش ہو گیا

اک سیل برق تھی دل مضطر پہ جلوہ پاش
صرف اسقدر ہے یاد کہ بیہوش ہو گیا

غربت میں یاد آئے حریفان میگسار
رنگ شکستہ بادہ سرجوش ہو گیا

اک میں نہیں، گُلوں کو، مہ نو کو دیکھ لے
جو ہے وہ تیرے شوق میں آغوش ہو گیا

ہم عاصیوں کو ناز ہے رحمت پہ اے کریم — تو عقل و ہوش دے کے خطا پوش ہو گیا

پوچھا اثر سے میں نے جو دل کا معاملہ

اک آہ سرد کھینچ کے خاموش ہو گیا!

بیتابیوں نے آہ گنہگار کر دیا — دل کی لگی سے اُن کو خبردار کر دیا

سرگشتۂ قیود تھا میں بزم ہوش میں — اُسکی نگاہ مست نے سرشار کر دیا

میری اس آرزو نے کہ ہو ترک آرزو — جو کام سہل تھا اُسے دشوار کر دیا

بے نور جتنے خاک کے ذرّے تھے منتشر — عبرت نے سب کو دیدۂ بیدار کر دیا

اب جسکو دیکھئے وہی شیدا ہے آپکا — سب ملّتوں کو آپنے ہموار کر دیا

تھی عقل کو یہ فکر کہ ہو شرح آرزو — غنچے نے آنکھ مار کے ہشیار کر دیا

اُس چشم فتنہ ساز کو کیا چھیڑ ہے اثر

بیہوش ہو چلا تھا، خبردار کر دیا!

ترا انداز رعنائی جو دیکھا یہ تمنّا ہے — جدھر تیری نظر اُٹھتی مرا دل بھی وہیں ہوتا

مکیں ہے دل میں وہ اور دل ہے اک عالم جداگانہ — کسی کو تو نظر آتا جو دُنیا میں کہیں ہوتا

اثر بیزار ہو رہ رہ کے دل میں درد ہونے سے — بھلا کیا حال ہوتا دل اگر درد آفریں ہوتا؟

جذبۂ الفت میں یہ کیا اثر پیدا ہوا — ایک عالم دیکھ کے مجکو ترا شیدا ہوا

قطرہ قطرہ ایک بحر بیکران عشق ہے — ذرّہ ذرّہ دیدۂ مشتاق میں صحرا ہوا

تجھسے کتنے تھے کہا دل ہجر میں آنسو نہ پی — قطرہ قطرہ جمع ہو کر موجزن دریا ہوا

اک نگاہِ مست ساقی میں وہ چکنا چور تھا — دل کا پیمانہ شرابِ عشق سے چھلکا ہوا

اک زمانہ تھا کہ پھولوں سے رہیں سرگوشیاں — خشک پتی کی طرح اب دل ہے مرجھایا ہوا

بات کی نالہ ہوا، گر چپ رہا رنگ اُڑ گیا — جسقدر میں نے چھپایا رازِ دل افشا ہوا

مسجدوں اور خانقاہوں کا تماشا دیکھ کر — میں پھرا دل کی طرف شکرِ خدا کرتا ہوا

اشک آنکھوں میں بھرے نکلتے ہیں منھ سب کا اثر

کوئی پوچھے تو سہی حضرت یہ آخر کیا ہوا؟

کھلتا نہیں سبب کچھ ہر لحظہ ناخوشی کا — جب تم خفا ہو ہم سے کیا لطف زندگی کا

تیری جو دشمنی کے پہلو پہ غور کرتے — شاید کہ بھول جاتے سب نام دوستی کا

موہوم شے کو اُسنے دُنیا بنا دیا ہے — لوحِ طلسمِ ہستی ہے رازِ عاشقی کا

جو سانس ہے رُکی ہے، جو آنکھ ہے لڑی ہے — چھیڑا ہے آج کس نے افسانہ بیخودی کا

نبضیں بھی چھوٹتی ہیں دل بھی ڈوبتا ہے — یعنی مزے پہ آیا اب درد عاشقی کا

ہر اک یگانہ تیرا بیگانہ ہے جہاں سے کیونکر پسند آیا یہ طرز دلبری کا
دل کی جگہ کلی سی مرجھا کے رہ گئی ہے،
احسان میرے سر پر آہ سحر گہی کا،

اُس نے یوں امتحاں لیا میرا مجکو پردا بنا دیا میرا
ایک اُجڑا ہوا دیار ہوں میں آگے آیا ہے سب کیا میرا
کانپتے ہاتھوں میں نہیں ساغر ایک عالم ہے ساقیا میرا
نزع میں چشم شوق نے اخترؔ راز افشا ہی کر دیا میرا
کس قدر ہیں ستم ظریف عزیز
کہ اخترؔ نام رکھدیا میرا!

وہ مجھ سے پوچھتے ہیں نزع میں درد نہاں میرا نگاہ واپسیں بن جا زباں میری، بیاں میرا
فلک کا بس نہیں جو چوم لے جھک کر قدم میرے زمیں کوئے جاناں لے رہی ہے امتحاں میرا
کسی کی جستجو میں کھو گیا میں آپ ہی ایسا کہ ہر رہرو سے کہتا ہوں بتا دو کچھ نشاں میرا
جنون عشق میں آزاد ہوں میں ہر دو عالم سے شعور حق و باطل کس لئے ہو پاسباں میرا
مجھے ہر خاک کے ذرّے پہ یہ لکھا نظر آیا مسافر ہوں عدم کا اور فنا ہے کارواں میرا

ہجوم نامرادی کا اثرؔ اب تو یہ عالم ہے
کہ شب کی بیقراری میں ہوا دل میہماں میرا

دل بیتاب تو نے حال یہ کیا کر دیا میرا
کہ ترک مدعا پر منحصر ہے مدعا میرا

وفا کیسی نہیں مجبور تھا وہ وعدہ کرنے پر
یہی احسان کیا کم ہے کہ دل تو رکھ لیا میرا

ہجوم آرزو میں گم کیا ہے اصل مقصد کو
کہوں کس سے نہیں کھلتا مجھی پر مدعا میرا

تڑپ کر مر گیا لیکن رخ قاتل نہیں دیکھا
ادب آموز الفت ہے دل درد آشنا میرا

کبھی اس سے نہ چار آنکھیں ہوئیں اے وائے ناکامی
ادھر اس کی نظر اٹھی، ادھر سر جھک گیا میرا

بایں انداز یکتائی، بایں طرز دل افروزی
پشیماں ہوں مجھے دھوکا ہوا تو ہے خدا میرا

خطاؤں پر میں نادم ہوں مگر غیرت یہ کہتی ہے
جھکا جب سر تو کیونکر ہاتھ اٹھے بہر دعا میرا

سر مژگاں ہر اشک خوں فنائے دل کا مژدہ تھا
مگر ٹپکا جو دامن میں وہی دل بن گیا میرا

فلک پر جتنے تارے ہیں وہ بنکر پھول برسینگے
کبھی جو رنگ لایا اے اثرؔ خون وفا میرا

لئے حشر ان کا شباب آگیا
سوا نیزے پر آفتاب آگیا

ترے شہر کا نام جس نے لیا
میں سمجھا کہ خط کا جواب آگیا

حیا بن گئی کمسنی سہم کر — لئے تیغ اُس کا شباب آگیا

نہا کر نکھرنا ترا یاد ہے — پسینے میں ڈوبا گلاب آگیا

اُٹھے بادہ کش جھوم کر نعرہ زن — دمِ وعظ نامِ شراب آگیا

ہر اک شمع پروانہ بنکر جلی — وہ جب بزم میں بے نقاب آگیا

یہ دُنیا بھی جاتی ہوئی دیکھ لو
اثرؔ سے نہیں کیوں حجاب آگیا

جان دینا تو کوئی کام نہ تھا — خلشِ غم کا یہ انجام نہ تھا

اللہ اللہ مری راحت طلبی — لاکھ آرام تھا، آرام نہ تھا

آدمی نے وہ کمی پوری کی — سارا عالم تھا مگر نام نہ تھا

کسقدر ہے متلوّن دنیا — صبح جو تھا وہ سرِ شام نہ تھا

مرنے کا بھی نہ سلیقہ آیا — یہ تو دشوار کوئی کام نہ تھا

بس شبِ ہجر مرا دم اُلٹا — یہ اندھیرا تو سرِ شام نہ تھا

خود لپٹتی رہی دُنیا اُس سے — جسکو دُنیا سے کوئی کام نہ تھا

بیکسیِ گورِ غریباں کی نہ پوچھ — کوسوں بستی کا کہیں نام نہ تھا

کس لئے کر دیا آزاد اُسے
کیا اثرؔ بندۂ بیدام نہ تھا؟

جب نمودِ حسن میں رنگِ خودی شامل ہوا عالمِ نیرنگ کا آئینہ میرا دل ہوا
جذبِ آنکھوں نے کئے ہیں مختلف جلوے ترے تیں کبھی لیلیٰ، کبھی مجنوں، کبھی محمل ہوا
پوچھتے کیا ہو کہ راتیں ہجر کی کیونکر کٹیں خود مجھے احساس اپنے حال کا مشکل ہوا
جب ہوا لبریز سا جوہ پھر وہ دل ہی کب رہا اُس کو قطرہ کیوں کہو جو بحر میں شامل ہوا
میں نے طے کی راہ الفت مرغ بسمل کی طرح شوقِ منزل میں تڑپ کر داخلِ منزل ہوا
بدگمانی عشق کی، سمجھا کہ حائل ہے حجاب ورنہ خود ہی شوقِ مجنوں پردۂ محمل ہوا!
سینہ کاوی پر ہوا آمادہ پھر دستِ جنوں پھر وہی دل کو خیالِ سعیٔ لاحاصل ہوا
ابتدا و انتہائے عشق میں اتنا ہے فرق پہلے دل میں درد تھا اب درد بڑھ کر دل ہوا
کوئی مجھسا بھی مسافر ہے بتا اے بیکسی رہنما جس کا خیالِ دوریٔ منزل ہوا
اُس تغافل کیش کا کس سے گلہ کیجئے اثرؔ
انتہا یہ ہے کہ غافل مجھسے میرا دل ہوا!

یاد ایام کہ جب غم سے سروکار نہ تھا — پھول ہی پھول تھے دامن میں کوئی خار نہ تھا
عالمِ حُسن کے جلوے تھے مری نظروں میں — جنسِ اُلفت کا سوا میرے خریدار نہ تھا
کیسی راحت میں شب و روز بسر ہوتے تھے — شعلۂ آہ نہ تھا، دیدۂ خونبار نہ تھا
محوِ نظارہ تھا عشرتکدۂ ناز میں دل — واقفِ درد نہ تھا، خوگرِ آزار نہ تھا
شوقِ آغوشِ تمنّا میں تھپکتا تھا مجھے — نفسِ سرد نہ تھا، دیدۂ خونبار نہ تھا
آئینہ خانۂ دل میں تھا وہی جلوہ فروش — عشق خود کام کو اندیشۂ اغیار نہ تھا
پردہ در ہوش نہ تھے، عقل خبردار نہ تھی — لاکھ اسرار تھے دل محرمِ اسرار نہ تھا
عشق اک راز تھا گنجینۂ دل میں پنہاں — ابھی رُسوائے سرِ کوچہ و بازار نہ تھا
نغمۂ شوق سے لبریز تھا ہر تارِ نفس — کون سا لُطف تھا دل جس کا سزاوار نہ تھا
خود نمائی پہ ہوا عشقِ خود آرا مائل — دستِ وحشت سے گریباں میں یہاں تار نہ تھا
ٹھوکریں کھائیں زمانے کی مصیبت جھیلی — کون آزار تھا میں جس میں گرفتار نہ تھا
دفعتاً دیدۂ دل وا ہوئے، چمکا اک نور — وہ سماں دیکھا کہ جس کے لئے طیار نہ تھا
بجلیاں ٹوٹ پڑیں، غش پہ مجھے غش آیا — آنکھ کھلتے ہی دو عالم سے سروکار نہ تھا
آخر کار ہوا رہبرِ دل، ذوقِ فنا — بند آنکھیں تھیں مگر خواب گرانبار نہ تھا

روح پرور یہ صدا آتی تھی کانوں میں اثرؔ
"ڈھونڈنے والے کو ملنا مرا دشوار نہ تھا"

کہہ رہا ہے فسانہ اُلفت کا   رنگ بگڑا ہوا طبیعت کا
سانس بھی لے سنبھل کے اے ناداں   سخت نازک ہے رشتہ اُلفت کا
خوگرِ درد ہو اگر انساں   رنج میں بھی مزا ہے راحت کا
تیرے کوچے کے رہنے والوں کو   سامنا روز ہے قیامت کا
مستِ ناز ایک جنبشِ ابرو   ٹوٹ جائے طلسم حیرت کا
پرِ پروانہ، شمعِ افسردہ   یہ خلاصہ ہے بزمِ عشرت کا
میں سمجھتا تھا شوق ہے دل میں   ہمنشیں داغ تھا وہ حسرت کا
میری حیرت، تری خموشی نے   فاش پردا کیا محبت کا

کیوں مزارِ اثرؔ پہ جاتے ہو
بجھ گیا خود چراغ تربت کا

جب دل گداز عشق کی امداد سے ہوا   جو لطف سے وہی تری بیداد سے ہوا
خوں بستہ آنکھیں کیا کروں بتلائے جائیے   گریہ تو ضبط آپ کے ارشاد سے ہوا

اس کی حیات اُسکے لئے تازیانہ ہے — غافل جو بد نصیب تری یاد سے ہوا

دونی ہوئی خلش مژہ تیز تیز کی — سودا زیادہ نشتر فصاد سے ہوا

گلشن کو پھونک دے قفس تن کو توڑ دے — نالہ نہ ایسا مُرغ چمن زاد سے ہوا

پھرتا ہوں میں بغل میں گلستاں لئے ہوئے — ہر داغ دل کا پھول تری یاد سے ہوا

پھولوں کے بدلے ڈالدی ایک ایک مشت خاک
جب میں روانہ گلشن ایجاد سے ہوا

مرے دل میں چھپ چھپ کے آنے لگا — وہ پردے میں جلوہ دکھانے لگا

مرا ضبط سب خاک میں مل گیا — وہ خود رو کے مجکو رُلانے لگا

ذرا دیر میں نیند آجائے گی — کہ اب درد پہلو دبانے لگا

میں بیگانہ سب سے ہوا جب تو وہ — مجھے دیکھکر مُسکرانے لگا

تری مصلحت میں کسے دخل ہے — بنانے لگا جب مٹانے لگا

وہ گزرا ادھر سے جو بیگانہ وار — چراغ سحر جھلملانے لگا

بہت راز اُلفت چھپایا اثرؔ
مگر رنگ اُڑ کر بتانے لگا

دوست سمجھے جسے نکلا وہی دشمن اپنا
بزمِ دنیا سے اُٹھے جھاڑ کے دامن اپنا

حیف اے جوشِ جنوں ہوش ہے اتنا باقی
کہ گریباں ہے یہ اور یہ دامن اپنا

چٹکیاں دل میں وہ لیتا ہے عجب شوخی سے
مجکو دکھلا کے چُھپا کرتا ہے دامن اپنا

دل جلے چھیڑ کے، بجلی سے کہا کرتے ہیں
ہاتھ جل جائے جو چھُو لے کوئی دامن اپنا

ہو بُرا شوق کا جو ہاتھ میں رعشہ ڈالا
ہمنشیں اُس نے تو کھینچا نہیں دامن اپنا

خارِ حسرت کی خلش، وہ بھی رہے یا نہ رہے
کبھی پھولوں سے بھرا رہتا تھا دامن اپنا

لوٹا جاتا تھا گریباں کبھی دامن پہ اثرؔ
اب گریباں کی طرف کھنچتا ہے دامن اپنا

دیدۂ تر ہے مرا رشکِ صد ابرِ بہار
اشکِ رنگیں سے ہوں میں آپ ہی گلشن اپنا

دل سے جو شعلہ اُٹھا دل ہی کو اُس نے پھونکا
ہے یہی برق، یہی وادیٔ ایمن اپنا

کوئی اس سمت سے نکلا بھی تو بچ کر نکلا
عبرتِ دہر کا آئینہ ہے مدفن اپنا

صحنِ گلشن میں جو بکھرے ہوئے کچھ تنکے ہیں
رشکِ گلزار اثرؔ تھا وہ نشیمن اپنا

بیکسی دشت نوردانِ محبت کی نہ پوچھ   ٹوٹی جو قبر ملی کر لیا ماتم اپنا
تم جو گلشن میں گئے نور کے موتی برسے   ہار بکھرا ہوا چننے لگی شبنم اپنا
حسن اور عشق میں نازک ہے بہت فرق اثرؔ
وہی عالم ہے مگر اور ہے عالم اپنا

حدِ ضبطِ گریہ کو یوں آزمانا ہی نہ تھا   سنگدل کو ماجرائے دل سنانا ہی نہ تھا
بیخودی تھی عشق کی پردہ درِ عقل و حواس   ایک عالم تھا جہاں کوئی زمانا ہی نہ تھا
خود ہوا صیاد صید اپنی نگاہِ ناز کا   اور باقی کوئی عالم میں نشانا ہی نہ تھا
کس طرح سمجھے کوئی یہ رازِ مرگ و زیست اثرؔ
جب مٹانا تھا تو پھر ہم کو بنانا ہی نہ تھا

تو روشنیِ دیدۂ بیدار ہو گیا   عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا
دل ایسا محوِ لذتِ دیدار ہو گیا   احساسِ زیست بھی مجھے دشوار ہو گیا
اک روز فرطِ یاس سے آنسو بھر آئے تھے   اتنی سی بات پر میں گنہگار ہو گیا
شوخی سے اُسنے بات کا لہجہ بدل دیا   اقرار لب تک آتے ہی انکار ہو گیا
ہے اُنکا شوق برق کے پردے میں مضطرب   موسیٰ سمجھ رہے ہیں کہ دیدار ہو گیا!

نے مسکرا کے سوئے دل نگاہ کی　　ہر داغ آرزو گل بے خار ہو گیا
کے دن گزر گئے پھر بھی ہیں منتظر　　کچھ ہم کو انتظار کا آزار ہو گیا
فروشیاں تھیں باندازِ دلبری　　دیوانہ وار میں بھی خریدار ہو گیا
نے تو بعض اہلِ نظر سے یہی سنا　　انساں کے بھیس میں ترا دیدار ہو گیا

یہ کیف بے خودی بھی عجب کیف ہے آثر
بیہوش جو ہوا وہی ہشیار ہو گیا

نے ہر اک محفل کو برہم کر دیا　　جس طرف آنکھ اٹھ گئی اک ہو کا عالم کر دیا
ورش کی، غم سے الفت ہو گئی　　درد دل نے بڑھتے بڑھتے درد دل کم کر دیا
رشموں کا تھا منظور امتحاں　　شوق نے پنہاں ہر اک ذرّے میں عالم کر دیا
خیال دوست سے تھا ہمکنار　　بیخودی نے بزم محویت کو برہم کر دیا
گوش دل سے وہ صدائے جاں نواز　　فاصلہ منزل کا جذب شوق نے کم کر دیا
جائے یارب بیکسی کا شوق بھی　　تیغ اُس نے روک لی، یوں میں نے سر خم کر دیا
جسکے ارماں صرف ماتم ہو گئے　　ہائے وہ محفل غموں نے جس کو برہم کر دیا
ں ہنگامہ آرائی سے آخر کیا ملا　　اک لہو کی بوند کو دل کہہ کے عالم کر دیا

اپنی وفا نہ اُن کی جفاؤں کا ہوش تھا کیا دن تھے جبکہ دل میں محبت کا جوش تھا
صورت بھی دیکھے اور تری باتیں بھی سُن سکے گُل چشم شوق بن کے طلبگار گوش تھا
ہر جلوہ ایک پردہ تھا، ہر دل تھا اک حجاب بیگانگی کا بزم تمنّا میں جوش تھا
سازِ حیات بند تھا، دم تھے رُکے ہوئے اُس جلوہ گاہِ ناز میں جو تھا خموش تھا
ناکامیوں کی باغ تمنّا میں تھی بہار گُل ریزہ داغ دل تھے، جگر گُل فروش تھا
دونوں کو اک نگاہ پہ قربان کر دیا دل جان کا عذاب تھا، سر بارِ دوش تھا

کی صرف ہم نے عمر، سمجھنے میں رازِ عشق
طاعت گزار ہوتے کہاں اتنا ہوش تھا

شب غم سینہ اس قدر کوٹا کہ ستارا سا چرخ سے ٹوٹا
میں نے بے اختیار دل تھاما کلی چٹکی، کہ آبلہ پھوٹا
پتّا پتّا ہے مظہرِ قدرت شاہدِ حق پسند ہر بوٹا
شوق نے چھین لی متاعِ خرد دل کو تیرے خیال نے لوٹا

چشمِ مخمور سچ بتا، دل کو
تو نے توڑا کہ آپ سے ٹوٹا

جس نے دیکھا وہ دیکھتا ہی رہا ۔ اُف وہ عالم تری جوانی کا
کر دئیں کیوں مبل رہے ہیں حضور ۔ ابھی آغاز ہے کہانی کا
آرزوؤں کا خون ہو جانا ۔ یہی حاصل ہے زندگانی کا

دل تھا پہلو میں، دل میں ہمت تھی
ذکر یہ ہے اثرؔ جوانی کا

دل صید گہ عشق میں بسمل نہ ہو کیونکر ۔ پیکا تری آنکھوں کو ہے ناوک فگنی کا

ہر غنچہ ہے تصویر تری کم سخنی کی
ہر گل ہے مرقع تری نازک بدنی کا

اس لطف سے لوٹا دل دیوانہ ہمارا ۔ منھ بزم میں تکتا رہا پیمانہ ہمارا
فریاد ہے فریاد کہ چھوٹا سر منزل ۔ بیتاب تمنا دل دیوانہ ہمارا
سب حسن کا قصہ ہے جو قصہ ہے تمھارا ۔ سب عشق کا افسانہ ہے، افسانہ ہمارا
واقف نہ ہوئے لذت دردِ جگری سے ۔ اک آہ میں لبریز تھا پیمانہ ہمارا

ہم روتے رہے حال دل زار پہ اپنے
ہنس ہنس کے وہ کہتے رہے افسانہ ہمارا

وہی اُن سے کہہ رہا ہوں کہ جو اُن کا مدعا ہے   نہیں مثلِ دل زباں پر بھی اب اختیار اپنا
جسے دستِ جورِ گلچیں نے سمجھ کے پھول توڑا
وہی آشیاں اثرؔ تھا سرِ شاخسار اپنا

مثالِ برگِ خزاں رسیدہ ہوا ہے زرد آفتاب کیسا
مگر قیامت قریب آئی، کھلا ہے بندِ نقاب کیسا
دلِ ستمکش کو بجلیوں کا خزانہ جس نے بنا دیا ہے
تری نظر میں نہاں تھا ظالم یہ محشرِ اضطراب کیسا
کبھی ہے تکیہ ترے کرم پر، کبھی ہے خوفِ عتاب دل میں
یہی ہے جنت، یہی ہے دوزخ، عذاب کیسا، ثواب کیسا
میں اُن کے جلووں کا آئنہ ہوں وہ میری حیرت کا آئنہ ہیں
جہاں یہ عالم ہو محویت کا، سوال کیسا، جواب کیسا
بجائے مے یاد میں کسی کی پیا ہے خونابِ دل وگرنہ
تمہاری آنکھوں سے آج ٹپکا اثرؔ یہ رنگِ شراب کیسا

ایک دلچسپی کا ساماں سعیِ لاحاصل میں تھا — دور تھا منزل سے ورنہ جو قدم منزل میں تھا

عکس افگن جلوۂ جاناں نہ میرے دل میں تھا — دل مرے پہلو میں تھا یا آئینہ محفل میں تھا

بے نیازی طور پر تھی مائلِ راز و نیاز — کس قدر انداز دلکش لکنتِ سائل میں تھا

سلب تھی قوت تڑپنے کی تڑپتا کس طرح — ایک دل میں دوسرا خنجر کفِ قاتل میں تھا

اللہ اللہ جستجوئے دوست کی رنگینیاں — اک دلِ خوں بستہ ہر نقشِ قدم منزل میں تھا

شوق کے ہاتھوں اثر کیا کیا نہیں کھائے فریب
دل وہی تھا جس کو میں سمجھا کہ میرے دل میں تھا

وفا کا سیکھ لے تم سے کوئی صلا دینا — بجائے فاتحہ نقشِ لحد مٹا دینا

یہ امتیاز محبت میں اے جنوں کیسا — دل و جگر کی حدیں تو ذرا ملا دینا

خدا سے حشر میں وہ دادخواہ کیونکر ہو — کہ جس کا ورد تھا بیداد پر دعا دینا

ہر ایک حسرتِ مردہ میں پھر سے جان آ گئی — غضب تھا نزع میں کافر کا مسکرا دینا

کسی کا ہائے یہ کہنا اثر سے وقتِ وداع
جو ہو سکے تو ہمیں دل سے تم بھلا دینا

یہ ابر تیرہ اور یہ سماں لالہ زار کا   لوٹے رہا ہے حسن عروس بہا

خمخانۂ نشاط ہیں وہ سرخ انکھڑیاں   انگڑائیوں میں عطر کھنچا ہے خما

پُر کیف کس قدر ہے شکر کی گفتگو   ساغر چھلک رہا ہے مے خوشگوا

قائم ہے ایک رنگ پہ گردش زمانے کی   آنکھوں کو جب سے روگ ہوا انتظا

وعدے کا تیرے ہو بھی اگر دل کو اعتبار / کیا اعتبار زندگیِ مستعا

کیونکر ہو آشکار یہ راز نمود و بود
کس طرح توڑیئے یہ طلسم اعتبار کا؟

عشق میں ننگ ہے شرمندۂ درماں ہونا   حاصل درد ہے وقف غم پنہاں

مژدہ دیتا ہے دو عالم سے سبکباری کا   میری جمعیت خاطر کا پریشاں

مژۂ تر نے مرا خون جگر کھینچ لیا   ورنہ ہر زخم سے پیدا تھا گلستاں

ابتدا عشق کی کیونکر ہوئی، کچھ یاد نہیں ✓ انتہا اسکی ہے سرگشتہ و حیراں

یاد آتا ہے وہ عالم شب تنہائی کا   کثرت داغ سے پہلو میں چراغاں

جلوۂ گل نے مجھے نقش بدیوار کیا   خندۂ گل نے سکھایا مجھے حیراں

جذبۂ شوق میں تھا خون تمنا مضمر   ورنہ دشوار تھا انسان کا انساں

ہائے وہ منتظرِ وعدہ کہ سو بار جسے   سوئے در دیکھنا اور دیکھ کے حیراں ہونا

دفترِ عشق کا دیباچۂ رنگیں ہے اثرؔ
داغ کا درد کے پردے میں نمایاں ہونا

دیکھی جنوں آبلہ پائی مری ؟   دشت کا دشت آبلہ پا ہو گیا !

میرے مسیحا یہی کیا تھا علاج   پہلے سے بھی درد سوا ہو گیا

لے لیا دل، مڑ کے نہ دیکھا ادھر
جاؤ تمھارا ہی بھلا ہو گیا

ہنس کے وہ پوچھتے ہیں اور ہیں ارماں کیا کیا   حالِ دل کہہ کے ہوا ہوں میں پشیماں کیا کیا

نفس سرد بھی ہے، درد بھی ہے داغ بھی ہے
اور درکار ہے اے شامِ غریباں کیا کیا

دل پردہ دار جذبۂ کامل نہیں رہا   لیلیٰ وہی ہے آہ وہ محمل نہیں رہا

اتنی تری تلاش میں کھائی ہیں ٹھوکریں   کچھ امتیاز جادۂ و منزل نہیں رہا

سچ ہے کہ تم وہی ہو، وہی دلنوازیاں   وہ میں نہیں رہا وہ مرادل نہیں رہا

منشائے جستجو تھا فقط ترکِ آرزو   میں تشنہ کام کب لبِ ساحل نہیں رہا

ماتم میں غریب کے تری زلفیں بکھر گئیں — اب کچھ حیات و مرگ کا حاصل نہیں رہا

لو اُن کو شوقِ جلوہ نمائی ہوا اثرؔ
آئینہ جب کہ دید کے قابل نہیں رہا

چلتے چلتے اس طرح محفل میں ساغر رہ گیا — میں اِدھر ساقی اُدھر حیران و ششدر رہ گیا

الاماں جوشِ تمنّا، الحذر ذوقِ تپش — آبلہ بن کر دلِ سوزاں میں نشتر رہ گیا

کون سی وہ آنکھ ہے جو آج نم دیدہ نہیں — اب فقط عالم ڈبونا دیدۂ تر رہ گیا

کہہ گئی یہ سوے در اُٹھ کر نگاہِ واپسیں — موت کے پردے میں کوئی راز مضمر رہ گیا

تکیۂ دیوارِ جاناں عمر بھر کافی ہوا
جس طرح لیٹا ہوا تھا اپنا بستر رہ گیا

معمورِ تجلی سے حیرت کدۂ دل تھا — آئینہ تھا پہلو میں، آئینہ مقابل تھا

گلہائے نظارہ سے خالی تھے ابھی دامن — وہ آپ تماشائی اور آپ ہی محفل تھا

ناکامیٔ حسرت پر سر پیٹتی تھیں موجیں — کشتی تھی تلاطم میں اور سامنے ساحل تھا

پیمانِ محبت کو یوں دل سے بھلا دینا — تیرے لئے آساں ہو، میرے لئے مشکل تھا

کیا لطفِ صبوحی تھا اُس نور کے تڑکے میں — سرخوش تھا اُدھر ساقی، سرشار اِدھر دل تھا

جینے کے لئے مرنا، مرنے کے لئے جینا — آتا ہے یہ آساں تھا مشکل ہے یہ مشکل تھا

مژگاں سے جو دامن تک مشکل سے اثر پہنچا
یہ خون کا اک قطرہ سنتے ہیں کبھی دل تھا

آپ بک جائے کوئی ایسا خریدار نہ تھا — میرے یوسف کے لئے مصر کا بازار نہ تھا
خوں ہوا، اشک بنا، اور مژہ سے ٹپکا — دل کہ لذت کش رنگینیٔ انکار نہ تھا
مبتلا ہوں ترا جب سے صنم کفر فروش — زلف تا دوش نہ تھی، دوش پہ زنار نہ تھا
قصۂ طور کبھی گوش حقیقت سے سنو — شوق دیدار بجز حسرت دیدار نہ تھا
غازۂ چہرۂ گل، نقش و نگار ہستی — کوئی قطرہ دل خوں گشتہ کا بیکار نہ تھا
خون ناحق میں مرے ہاتھ ڈبونے والے — کہنے والے یہی کہتے ہیں، سزاوار نہ تھا

لذت درد سے واقف تھا دل زار اثر
ورنہ مرجانا ترے ہجر میں دشوار نہ تھا

منشا نہیں کچھ اور پریشاں نظری کا — آئینہ ہے مشتاق تری جلوہ گری کا
اُٹھ منزل ہستی سے لئے داغ تمنا — اس راہ میں توشہ ہے یہی رہگزری کا
انگڑائیاں لیتے ہوئے وہ نیند سے اُٹھے — کہتا ہے مہکنا یہ نسیم سحری کا

میں اور ترے حسن خود آرا کا نظارہ   یہ بھی ہے مگر شعبدہ جادو نظری کا

کیا صبح شب ہجر تھا حال دل مضطر   بجھتا کبھی دیکھا ہے چراغ سحری کا؟

اے برق تجلی تری شوخی کے تصدق   بیہوش کو الزام دیا بے خبری کا

میں چہرۂ فطرت سے نقاب آج الٹ دوں
انجام اگر خوب نہیں پردہ دری کا

ادھر تھا جوش سجدوں کا، ادھر سینے میں طوفاں تھا   کبھی زخمی تھی پیشانی، کبھی ٹکڑے گریباں تھا

دل آوارہ منزل در و جس کا میر ساماں تھا   کبھی وسعت میں صحرا تھا، کبھی تنگی میں زنداں تھا

ہر اک غنچے کو ڈھالا جس نے قالب میں نزاکت کے   ترا رنگ گل عارض وہ معمار گلستاں تھا

تماشا ہے نگاہ شوق سے اس کو حجاب آیا   وہ نور سرمدی جو لاکھ پردوں میں نمایاں تھا

خبر کوئی نہ لایا انتہا کی، اس طرح الجھا   کچھ ایسا داستان عشق کا دلچسپ عنواں تھا

نہ پوچھو خانہ ویرانی کسی حسرت بھرے دل کی   نظر جس سمت اٹھتی تھی بیاباں ہی بیاباں تھا

سلام آخری اس کی طرف سے اے چمن والو   قفس جس کا نشیمن تھا، قفس جس کا گلستاں تھا

دل بیتاب خسرو مجھکو وہ عالم دکھا لایا   جہاں سرشار تھے جلوے، نظارہ گل بداماں تھا

وہ مرگ بیکسی جس میں کفن پایا نہ لاش اٹھی   اجل مجھ سے پشیماں تھی، اجل سے میں پشیماں تھا

غضب تھا لیسکے انگڑائی کسی کا مسکرا دینا　　مثالِ ماہِ نو ہر داغ دل کی آتش بداماں تھا

وہ اک جذب سکوں جس پر حیاتِ جاوداں صدقے
اثرؔ اس زندگی کا راز مر جانے میں پنہاں تھا

ان کو ملال ہوتا یا انفعال ہوتا　　اس مرگ بیکسی کا کچھ تو مآل ہوتا

لاتے نہ تاب لاتے تم جلوہ تو دکھاتے　　اچھا برا جو ہوتا اس دل کا حال ہوتا

دشوار ہے وہ آئیں اے شمع قبر گل ہو　　کیوں خاک میں ملاتے جو کچھ خیال ہوتا

ممکن نہ تھا چمن سے فصل بہار جاتی　　تیری طرح جو گل بھی صاحب جمال ہوتا

پچھتا رہا ہوں کیا کیا، کیوں چپ رہا وگرنہ
سو سو جواب ملتے جو اک سوال ہوتا

اُٹھائیں ٹیسیں، گھٹا کیا دم، مگر نہ اُف کی، نہ سینہ کوٹا
خدا خدا کر کے شب کی اُلجھن میں آبلہ دل کا خود ہی پھوٹا

گلوں کی نکہت میں نیرا بستر، تجھی سے بادِ سحر معطر
مگر نزاکت میں تیرا ہمسر نہ کوئی غنچہ، نہ کوئی بوٹا

نقاب رُخ سے اگر اٹھائی تو منہ کو ہاتھوں سے پھر چھپایا
ادا نے بجلی گرائی دل پر، حیا نے صبر و قرار لوٹا

بُرا ہو اس مرگِ بیکسی کا کہ نام رسوا ہے عاشقی کا
سُنا کسی نے تو ہنس کے ٹالا، مگر نہ اشکوں کا تار ٹوٹا

وہی ہے شورش، وہی ہے کاوش، نہ ہوش مجکو، نہ صبر دل کو
جنوں تو دیکھو! وصال میں بھی نہ شغلِ سعیٔ وصال چھوٹا

بہت ہی حضرت کو طیش آیا، مگر بجز صبر کیا تھا چارہ
اثر کو محفل میں رات اُس نے، کسی پہ رکھکے بنایا جھوٹا!

بیخودی ہنگامہ آرا تھی، جنوں کا جوش تھا
نعرۂ مستانہ گلبانگ وداعِ ہوش تھا

کسقدر بیگانۂ راحت دلِ غم کوش تھا
سازِ ہستی ایک آہ سرد میں خاموش تھا

دیکھنا شوخی کہ ساقی کب ہوا ظرف آزما
جس گھڑی چھلکا ہوا پیمانۂ مینوش تھا

ہجر کی راتیں وہ سناٹا، وہ اُلجھن وہ خلش
اور نالہ ضعف سے مُہرِ لبِ خاموش تھا

محفلیں سُونی پڑی ہیں اب وہ ہنگامے نہیں
ایک دیوانے کے دم تک سب خروش و جوش تھا

دل کے پردوں میں ابھی تک جنبشِ مستانہ ہے
جلوۂ سرشار تیرا، نغمۂ خاموش تھا

مے پرستی چھوڑ کر کیا کیا ہوا ہے انفعال ـ ایک جامِ بیخودی کفارۂ صد ہوش تھا
کشمکش میں آرزوئیں صرفِ حرماں ہو گئیں ـ میں رہینِ لذتِ غم دل تمنا کوش تھا
جسکے دل میں جسقدر تھا ذوقِ مستی، رہ گیا ـ محفلِ ساقی میں ہر اک بے پئے مدہوش تھا
انتظارِ ساقیِ مہوش کی عشرت کچھ نہ پوچھ ـ دل وفورِ شوق سے جامِ مے سرجوش تھا
ختم کر اب سعیٔ بیجا خامۂ لغزش خرام ـ ہو چکا جو کچھ رقم ہونا تھا جبتک ہوش تھا

تم فریبِ شوق سے جلوہ جسے سمجھے اثر
دیدۂ حیراں خود اپنے عکس کا آغوش تھا

ذوق کامل ہو اگر چشمِ تماشائی کا ـ اک کرشمہ ہے یہ دہر اسکی خود آرائی کا
دیدۂ انجم و گل نے بھی نہ دیکھا ابتک ـ دل سے بہتر کوئی جلوہ تری رعنائی کا
اس لئے مائلِ کثرت ہوئی وحدت تیری ـ یہ نہ سمجھے کوئی پابند ہے یکتائی کا
عشق کے ساتھ بڑھی لذتِ دردِ جگری ـ کام کرتا رہا آزار مسیحائی کا
بیخودیٔ شوق کی جب تھی چمن آرائے خیال ـ عالمِ وصل تھا عالم شبِ تنہائی کا
اک فقط میں ہی نہیں کشتۂ اندازِ خمار ـ گل ہے خمیازہ کشِ ابتک تری انگڑائی کا
بے محابا جو الٹ دے کوئی چہرے سے نقاب ـ بھری محفل پہ گماں ہو ابھی تنہائی کا

نگہ ناز نے دنیا ہی وہ برہم کردی سلسلہ قطع ہوا دل سے شکیبائی کا
زردیٔ رُخ پہ فدا ہوتی تھی رہ رہ کے بہار قابل سیر تھا عالم ترے سودائی کا
آچکی نیند اب انگڑائیاں لینے والے مر گیا جاگنے والا شب تنہائی کا
گامزن راہ ترقی میں کس و ناکس ہیں ہمکو رونا ہے وہی عزت آبائی کا!

تنگ صحرائے جنوں، عرصۂ ہستی کوتاہ
رہ گیا شوق اثرؔ بادیہ پیمائی کا

شوق جب حد سے بڑھا درد ہوا حاصل درد دم سرد ہوا
زندگی عشق میں بس اتنی تھی آہ کی، زرد ہوا، سرد ہوا

مٹنے پر بھی دل بے تاب اثرؔ
جو نہ بیٹھی کبھی، وہ گرد ہوا

سینہ کاوی کا ہوش پھر آیا اب طبیعت بحال ہے گویا
رخصت مرگ بھی نہیں دیتے
کچھ اثرؔ کا خیال ہے گویا!

دل چھین کے وہ دشمن آرام سدھارا　　منھ دیکھتا ہی رہ گیا میں درد کا مارا

سرگرم سفر ہوں، کوئی رہبر ہے نہ ساتھی
لے دوریِ منزل سے فقط تیرا سہارا

اُس شوخ کی الفت سے باز آ دل آخر اب بھی　　آثار یہ کہتے ہیں، انجام نہیں اچھا

نتیجہ کچھ تو کوشش کا تری اے چارہ گر نکلا　　لئے سینے سے دل اُس شوخ کا تیرِ نظر نکلا

کسی کے شکوۂ بیجا پہ منھ سے اُف نکل جائے　　بس اک دم بھر کو اے دل ضبط کا پردا اُٹھا دینا

موجِ گل کی روانی گردش تھی　　وہ لٹکنا زخمِ دامن دار کا

چند قسمیں جنوں کی ہیں ناصح　　تجکو سودائے وعظ و پند ہوا!

بیخودی پردہ دار غفلت ہے　　غم اُٹھانے کا حوصلہ نہ رہا

بھولنے والے کو شاید یاد وعدہ آ گیا　　مجکو دیکھا، مسکرایا، خود بخود شرما گیا
حشر تک سوزِ غمِ پنہاں سے چھٹکارا نہیں　　بجھ نہیں سکتا وہ شعلہ تو جسے بھڑکا گیا
رنج و راحت کا مجھے احساس کیا ہو ہمنشیں
دل تھا اک غنچہ، کھلا، اور کھلتے ہی مرجھا گیا

نگاہ میگوں سے تیری ساقی خبر لے دل کا حباب ٹوٹا
بھری تھی جس میں شرابِ اُلفت وہ ساغرِ لاجواب ٹوٹا

برق پاش حسن کبتک یہ حجاب　　دے رہی ہیں اب مری آنکھیں جواب
موت کو سمجھا مآلِ زندگی　　خواب میں دیتا رہا تعبیرِ خواب
آبلے دل کے بہے یوں پھوٹ کر　　جس طرح دریا میں اُٹھ اُٹھ کر حباب
پھول سجدے میں گرے، شاخیں جھکیں　　دیکھ لے گلشن میں تجکو بے نقاب
عقل شل ہے پائے ہمت مضمحل　　اللہ اللہ اے مرے عالی جناب!
نیند کیا آئے مجھے اے ہمنشیں　　لے گیا اک شوخ چشم آرام و خواب
اس میں پنہاں ہیں رموزِ بیخودی　　تیری خاموشی پہ میرا اضطراب

اُس کی چشمِ فتنہ زا کا ہے اثر
ایک ادنیٰ سا کرشمہ آفتاب

یادگارِ سرورِ دوشینہ　　میری آنکھوں میں کچھ خمار ہے اب
درد نے روحِ تازہ پیدا کی
بیقراری ہی میں قرار ہے اب

تیری نگاہ میکش میخانۂ محبت　　میرا دلِ شکستہ پیمانۂ محبت
تم جب اسے سنو گے سر پیٹ کے دھنو گے　　پُر درد اس قدر ہے افسانۂ محبت
مخمورِ چشمِ ساقی پہنچا بھی کب کہ جس وقت　　معمور ہو چکا تھا خمخانۂ محبت
میں نے کہا جو اُس سے دل قدر کے ہے قابل　　کافر نے توڑ ڈالا پیمانۂ محبت
دل کو گداز کر کے، سینہ فگار کر کے　　آیا ہے تیرے در پر دیوانۂ محبت
تو نورِ بزمِ عرفاں، میں سوزِ قلبِ عاشق　　تو شمعِ حسن اور میں پروانۂ محبت
اک حرفِ آرزو کا منہ سے نکل گیا تھا،　　وہ بن گیا جہاں میں افسانۂ محبت
لوحِ وفا پہ دل نے لکھا ہے یہ معما　　قربانیٔ تمنا، شکرانۂ محبت
یہ آبلے نہیں ہیں دلمیں اثر کے ظالم　　ارمان بن گئے ہیں دُردانۂ محبت

مجکو قرار آئے تو اب آئے کس طرح پہلو سے وہ چلے گئے، دل جائے جس طرح

ایک ناکام تمنا ایک محرومِ وصال وائے قلبِ ناتواں، ہیہات جانِ مستمند
جل گئے یوں شامِ غم مل کر بہم قلب و جگر شمعیں دو روشن تھیں لیکن ایک شعلہ تھا بلند

تاج تھا نور کا اُن کے سر پر سر جھکائے تھے جو تیرے در پر
نہ ہے جسم ہستیٔ بیمارِ فراق ایک پرچھائیں سی ہے بستر پر
آتش خستہ جگر آیا ہے
مانگنے بھیک تمہارے در پر

عقل ہے دنگ اے کریم تیرا شعار دیکھکر بخش دئے مرے گنہ اُن کا شمار دیکھکر
بام پہ تو جو آگیا، شرم سے چاند کٹ گیا رنگ شفق کا اُڑ گیا تیرا سنگار دیکھکر
ساقی و بزم مے نہیں، مطرب و چنگ و نے نہیں روؤں نہ زار زار کیوں ابر بہار دیکھکر
مرنے کے بعد بھی ذرا چین نہ قبر میں ملا اُس نے مجھے جگا دیا سوئے مزار دیکھکر
چاک ہوئی قبائے گل باد سحر کی چھیڑ سے مست ہر ایک نخل ہے جوش بہار دیکھکر

شورشِ دل نے لے اثر کیا کہوں کیا مزا دیا
اُس نے نمک چھڑک دیا، سینۂ فگار دیکھ کر

وہ اُداسی چھائی تھی جیسے بھرا گھر لُٹ گیا   آج ہم بھی رو دیئے حالِ دلِ ناشاد پر
ایک ایسی مست آئی صحنِ گلشن میں بہار   پڑ گئے غفلت کے پردے دیدۂ صیاد پر
وہ بھی کیا دن تھے کہ تالو سے زباں لگتی نہ تھی   نالے پر نالے تھے اور فریاد تھی فریاد پر

یوں مصیبت میں نمایاں جوہرِ ذاتی ہوئے
نقش اُبھریں جس طرح تیزاب سے فولاد پر

پلٹ آ کیا حرم کو جا رہا ہے باخبر ہو کر   کسی کی راہ میں مٹ جا نشانِ رہ گزر ہو کر
سنو نے والے ایسی بھی کوئی تدبیر ممکن ہے؟   کہ تجھ کو دیکھ لوں جی بھر کے دل سے بے خبر ہو کر
تکلف برطرف بیکار ساری پردہ داری ہے   کہیں رہتا ہے جذبِ شوق پابندِ نظر ہو کر
وہی سرمایہ دارِ لذتِ بیداد پنہاں ہیں   جگر میں رہ گئے جو تیر پیوندِ جگر ہو کر
نہ مجھ کو تابِ گویائی نہ اُن کو ذوقِ شنوائی   ہوا ختم ایک آنسو پر فسانہ مختصر ہو کر
اُداسی بڑھ گئی کچھ اور بھی گورِ غریباں کی   وہ گزرے شل بگا جو گزرے بھی اُدھر ہو کر
جنونِ قیس کامل تھا کہ دل میں تھی اثر لیلیٰ   اُڑائی خاک صحرا کی مگر آشفتہ سر ہو کر

دھوکا تڑا ہوتا ہے ہر اک رہگزری پر   کچھ سوجھتا انساں کو نہیں دل کی لگی پر

خود زیست ہے نمائش بیکار ہے یہ کاوش   موقوف رکھ فنا پر اس عقدے کی کشائش

کیا شان دلبری ہے جانوں پہ بن گئی ہے   در پردہ دشمنی ہے ظاہر میں ہے نوازش

سوز غم نہاں کی کرتا ہوں شرح، یعنی   آنکھیں ہیں اور نہ آنسو، چھالوں کی ہے نمائش

مقصود بن گئی ہے ناکامیٔ تمنا
حرماں پہ خندہ زن ہے محرومیٔ گزارش

تھا یہ مطلب کہ رہائی کی توقع نہ رکھو   مشت خاک اس نے اڑا دی مرے زنداں کی طرف

دل سے آوارگیٔ عشق کی لذت نہ گئی   کھینچ لایا ہے مجھے عالم امکاں کی طرف

عبرت دہر کا اک دفتر پُر معنی ہے
کبھی دیکھو تو اثر گور غریباں کی طرف

جلسئے جائیے بس ہو چکی غمخواریٔ دل   جان کے ساتھ ہی اب جائیگی بیماریٔ دل

میں ہوں پابند محبت مرا مذہب یہ ہے
کہ ہے آسائش کونین شکباریٔ دل

جلوۂ حسن سے معمور ہے کاشانۂ دل — ایک عالم ہے پرستارِ صنمخانۂ دل

مدعا تھا وہی میں جسکو وسیلہ سمجھا — کوئی سمجھا بھی نہ ہو عشق میں بیگانۂ دل

یہ شرف کم نہیں اے آدمِ خاکی تیرا — اُس نے اپنے لئے تعمیر کیا خانۂ دل

یاد ایام کہ جب شوق کا یہ عالم تھا — اپنے ہی دل سے کہا کرتے تھے افسانۂ دل

ٹوٹے شیشے کی بھلا قدر کرے کیا کوئی
اے اثرؔ بزم سے لے جائیے پیمانۂ دل

ایک کافر کے مبتلا ہیں ہم — کہنے کو بندۂ خدا ہیں ہم

دل سے کہتے ہیں آرزو دل کی — شاید اپنا ہی مدعا ہیں ہم

آہ کس سے کہیں کہ ہم کیا تھے — سب یہی دیکھتے ہیں کیا ہیں ہم

موت میں زیست دیکھنے والو — دیکھ لو زیست میں فنا ہیں ہم

دمِ آخر بھی آپ کیوں آئے — جائیے جائیے خفا ہیں ہم

اب کرم کی بھی دل کو تاب نہیں
کس قدر کشتۂ جفا ہیں ہم!

اب وہی ہم ہیں کہ فریاد کیا کرتے ہیں — اک زمانہ تھا، جسے یاد کیا کرتے ہیں

خود بخود دل میں اسیری کی ہوس پیدا ہو — باتیں کس قہر کی جلاد کیا کرتے ہیں

جب نہیں رہتی اسیروں کو رہائی کی ہوس — ایسی حالت میں وہ آزاد کیا کرتے ہیں

کیا ہے خوشنودیٔ محبوب کوئی کیا جانے — باتیں کچھ دل سے سب ایجاد کیا کرتے ہیں

اب تو کچھ عرش کے آگے ہے تصور اپنا — اک جہاں اور ہم آباد کیا کرتے ہیں

ٹوٹ کے رہ گیا نشتر ہی رگ جاں میں اثرؔ

کیا یوہیں خاطر فصاد کیا کرتے ہیں؟

ان حسینوں کی نگاہیں فتنہ ساماں ہو گئیں — بجلیاں بن کر گریں اور دل میں پنہاں ہو گئیں

دل سے آنکھوں تک تھے جلوے آہ کیا کیا وصل میں — بستیاں یہ سب سحر ہوتے ہی ویراں ہو گئیں

نزع میں اک دوسری دنیا ہوئی پیش نظر — مشکلیں ہم تو سمجھتے تھے کہ آساں ہو گئیں

ہے ہر اک موج ہوا میں زلف کا سا پیچ و تاب — اس تکلف سے تری زلفیں پریشاں ہو گئیں

اس سے اندازہ مرے دل کے تلاطم کا کرو — چار بوندیں آنکھ سے ٹپکی تھیں، طوفاں ہو گئیں

اک زمانہ تھا کہ ہم تھے، دل تھا اور شوق وصال — اب وہ باتیں ہمنشیں خواب پریشاں ہو گئیں

کارفرمائے دو عالم ہیں ادائیں حسن کی — جزو ہستی بن گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

دل کے زخموں کی طرف اُلٹا بہا زہراب خوں — بند آنکھیں ضبط گریہ سے نمکداں ہو گئیں

تیری آنکھوں کا تصور محشر نظارہ ہے — آنکھیں ہی آنکھیں جدھر دیکھو نمایاں ہو گئیں

اللہ اللہ اس دل مجروح کی افسردگی — باغ میں کلیاں چٹک کر پھر سے کلیاں ہو گئیں

حسن یوسف میری نظروں میں سماتا ہی نہیں — وہ زلیخا کی نگاہیں تھیں کہ زنداں ہو گئیں

منتشر تھیں جلوہ آرائے ازل کی قوتیں — شوق خود بینی میں یکجا ہو کے انساں ہو گئیں

اب خراش سینہ کی ہمت کہاں باقی اثرؔ
دل جگر کی قوتیں صرف گریباں ہو گئیں

ضبط کی تاب نہیں، طاقت فریاد نہیں — آج تو ہی نہیں یا میں دل ناشاد نہیں

کیوں ادھر دیکھتی ہے رشک کی نظروں سے بہشت — یہ خرابات مغاں جنت شداد نہیں

چشم عبرت سے ذرا دیکھ سوئے بزم جہاں — اک عزا خانہ ہے جس میں کوئی دل شاد نہیں

آشنا درد کی لذت سے نہیں دل ورنہ — جس کو بیداد سمجھتے ہیں وہ بیداد نہیں

دل ہی قابو میں نہیں، چپ ہوں، وگرنہ صیاد — کون انداز فغاں ہے جو مجھے یاد نہیں

بدگماں کو ہے یقیں حوصلۂ غم نہ رہا — اور یہاں ضعف سے اب طاقت فریاد نہیں

اُس نے کس لطف سے پوچھا کہ اثرؔ کیسے ہو — بیخودی کا ہو برا کہہ دیا کچھ یاد نہیں"

ساتھ اک حشر کا ساماں لئے جاتے ہیں	جس لئے آئے تھے وہ کام کئے جاتے ہیں

سختیاں جھیل کے تکمیل محبت کیا خوب!	عشقبازی ہے اثر پیشۂ مزدور نہیں

تپش شوق کا یہ رنگ تھا اُس محفل میں	دل کھنچا آتا تھا آنکھوں میں کلیجا دل میں
ایک حسرت کے نکلنے کو نہیں کافی عمر	اور یہاں محشر حسرت ہے خدا یا دل میں
ڈھونڈتا تھا تجھے اور آپ کو پایا میں نے	میری ہی حسرت دیدار تھی میرے دل میں
نجد کے بادیہ پیما تری وحشت کے نثار	یہ تصور ہے ترا جلوہ نما محمل میں

کثرت جلوہ فقط عشق کی صناعی ہے
عالم حسن ہے اک عالم حیرت دل میں

لہراتے ہیں گیسو جو ترے رُخ پہ ہوا سے	سرگوشیاں ہوتی ہیں جوانان چمن میں

منصور کے نغمے پہ ہیں سب کان لگائے
اور عشق کی محفل ہے رچی دار ورسن میں

کیا قہر ہے کہ دل میں نہ تیرے اثر کریں
نالے جو اک زمانے کو زیر و زبر کریں

اک محشر خیال ہے، اک گلشن جمال
دل کو سنبھالیں یا ترے رُخ پر نظر کریں

یہ بات تو نہیں ہے کہ اُس کو خبر نہیں
ہم عرض حال آہ کس اُمید پر کریں

میرے تو اعتقاد میں اک جرم ہے دُعا
جب خود وہ عاصیوں پہ کرم کی نظر کریں

کھل جائے راز درد نہاں کا اگر اثرؔ
خود آرزوئے مرگ مرے چارہ گر کریں

یہ طریقہ تو کچھ نہیں احسن
ظاہرا دوست، باطناً دشمن

تیری تقلید میں زمانے سے
اُٹھتا جاتا ہے دوستی کا چلن

شاید اُفتادگی بلندی ہے
خاکساروں کا چرخ ہے دشمن

اُنکی حسرت کا آئنہ ہے خزاں
لے گئے جو ہوائے سیر چمن

بیکسی میں ترا نظیر نہیں
اے وطن، اے مرے غریب وطن

بذلہ سنجی میں تھا کبھی یکتا
اثرؔ مردہ دل، اسیر محن

سوزِ غمِ فراق سے جان لبوں پر آئے کیوں ✓ مرنے سے پہلے آدمی بس ہو تو مر نہ جائے کیو

زندگی ایک خواب تھی، خواب ہی میں بسر ہوئی کھلتے ہی آنکھ بند تھی، کچھ نہ کھلا کہ آئے کیو

منہ سے تو اپنے کہہ دے کچھ، میرے خلاف ہی سہی در سے ترے، ترے سوا کوئی مجھے اٹھائے کیو

تو ہی جو مہرباں نہیں سادہ ورق ہے زندگی حرفِ غلط ہے آرزو، دل نہ اسے مٹائے کیو

محشرِ انتظار میں دل کی بساط ہی تھی کیا

طالبِ دید سے اثر آنکھ نہ وہ چرائے کیوں

باقی تھا ایک ہوش سو وہ دے گیا جواب ✓ اب کوئی پردہ میرے ترے درمیاں نہ

میرا دیارِ عشق، مرا شہرِ یارِ عشق میرا گزر وہاں ہے جہاں آسماں نہ

اللہ یہ فراق کی شب ہے کہ روزِ حشر خود میرا دل بھی آج مرا ہمزباں نہ

یا تیرے جور اٹھانے پہ اس دل کو ناز تھا یا تیرے ناز اٹھانے کی تاب و تواں نہ

لذت کشانِ درد کو دردِ ہوش کی دوا

یہ مشق ہے ستم کی، ابھی امتحاں نہیں

ہم اپنا دردِ دل اک بے وفا سے کہنے والے نہ پوچھو کیوں کلیجا دونوں ہاتھوں سے سنبھالے ہیں

کہاں سے آئے، کیوں آئے، کہاں ہم جانے وا نہیں کھلتا، نہیں کھلتا فریبِ ہستیٔ فانی

نہیں شبنم کے قطرے پھول پتی اور سبزے پر — چمن آرا نے ہر سو موتیوں کے جال ڈالے ہیں
وہ دل جو خون ہو جائے، مے الفت کا ساغر ہے — وہ آنکھیں جو لہو روئیں چھلکتے دو پیالے ہیں
دماغ و دیدۂ و دل منزلیں ہیں اُسکے جلووں کی — یہ سب پاکیزہ گھر اُسکی نگہ کے دیکھے بھالے ہیں
عجب دلکش نظارہ ہے بکھرنا رُخ پہ زلفوں کا — جھروکوں سے ہزاروں مہ جبیں چہرے نکالے ہیں
اثرؔ کا ذکر سُنکر ہنسکے اُس کافر کا یہ کہنا
بڑے عابد، بڑے زاہد، بڑے اللہ والے ہیں!

آسماں سے کوئی لطف امتحاں ملتا نہیں — دل لئے پھرتا ہوں دل کا قدرداں ملتا نہیں
پوچھئے کس سے کہ منزل دور یا نزدیک ہے — کارواں ملتا ہے، میر کارواں ملتا نہیں
اک نظر نے تیری مجکو سب سے بیگانہ کیا — مہرباں ملتا نہیں، نا مہرباں ملتا نہیں
طے کیا اوج فضا کو روح تھک کر رہ گئی — آسماں ملتا ہے، تیرا آستاں ملتا نہیں
بتکدے میں دیکھ نیرنگ جمال دل فروز — یوں تو وہ غارتگر ایماں کہاں ملتا نہیں
شک نہیں کچھ تیری یکتائی میں اے پردہ نشیں — جسکو تو مل جائے پھر اُس کا نشاں ملتا نہیں
کس قدر ہمت شکن ہے مسلک اُلفت اثرؔ
رہبری کو نقش پائے رہرواں ملتا نہیں

کیا ہے جذبِ دل نے ہفدۂ کثرت کو وحدت میں — کہ قطرہ اور دریا ایک ہے چشمِ حقیقت میں

غنیمت ہے وطن کی یاد بھی اندوہِ غربت میں — وگرنہ کون کس کا ساتھ دیتا ہے مصیبت میں

ہر اک نقشِ قدم پر اپنے سو سو سجدے کر غافل — عبودیت اسی کا نام ہے سودائے الفت میں

تعجب کیا، سیہ بختی ہمارے کام آ جائے — سنا ہے ایک راحت کا بھی پہلو ہے مصیبت میں

دبے پاؤں قیامت فاتحہ خوانی کو آتی ہے — شبِ فرقت کا اک جاگا ہوا سوتا ہے تربت میں

ازل کی بزم افروزی فسانہ ہوتی جاتی ہے — ذرا پھر جلوہ آرا ہو شبستانِ محبت میں

ز ذوقِ شوق میں جو جس کا جی چاہے کہے ورنہ — ترا دیدار جنت ہے نہیں کچھ اور جنت میں

بھلا اے منکرِ اسرارِ حق اک بات میں پوچھوں — تمیزِ خوب و زشت آئی کہاں سے تیری فطرت میں

غنیمت ہے کہ دیوانوں کی پرسش ہی نہیں ورنہ — بجائے شور سناٹا تھا میدانِ قیامت میں

ہر اک خارِ الم نشتر سے بڑھ کر دل میں کھٹکے گا
قدم رکھنا سنبھل کے اے اثرؔ دشتِ محبت میں

عشق ہے ضبط آزما، او ہنسنے والے کیا کریں — ورنہ اک آن میں زمانے کو تہ و بالا کریں

دل کی خلوت میں کوئی ہے جلوہ فرما اس طرح — رشک کہتا ہے کہ اپنے آپ سے پردا کریں

طائرِ جاں کو پرِ پرواز ہے یہ قیدِ تن — ہم لیے پھرتے ہیں اپنے ساتھ زنداں کیا کریں

نالۂ جاں سوز کی تاثیر ہوں
خاک ہو جانے پہ بھی اکسیر ہوں

میں نہ ہوں تو وہم باطل ذہن ہے
اس پریشاں خواب کی تعبیر ہوں

مجھ میں پنہاں ہیں رموز معرفت
دفتر ایجاد کی تفسیر ہوں

وہ معما ہوں کہ جس کا حل نہیں
خود گرہ خود ناخن تدبیر ہوں

جس کا بننا اور بگڑنا ایک ہے
عاشق ناکام کی تقدیر ہوں

ناز کا تیرے مرقع حسن ہے
میں نیاز عشق کی تصویر ہوں

اس کی رحمت کو حیا آنے لگی
کس قدر آلودۂ تقصیر ہوں

ہمت افزا ہیں مری ناکامیاں
اے اثرؔ کیوں قائل تقدیر ہوں

اے بتو اہل دل کا پاس نہیں
ایک بھی تم میں حق شناس نہیں

واعظوں میں یہ رسم ہو تو ہو
مذہب عشق میں ہراس نہیں

شمع تجکو سحر مبارک ہو
ہمیں تو اس قدر بھی آس نہیں

ابھی ناکامیوں کی حسرت ہے
ابھی بدبختیوں سے یاس نہیں

کون یہ ہمکلام تھا مجھسے
ہائیں! کوئی بھی آس پاس نہیں!

شاعری کہتے ہیں اسی کو اثرؔ
لطفِ تخئیل ہے، قیاس نہیں

دل میں وہ درد نہیں، لذّتِ آزار نہیں
تجھ میں پہلی سی خلش اے نگہِ یار نہیں

خنجر و قاتل و مقتول نہ جبتک تڑپیں
کھیل لڑکوں کا ہوا عشق کی پیکار نہیں

اک نقطہ میں ہی نہیں حیرتیِ بزمِ جمال
کون مشتاق ہے جو نقشِ بدیوار نہیں

خونِ دل میں ہے آلودہ ہر اک تارِ نفس
رشتۂ عشق ہے یہ سبحہ و زنار نہیں

گھول دے جام میں ان مدبھری آنکھوں کا سرور
میرے ساقی ابھی مےکش ترا سرشار نہیں

ہاں طرحدار ہے تو بھی مگر اے شاہدِ گل
وہ جنوں خیز ترے لب نہیں، رخسار نہیں

نہ بلا سامنے اپنے کہ حیا آتی ہے
وہ خطاوار ہوں رحمت کا سزاوار نہیں

ہاتھ اُٹھتا ہی رہا سوئے گریباں اپنا
ہوش کب تھا کہ گریباں میں کوئی تار نہیں

ہر دو عالم کبھی ملتے تھے عوض میں جسکے
اب اسی دل کا کوئی مفت خریدار نہیں

خود بخود رُخ پہ بکھرنے لگیں زلفیں اُن کی
آج بیمار کے جینے کے کچھ آثار نہیں

رات اک رندِ خرابات یہ کہتا تھا اثرؔ
بزمِ ہستی میں جو ہشیار ہے، ہشیار نہیں

اب جو حوصلے فغاں کے نہ ضبط فغاں کے ہیں
طالب کسی سے اک نگہ جانستاں کے ہیں

اللہ رے شوق دید کی عجز نمائیاں
حسرتکدے میں دل کے نشاں لامکاں کے ہیں

کچھ داغ ہیں جو سینۂ پُرخوں میں لالہ ساں
یہ نقش اولیں مرے درد نہاں کے ہیں

بجلی بچینگے خانۂ صیاد کے لئے
تنکے بچے ہوئے جو مرے آشیاں کے ہیں

سجدے میں جنکے سامنے جھکتے ہیں آسماں
وہ خاک آرمیدہ ترے آستاں کے ہیں

فقرے جو بیخودی میں زباں سے نکل گئے
سرمایہ دار علم بدیع و بیاں کے ہیں

اکدن بہار دیکھ دل لخت لخت کی ،
یہ اشک گلفروش اسی بوستاں کے ہیں

ہیں تر زباں مذمت صہبا میں شیخ عصر
یہ تلخ تجربے انھیں آخر کہاں کے ہیں؟

ایجاد ہو رہی ہیں ادائیں نئی نئی
کیا اہتمام قتل میں اک نیم جاں کے ہیں!

کعبے کا عزم اور یہ بیہوشیاں اثرؔ
شکوے زباں پہ سختیٔ جور بتاں کے ہیں!

وہ انتہائے شوق کی بیہوشیاں کہاں
وہ زانوئے حبیب وہ خواب گراں کہاں

ہے مژدۂ نشاط غم بیکراں کہاں
تمہید ہے بہار کی، غافل خزاں کہاں

ہمت ہی دے جواب اگر تو نہ دے جواب
میں ڈھونڈتا پھروں تجھے آخر کہاں کہاں

دل کیوں ہوا تو رمزِ حقیقت سے آشنا — اب دامنِ خیال کی گلکاریاں کہاں

بلبل کی اک صفیر تھی یا برقِ شعلہ زن — گلشن کہاں، بہار کہاں، آشیاں کہاں

رہرو ہیں جتنے سب کی ہے منزل جدا جدا — تیرا فقط گماں ہے، یہاں کارواں کہاں

گمراہیوں کا لطف کسے دل سے پوچھئے — کھویا کہاں کہاں اُسے پایا کہاں کہاں

بے منتِ خمار نہیں لطفِ میکشی — جو دل کہ دردمند نہیں کامراں کہاں

جنت ہے وقفِ کشتۂ تیغِ نگاہِ یار — لیکن وہ قتل گاہ کی رنگینیاں کہاں

کہتے ہیں لوگ حدِ نظر آسمان کو — میری نظر جہاں ہے وہاں آسماں کہاں

توفیق دستگیر تھی ہر گام پر اثرؔ
ورنہ میں ناتواں کہاں وہ آستاں کہاں!

رکھتی ہے لطفِ برق کی چشمک سحاب میں — ہاں ہاں یوہیں چھپائے رہو منہ نقاب میں

قطرہ ہوں وہ جو بند ہے چشمِ حباب میں — دریا ہوں وہ جو موج کشا ہے سراب میں

بے ربط ہوگئی تھی عبارت کہیں کہیں — کافر نے نقل کی وہی خط کے جواب میں

تڑپائے جا مجھے یوہیں کچھ دیر ابھی، کہ ہے — اک شائبہ سکوں کا مرے اضطراب میں

اُف شرمِ معصیت کہ زباں لڑکھڑا گئی — میں اور عرضِ حال، پھر ایسی جناب میں

آنکھوں سے وہ نہاں ہے، مگر جلوہ آشکار — حیراں ہوں فرق کیا ہے شہود و حجاب میں
پژمردہ ہو کے پھول گرا شاخ سے تو کیا — وہ موت سے حسین جو آئے شباب میں
اس بیقرار دل کو مقابل میں برق کے — طغرائے امتیاز ملا پیچ و تاب میں
ہنگامۂ فراق میں تھی دل کی کیا بساط — اک آبلہ تھا پھوٹ گیا اضطراب میں
دل خون کیا ہوا کہ زمانہ بدل گیا — سو انقلاب ہو گئے ایک انقلاب میں
ہے قید تن میں روح حقیقت سے بے خبر — نا آشنائے بحر ہے قطرہ حباب میں

شیرازۂ حیات بکھر جائے گا اثر
پیمانِ گل کو یاد نہ کر اضطراب میں

کوئی ویرانہ مثالِ دل کہاں — اور مجھ دیوانے کی منزل کہاں
خون ہو کر آنسوؤں میں بہ گیا — میں بتاؤں کیا کہاں ہے، دل کہاں
قیس کی آوارگی تھی، کچھ نہ تھا — نجد کا صحرا کہاں، محمل کہاں
یہ تغیر آشنا ہے ہر نفس — چند فرضی خط سمجھ، ساحل کہاں
تیری یکتائی میں ہرگز شک نہیں — تو جہاں ہے، پھر وہاں محفل کہاں
لوٹ لی غم نے متاعِ آرزو — اُجڑی اک منزل اثر ہے دل کہاں؟

بیدادِ دوست کس سے کہوں ہمنفس نہیں   فریاد کیا کروں، کوئی فریاد رس نہیں

آ دیکھ ضبطِ گریہ نے موتی پروئے ہیں   سینے میں ایک تار گہر ہے نفس نہیں

کس منہ سے دردمند تری آرزو کریں   اک دل کی آرزو ہے، مگر دسترس نہیں

خوگر ہوا ہوں رنجِ اسیری سے اسقدر   خود آشیاں قفس ہے بس جو کنجِ قفس نہیں

آوازِ الرحیل ہے پیغامِ وصلِ دوست   گلبانگ آرزو ہے صدائے جرس نہیں

ہے قلزمِ دوام میں یہ زیست اک حباب   یعنی ثباتِ دہر بجز یک نفس نہیں

دونوں جہاں سے عشق نے بیگانہ کر دیا   اب کوئی آرزو نہیں، کوئی ہوس نہیں

محرومئ جفا کا گلہ کیا کرے اثرؔ؟
دل اُس کو دے دیا جسے کچھ دل سے مَس نہیں

کبھی موت کہتی ہے الحذر، کبھی درد کہتا ہے رحم کر
میں وہ راہ چلتا ہوں پُرخطر کہ جہاں فنا کا گزر نہیں

دلِ مضطرب سے غرض نہیں کہ فریبِ جلوہ ہے آرزو
جو بھٹکتی پھرتی ہو چارسو وہ نگاہِ شوق اثرؔ نہیں

شب کہ جنوں تھا نے نواز محفلِ امتیاز میں
عشق حریفِ حسن تھا برہمئی نیاز میں

حُسن کا جب نہ بس چلا عشق سے سوز و ساز میں
لاکے مجھے پھنسا دیا کشمکشِ مجاز میں

اُس کو خدا کہا تو کیا، کفر اگر ہوا تو کیا
دل کو جو لوٹ لے گیا ایک نگاہِ ناز میں

اُف وہ خلش کہ عمر بھر جسم میں سنسنی رہی
کیسی بھری تھیں لذتیں دشنۂ دلنواز میں

تم نے یہ جب کہہ دیا حشر ہے حدِ انتظار
پہلی سی اُلجھنیں نہیں غم کی شبِ دراز میں

شمعِ خموش کی طرح زندہ کوئی رہا تو کیا
رازِ حیات ہے نہاں سوز کے ساتھ ساز میں

کس لئے آنکھ پھیر لوں دیکھ رہا ہوں متصل
جلوے ترے جمال کے آئنۂ مجاز میں

عشق کی سب نمود ہے ورنہ اُبھر کے مٹ گئے
نقشِ سجودِ غزنوی سنگِ درِ ایاز میں

دام بچھے تھے ہر طرف، فکر تھی آشیانے کی
روح اسیر ہو گئی صید گہِ مجاز میں

عشق کی ابتدا وہ تھی، عشق کی انتہا یہ ہے
شوق تھا امتیاز کا، شک ہے اب امتیاز میں

سعیٔ فضول چھوڑ اثرؔ، دل کی طرف نگاہ کر
دونوں جہاں کے راز ہیں، عشق کے ایک راز میں

صباحِ عید ہے گویا، ترانے گائے جاتے ہیں
شہیدانِ محبت دادِ جانبازی کی پاتے ہیں

خبر اپنی نہیں، عبرت کے قابل رنگِ گلشن ہے
ہنسی آتی ہے پھولوں کو جو غنچے مسکراتے ہیں

فغانِ مرغِ خوش الحاں سحرگہ خوب ہے لیکن   شکستہ دل ہنسی کو درد کا پردا بناتے ہیں

رہا ہے سابقہ غم سے یہاں تک ہمنشیں مجکو
خوشی کے نام سے بھی اشک آنکھوں میں بھر آتے ہیں

ہماری دیوانگی کے آغاز میں وہ رستے نکل رہے ہیں
کہ تھے جو مانوس دشت وحشی، کلیجے اُنکے دہل رہے ہیں

دہن سے قاتل کے آہ نکلی، زبان خنجر سے واہ نکلی،
دو نیم دل ہے، جگر دو پارہ، شہید لیکن سنبھل رہے ہیں

نثار ان دیدہ ریزیوں کے کہ زخم بھرنا تو ایک جانب
جہاں پہ ٹانکے دئیے تھے تم نے وہاں سے پیکاں نکل رہے ہیں

مجھے یہ معلوم کیا تھا ہمدم نگاہ ایسی کٹیلی ہوگی
وہ چوٹ کھائی ہے سامنے کی کہ اب تک آنسو اُبل رہے ہیں

چلا چل اے دل سُنا ہے قاتل نے تیغ کھینچی، غلاف پھینکا
لہو سے تر ہے زمین ایسی کہ پاؤں سب کے پھسل رہے ہیں

ذرا خبر دار قیدیوں سے چمن میں فصل بہار آئی
پھر ان کی زنجیر پا کے حلقے جنوں کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں
حواس برجا نہ دل ٹھکانے کٹے گی یہ رات آخر پہ کیونکر
وہ شام غم کا لگا ہے دھڑکا چراغ کچھ دن سے جل رہے ہیں

سمجھ میں آئے جو تدبیر کر، میں کیا جانوں — مرض ہے کیا مجھے اے چارہ گر، میں کیا جانوں
یہیں پہ عمر گزاری، یہیں پہ مرنے دو — تمہارے در کے سوا اور در میں کیا جانوں
تپش بنی ہے جن اجزا سے، علم ہے مجکو — تعلقات نگاہ و جگر میں کیا جانوں
تمام رات بسر ہو گئی فغاں کرتے — ترانہ سنجئ وقت سحر میں کیا جانوں
بُرا ہو دل کا سنبھلنے ہی کب دیا اس نے — کہاں وہ آئے، گئے وہ کدھر میں کیا جانوں
کبھی جو پڑے میں اظہار درد دل کیجئے
بگڑ کے کہتا ہے، "ہوگا اثر، میں کیا جانوں"!

یاد آتی ہیں یار کی باتیں — پیاری پیاری وہ پیار کی باتیں
سُن کے حیران رہ گئی بُلبُل — اُس گُل نو بہار کی باتیں
کان سُنتے ہیں متصل ابتک — اک فراموش کار کی باتیں

اور تڑپا اگر تسلی دی، اُف دل بیقرار کی باتیں
وجہ بیگانگی ہوئیں آخر اک تغافل شعار کی باتیں
وضع کا پاس، آبرو کا لحاظ ہیں یہ کس روزگار کی باتیں؟
رفتہ رفتہ وطن میں پہنچی ہیں اک غریب الدیار کی باتیں
آرزو ہے کہ ہم سخن ہو کوئی دل حسرت شعار کی باتیں!

یاد رکھو کہ یاد آئینگی
اثرؔ دلفگار کی باتیں

دیکھ اے جذب محبت وہ زمانہ آیا قصّہ گو اب مرا افسانہ کہا کرتے ہیں
دل میں طوفان اُٹھائینگے یہ قطرے اکدن فخر کرتے ہیں وہ آنسو جو پیا کرتے ہیں

دم نظارہ یہ ہو جاتے ہیں بے ربط حواس
لوگ حیرت سے مرے منھ کو تکا کرتے ہیں

غربت نصیب کچھ ہیں صحرا میں بزم آرا افسانے ہیں وطن کے، افسانہ ہیں وطن میں
میری نظر سے دیکھو، میرے جگر سے پوچھو سو بجلیاں نہاں ہیں ماتھے کی اک شکن میں
حسرت ہے اسکی حسرت، اسکی خزاں خزاں ہے جو آخری شگوفہ مرجھا گیا چمن میں

مدعائے گم شدہ کی فکر میں   مثل گرد کارواں برباد ہوں

وہ آئے حال پوچھا، اُٹھ گئے کب کے، خفا ہو کر ۔ میں اب تک یہ سمجھتا ہوں مرے پہلو میں بیٹھے ہیں!

یہ معجزہ ہے تصور کا تیرے پردہ نشیں   کہ مجھ میں اور تصور میں امتیاز نہیں

بحر طوفاں خیز جب خود ہو بجائے ناخدا   پھر خدا ہی ہے کہ بیڑا بےکسوں کا پار ہو

اس طرح دیر و حرم کی سیر کو نکلو آثرؔ
ہاتھ میں تسبیح ہو اور دوش پر زنار ہو

غیرت عشق گوارا نہیں کرتی ہے آثرؔ   دامن زخم بھی آلودۂ مرہم کیوں ہو

برگشتگی میں بخت کا میرے جواب ہو   اتنا خراب اے دل خانہ خراب ہو

ہم بھی تو دیکھیں جاتے ہیں کتنے بہشت میں   پہلے جو بےگناہ ہیں اُن کا حساب ہو

ساقی کی چشم مست سے کرتا ہوں میکشی   اس میں عذاب ہو کہ الٰہی ثواب ہو

اُس حسنِ لطف و ناز کو دیکھو جو خواب میں
ہر لمحہ زندگی کا زلیخا کا خواب ہو

بہت دھندلے نظر آتے ہیں سب نقش و نشاں مجکو — یہ میری بیخودی لے جائے گی آخر کہاں مجکو
دل آزاری کے جتنے حوصلے ہیں سب نکل جائیں — زمیں سے چھین لے اکبار تو اے آسماں مجکو
ہوا میں کچھ دھواں سا اُٹھ کے فوراً پھیل جاتا ہے — قفس میں یاد جب آتا ہے میرا آشیاں مجکو
میں اب سجدے کروں، دل کو سنبھالوں یا بڑھوں آگے — نظر آتا ہے کوسوں سے کسی کا آستاں مجکو
گزاری عمر ساری رازِ ہستی کے سمجھنے میں — پرستش تیری کرتا، اتنی فرصت تھی کہاں مجکو
اب اُس منزل میں پہنچا ہوں، جہاں حیرت دکھاتی ہے — کبھی تیرا نشاں مجکو، کبھی میرا نشاں مجکو

اثرؔ سوز و گداز و درد و لذت، رفعت و جدت
ملا ہے میر و مرزا سے یہ اندازِ بیاں مجکو

پھر بہکنے لگی نظر دیکھو — کون کہتا ہے تم ادھر دیکھو
دل کی حالت رہی ہے زیر و زبر — کیسے مالک ہوئے اپنا گھر دیکھو

ہائے تم کیسی نیند سوئے ہو
کون آیا، اٹھو، اثرؔ، دیکھو

میری بے ربطیٔ فریاد پہ مسرور نہ ہو
غمزدے کیا کریں جب ضبط کا مقدور نہ ہو

پھر وہ اُلفت نہ ہوئی بلکہ ہوسناکی ہے
ذرہ ذرہ جو مری خاک کا منصور نہ ہو

وصل میں ہجر ہوا اور ہجر میں ہو لذت وصل
میں طلبگار ہوں اُس دل کا جو مجبور نہ ہو

ہمیں خلوت کدۂ ناز میں رکھتے ہیں قدم
خیر تو جلوہ نما او بُت مغرور نہ ہو

بر نما داغ ہے اک دامن ہستی پر اثر
دل وہ دل ہی نہیں جلووں سے جو معمور نہ ہو

یہی ویرانہ تجلی گہ صد طور بھی ہو
دل اگر درد سے لبریز بھی ہو، چور بھی ہو

بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں بس اے برق جمال
لُطف نظارہ جبھی تک ہے کہ مقدور بھی ہو

تیرے ایثار نے مارا کہ ہے سب دنیا حُسن
اب تو للہ ذرا حسن پہ مغرور بھی ہو

اُن کو سوز دل عاشق جو پسند آجائے
شعلۂ آہ سے پیدا شرر طور بھی ہو

منہ سے بیساختہ ایک آہ نکل جاتی ہے
ہمنشیں کیا کروں جب ضبط کا مقدور بھی ہو

ایک تصویر تحیر تھی وہ بزم خاموش
پوچھنے کیا ہو، وہاں جب کوئی مذکور بھی ہو

شمع کشتہ ہے شبستان محبت میں اثر
ایسا دل دے اُسے جو نار بھی ہو، نور بھی ہو

ان بتوں تک اگر رسائی ہو میرے قبضے میں کبریائی ہو
اس خموشی پہ حجبتِ عالم ہے ہائے گر شوقِ خود ستائی ہوا
مجکو شک ہے کہ قید الفت سے بعد مرنے کے بھی رہائی ہو
وہ تڑپتا نہیں کبھی ظالم جس نے بھرپور چوٹ کھائی ہو
شعلۂ آہ پھونک دے دل کو
تا کجا صبر آزمائی ہو

ہر عمل کی اسی دنیا میں مکافات بھی ہو مجلسِ وعظ بھی ہو، بزمِ خرابات بھی ہو
سنتے ہیں حشر میں ہوگا ترا دیدار نصیب ہائے کیا لطف ہو، اُس دن کی اگر رات بھی ہو
عشق خود کام کو سودائے فراموشی ہے تم سے میں کیا کہوں، جب یاد کوئی بات بھی ہو
خواب کی طرح مجھے یاد ہے پیمانِ الست یونہیں شاید کسی عالم میں ملاقات بھی ہو
شاعری لطفِ زباں تک نہیں محدود اثر
ساتھ ہی ساتھ فراوانیٔ جذبات بھی ہو
یوں فنا ہو غم دوری میں دل درد نصیب کہ تری خاک تجلی گہِ آیات تو ہو

اس سادگی پہ جان مری کیوں فدا نہ ہو
جب دل دُکھا کے تو کہے، اچھا خفا نہ ہو

گھٹ گھٹ کے مر جائے تو بتلاؤ کیا کرے
وہ بدنصیب جس کا کوئی آسرا نہ ہو

تم نے کچھ اس ادا سے نظر کی، تڑپ اُٹھے
اب دل پر اپنے جبر کریں گے، خفا نہ ہو

خود ہے جو درد، اُس کو ہوا احساس درد کیا
دل کہتے ہیں اسی کو جو درد آشنا نہ ہو

جس در پہ میں گیا یہ صدا آئی، دور، دور
ایسا بھی کوئی تیری نظر سے گرا نہ ہو

تیرے خرام ناز سے وہ بھی نہیں بعید
فتنہ جو چرخ پیر سے اب تک اُٹھا نہ ہو

یہ بات اور ہے کہ وہ انجان بن گیا
اک داغ بھی نہیں ہے جو اُس کا دیا نہ ہو

شاعر کی طرح دور ہی سے کر مشاہدہ
اندوہ مرگ و زیست میں تو مبتلا نہ ہو

اک تیرے دل میں رحم نہیں، ورنہ کون ہے
جو میرا حال سنتے ہی بس رو دیا نہ ہو

یہ کہہ کے اُس نے بخشدیئے میرے سب گناہ
تیری سزا یہی ہے کہ تیری سزا نہ ہو

شوریدگی کے ساتھ بڑھیں بدگمانیاں
خود اُس پہ یہ گماں ہے کوئی دوسرا نہ ہو

مخفی ہیں لفظ عشق میں دونوں جہاں کے راز
کہنے کو عمر بھر کہو، مطلب ادا نہ ہو

کیا کیا دعائیں مانگتے ہیں سب، مگر اثرؔ
اپنی یہی دعا ہے، کوئی مدعا نہ ہو

توڑ دے سینے کو جلد اے آہ تو　　دم نکلنے دے مرا للہ تو

حسن کے جلووں کی غایت عشق ہے　　مدعا ہے اے دل آگاہ تو

میں نے دیکھے ہیں حسینان جہاں　　ان ستاروں میں ہے مثل ماہ تو

دیدۂ حق بیں کا تو ہی نور ہے　　اور سویدا اے دل آگاہ تو

فیض سے تیرے ہیں ذرّے مجتمع　　تو ہی تو ہے ہر طرف اللہ تو

ہاتھ دھو اب جان سے اپنی اثرؔ
ہم تو کہتے تھے نہ اُس کو چاہ تو!

ذرا تم شوخیٔ چشم فسونگر دیکھتے جاؤ　　نفس مانند نے ہے نالہ پرور دیکھتے جاؤ

شعاع مہر ہے بیتاب آغوش تجلی میں　　نظارہ سر بسر ہے موج گوہر دیکھتے جاؤ

سرشک شوق کو سودا ہوا ہے گل فروشی کا　　اگر درکار ہو پھولوں کا زیور دیکھتے جاؤ

دل زخمی کا ہر ٹکڑا صحیفہ ہے محبت کا　　مرتب پھر نہ ہوگا ایسا دفتر دیکھتے جاؤ

کنکھیوں سے نہ دیکھو، درد دل یوں اور بڑھتا ہے　　جو ممکن ہو تو ہمکو آنکھ بھر کر دیکھتے جاؤ

انھیں کے خون سے روشن چراغ بزم عرفاں ہے　　شہیدان محبت کا مقدر دیکھتے جاؤ

تمھاری خوے بیگانہ نے کیا کیا گل کھلائے ہیں　　جگر خوں، دل پریشاں، آنکھ ششدر دیکھتے جاؤ

عجب کیا ہے محبت پر مری تم کو بھی پیار آئے
کہ تم ہو نازنیں، دل ناز پرور دیکھتے جاؤ
مرادوں والے کیونکر جان دیتے ہیں جوانی میں
اگر تم دیکھ سکتے ہو تو بہتر، دیکھتے جاؤ
تمناؤں کے حلقے میں دل مردہ کا ماتم ہے
مٹے ہو جس کے تم باعث وہ محشر دیکھتے جاؤ
کسی کا ہائے یہ کہنا اثرؔ سے بیچی نظروں میں
"وہی پھر کھل گئے شکووں کے دفتر دیکھتے جاؤ!"

روکا جو غم نے گریۂ بے اختیار کو
میں دل کو دیکھنے لگا، دل جان زار کو
برہم زن حیات ہے ساقی کی چشم مست
تم ڈھونڈتے ہو جام، شکست خمار کو!
اے سوز غم وہ گوہر نایاب لٹ گئے
آنسو کہاں نصیب ہیں مجھ دلفگار کو
غم نے تسلّیٔ دل وحشی کے واسطے
نشتر بنا دیا رگ ابر بہار کو
اے ساکنان کوچۂ دلدار خوش رہو
بھولے نہیں تم ایک غریب الدیار کو
اے محو شوق آئے بھی وہ اور چلے گئے
کیوں طول دے رہا ہے عبث انتظار کو
وہ آئیں تو شکیب بھی آئے، قرار بھی
جو ساتھ لے گئے ہیں شکیب و قرار کو
بدنام اور نام محبت نہ ہو کہیں
ہاں ہاں مٹا ہی دو مرے نقش مزار کو
ان انکھوں نے کہ نام کو جن میں نمی نہیں
رنگینیوں کے درس دئے ہیں بہار کو

اہلِ وطن پہ یہ بھی گراں ہو نہ اے صبا　　برباد رہنے دے مرے مشتِ غبار کو
آئینہ دارِ جلوۂ بے رنگ دل ہوا　　توڑا جہاں طلسمِ خزانِ بہار کو
بوئے وفا نہ چھوٹے کہیں اُن کو خوف ہے　　پھولوں سے ڈھک رہے ہیں ہمارے مزار کو

مصرع یہ میر کا نہیں، دیوان ہے اثرؔ
"دیکھے خدا جہاں میں دلِ بے قرار کو"

چارۂ دردِ جگر جانے دو　　جو گزرتی ہے گزر جانے دو
میرے چہرے پہ بانداز جنوں　　اپنی زلفوں کو بکھر جانے دو
کفر اور دین کا جھگڑا کب تک　　اک نہ اک بات ٹھہر جانے دو
خون سے میرے حضورِ داور　　وہ جو مکرے تو مکر جانے دو
حال بھی اپنا سناؤں گا تمھیں　　اک ذرا دل تو ٹھہر جانے دو

دل کے جانے کا تاسف نہ کرو
بات ہی کیا ہے اثرؔ جانے دو

اہلِ ہمت نے حصولِ مدعا میں جان دی　　اور ہم بیٹھے ہوئے رویا کئے تقدیر کو!
وہ حیا پرور نگاہیں قتل پر مائل نہ تھیں　　کھینچ لایا جذبِ دل میرا ہدف پر تیر کو

ممکن نہیں کہ شوق ہو اور دل میں تو نہ ہو
ہاں شرط یہ ہے تیرے سوا آرزو نہ ہو

اُس کی نسیمِ لطف سے آئی ہے اور نہ آئے
جبتک دماغ عشق و وفا مشکبو نہ ہو

شبنم کا آئنہ ہو، کہ اشکوں کا آئنہ
اے وائے، تیرا جلوہ اگر روبرو نہ ہو

سرگشتۂ قیود! مٹا داغ آرزو
ڈھونڈ اُس کو اُس چمن میں جہاں رنگ و بو نہ ہو

حد بھی ہے کوئی جبر کی، اے عشق بدگماں
لو اُن سے اب خیال سے بھی گفتگو نہ ہو!

طوفِ حریمِ عشق کو سب سر کے بل چلو
ایسا فریضہ اور لہو سے وضو نہ ہو!

گل ہے ہلاکِ شوق تو پامال ہے صبا
ہو، لیکن اس قدر بھی غرورِ نمو نہ ہو

واعظ یہ تیرا مسئلۂ جبر و اختیار
کیا سمجھوں جبکہ سامنے جام و سبو نہ ہو

اک جا پر اُن کے تیر کہ دل میں نہیں قرار
یعنی وہ زخم ہی نہیں جس میں رفو نہ ہو

مل جائے گا جو لکھا ہے تیرے نصیب کا
آوارہ مثلِ بادِ صبا کو بکو نہ ہو

جس وادیِ طلب میں ہے رہبر ترا خیال
سرگشتگی بہت ہے، اگر جستجو نہ ہو

شاملِ حسن جو رنگینیٔ بیداد نہ ہو
ایسی دلچسپ کبھی عشق کی روداد نہ ہو

ہاے وہ آنکھ جو خونابہ فشانی بھولی
ہاے وہ دل کہ تڑپنا بھی جسے یاد نہ ہو

روئیے یاس پر اُس کشتۂ غم کی کہ جسے ذوق فریاد نہ ہو، حسرت بیداد نہ ہو
زندگی خوب ہے ہم سوختہ سامانوں کی دم نکل جائے اگر شعلۂ فریاد نہ ہو

دل کے داغوں میں جھلک آج یہ کیسی ہے اثرؔ
یہ خیابانِ تمنّا کہیں برباد نہ ہو!

پردہ درِ مجاز اگر شوق خلش نواز ہو محو نیاز خود ابھی حسن کرشمہ ساز ہو
فکر وصال و رنجِ ہجر، دونوں سے بے نیاز ہو وہم پریشانیاں ہیں سب، چاہیے دل گداز ہو
میری وفا پہ رکھ نظر، اپنی جفا کے ساتھ ساتھ ناز میں اور نیاز میں کوئی تو امتیاز ہو
شمع حریم آرزو بجھ گئی ایک آہ میں وائے دلِ حزیں تجھے سوز سے خاک ساز ہو
غنچۂ ناشگفتہ کی شوق میں سانس پھول جائے مائل گفتگو اگر وہ لب نیم باز ہو
مجھکو کہے وہ باوفا! مجھسے وہ پوچھے مدّعا!! ہو نہ ہو قلب مضطرب اس میں بھی کوئی راز ہو
ہوش کسے کہ داد دے جلوۂ بے نقاب کی تم سے یہ کس نے کہدیا بزم فروز ناز ہو

ہوں تو گناہگار اثرؔ، ایسے کریم کا مگر
توبہ سے ہاتھ کھینچ لوں، گر درِ توبہ باز ہو

محبت کیا نہیں کافی تھی میرے قتل کرنے کو خدا کے واسطے بولو تو آخر، سرگراں کیوں ہو

آہ اب دل کو ہوئی دیدۂ خونبار سے راہ　　یاد ایام کہ تھی چشم نگاہ سے راہ

کون کہتا ہے کہ منصور پہ بیداد ہوئی
آشنائے حرم عشق کو ہے دار سے راہ

اک آن میں بارونق، اک آن میں ویرانہ　　آئینۂ ہستی ہے میرا دل دیوانہ
یہ دور میں ساغر ہے، یا رقص میں دیوانہ　　قربان ترے ساقی، پھر لغزشِ مستانہ
مخمور نگاہوں سے دل چور ہوا میرا　　ٹکرا گیا مستی میں پیمانے سے پیمانہ
جھنکار ہے شیشوں کی یا ٹوٹے ہوئے دل ہیں　　لوٹے لئے جاتے ہو تم رونقِ میخانہ
کس رند کی آنکھوں سے خونابۂ دل ٹپکا　　نکلا لبِ ساغر سے اک نعرۂ مستانہ
اعمال کی پرسش تھی، دیوانے پکار اٹھے　　ہو حشر تمنا بھی اے جلوۂ جانانہ
یہ وہم کی دنیا ہے اک خوابِ پریشاں ہے　　آباد ہے ظاہر میں، درپردہ ہے ویرانہ
کیا عرضِ تمنا ہو، دل تو ہی فنا ہو جا　　وہ درد سے ناواقف ہیں آپ سے بیگانہ
ہر لفظ پہ سانس اکھڑے، ہر بات پہ دم نکلے　　ہاں دردِ محبت کا آغاز ہو افسانہ
جل کر ہوا خاکستر پھر بھی نہ قرار آیا　　اک شعلۂ مضطر تھا وہ دل پروانہ
کھینچی ہیں تصور نے رنگیں تری تصویریں　　دل آئینہ خانہ تھا، یا اب ہے پری خانہ

یہ قبرِ اثر کی ہے، تم اُس سے نہ تھے واقف
کچھ وضع تھی رندانہ، کچھ طرز فقیرانہ

میں بزمِ مے سے اُٹھا با خاطرِ کبیدہ — شیشہ تھا دل گرفتہ، پیمانہ آبدیدہ
پھر جنبشِ مژہ نے برپا کیا ہے طوفاں — شاید کہ رہ گئے تھے کچھ اشک ناچکیدہ
کیوں چھیڑتا ہے مجھکو کیا فائدہ جفا سے — تو حُسن آزردہ، میں عشق آرمیدہ
گھائل کسی کو کرکے وہ شوخ ہنس دیا ہے — بکھرے ہیں قتل گہ میں گلہائے نودمیدہ
مستانہ وار آئی رقاصۂ بہاری — پیغام دوست لائی، مژدہ فراق دیدہ
چاک دلِ اثر میں شاید رفو ہوا ہے
دامن ہے ٹکڑے ٹکڑے اور جیب ہے دریدہ

آراستہ جو میں نے کیا ہے وہ باغ دیکھ — لے نو بہار، سینۂ سوزاں کے داغ دیکھ
خونابِ دل چھلکتا ہے آنکھوں سے کس طرح — مینا سے اختلاط کرے جب ایاغ، دیکھ
اُسکو نہ ڈھونڈ، کھو کے دلِ گم شدہ کو ڈھونڈ — پھر جس جگہ ملے تجھے دل کا سراغ، دیکھ
کیا دیکھتا ہے صبح کے تارے کا ڈوبنا
بُجھتا ہوا حیاتِ اثر کا چراغ دیکھ

فصل گل میں بے طرح اُنکی جنوں کا جوش ہے — جتنے دیوانے ہیں لڑتے ہیں کہ ہمکو ہوش ہے
حسن کی چشمک زنی ہے مانع اظہار درد — ورنہ ہر تار نفس برق تجلی پوش ہے
ہے بقدر ذوق ہر دل میں محبت کا اثر — یہ مے مردِ آزما گر نیش ہے، گر نوش ہے
ہے تری آواز سے دمساز میرا ہر نفس — ساز کے پردے میں نغمہ جس طرح روپوش ہے
دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن کچھ نظر آتا نہیں — مجکو اتنا ہوش ہے، اللہ کتنا ہوش ہے

محو و بیخود ہے کسی کی یاد میں اتنا اثرؔ
کچھ ہے دنیا کی خبر اُسکو نہ دیں کا ہوش ہے

کبھی آنکھیں مجھسے لڑا گیا، کبھی ہنس کے مجکو رُلا گیا
مرے زخم دل کو دُکھا گیا، مجھے چین ہے نہ قرار ہے
کبھی ہو گزر جو ترا صبا تو یہ کہنا اُس سے بالتجا
کہ اثرؔ غریب شکستہ پا ترے غم میں زار و نزار ہے

اک شائبہ اُسی کا نسیم سحر میں ہے، — جو کیف بیخودی مئے درد جگر میں ہے
حسرت سے تک رہا ہوں در یار کی طرف — دل میں دھڑک رہا ہے، دھمک سے سر میں ہے

اک دوسرے جہاں کی ہے تمہید زندگی　　اور زندگی کا راز دل نوحہ گر میں ہے

ٹکڑے ہیں دل کے یا گل تر ہیں کھلے ہوئے　　انداز سب نسیم کا آہ سحر میں ہے

دیکھو نہ آنکھ بھر کے کسی کی طرف کبھی

تم کو خبر نہیں جو تمہاری نظر میں ہے

نام و نشاں کی فکر نہ خواہش مکاں کی ہے　　معلوم ہے مجھے جو حقیقت جہاں کی ہے

اب امتیاز حسن و محبت کو چھوڑ دو　　دیکھو آؤ جان آنکھوں میں اک نیم جاں کی ہے

اک پل میں آ کے ٹوٹ پڑیں لاکھ بجلیاں　　تاریخ مختصر یہ مرے آشیاں کی ہے

نیرنگیوں کے دام بچھائے ہیں ہر طرف　　آخر کچھ انتہا بھی مرے امتحاں کی ہے

وہ تیری یاد میں یہ ترے ذکر میں مست ہے　　جو دل کا حال ہے وہی حالت زباں کی ہے

دل حسرتوں سے بستے ہی بستے اجڑ گیا　　رونق سنا کرو کہ مکیں سے مکاں کی ہے

اسکی نگاہ صبر و تواں دونوں لے گئی　　جو شان تھی فغاں کی وہ ضبط فغاں کی ہے

ہستی کا داغ دھو جو تلاش حیات ہے　　نقش خودی مٹا جو تمنا نشاں کی ہے

عقل و حواس کھو دے اگر ہوش ہے تجھے　　صحرا میں جا کے بیٹھ جو حسرت مکاں کی ہے

تو جسکو ڈھونڈتا ہے وہی تو ہے بےخبر　　تصویر تو ہی لیلیٰ مجنوں نشاں کی ہے

اثر کچھ کام کر جاؤ، جہاں میں نام کر جاؤ
رگڑ کر ایڑیاں مرنے میں عزت ہو نہیں سکتی

دل ناداں یہ تیری آرزوے خانہ آرائی
کسی وحشی کو ہو جیسے سرِ ویرانہ آرائی
مری توبہ سے توبہ ہے پلا ساقی، پلا ساقی
کرونگا خم کے خم خالی دمِ میخانہ آرائی

قیس کے نزدیک لیلیٰ پردۂ محمل میں ہے
کون دیوانے کو سمجھائے کہ تیرے دل میں ہے
خط ساغر ہے وہی جو کیف جسکے دل میں ہے
آج کیسا دور اے ساقی تری محفل میں ہے
روح کا قالب میں آنا کہہ رہا ہے صاف صاف
راز دریا کی روانی کا نہاں ساحل میں ہے
چوٹ جب دل پر لگی، فوراً صدا آئی تری
تو وہ نغمہ ہے کہ پوشیدہ شکست دل میں ہے
اُس کا جوہر اُسکی قیمت اُسکا حاصل کچھ نہ پوچھ
ایک موتی سا جو آنسو دیدۂ بسمل میں ہے
میں اگر اُس سے کہوں بھی تو بتاؤ کیا کہوں
جب اُسے معلوم ہے جو کچھ کہ میرے دل میں ہے
پار بیڑا بھی ہوا تو کیا خوشی اے ناخدا
اک جہان بے ثباتی موجۂ ساحل میں ہے
اُنکی رحمت نے کہا جو مانگنا ہو، مانگ لے
میری غیرت بول اُٹھی تو ہی دل سائل میں ہے
جسقدر نزدیک ہوں اُتنا ہی اُس سے دور ہوں
ایسی مشکل ہے کہ خود مشکل مری مشکل میں ہے

راستے کی سختیوں کا تم کو رونا ہے اثرؔ
خارزار عشق میں مشکل جو ہے منزل میں ہے

جب تمھاری ہی سب خدائی ہے　　کس لئے شوق خودنمائی ہے
وہ ملا جب تو وہ ہمیں نہ رہے　　عشق میں وصل بھی جدائی ہے
کام سے کام پھر نہیں کچھ کام　　اب یہی رسم آشنائی ہے
ناتوانی سے چپ نہیں ہے اثرؔ
عشق میں نالہ خودستائی ہے

رسائی آہ کی آگے خدا جانے کہاں تک ہے　　زمیں سے آسماں تک، آسماں سے لامکاں تک ہے
تنک روی پہ تجکو ناز تھا عقل فرومایہ　　جہاں جلتے ہیں پر تیرے گزر دل کا وہاں تک ہے
نہ کچھ لینا، نہ کچھ دینا، نہ کچھ کھونا، نہ کچھ پانا　　میں کیونکر مان جاؤں زندگی اس خاکداں تک ہے
ابھی دل کا کبھی نالہ مآل زندگانی تھا　　وہی دل ہے کہ جسکی زیست اب ضبط فغاں تک ہے
میں حسن وعشق کے افسانے سنکر دل میں کہتا ہوں
یہ ساری بزم آرائی سکوت رازداں تک ہے

—— ⁘ ——

شکستِ دل کا مژدہ دے رہا ہے ضبطِ غم میرا — مری مٹھی میں ہے اس وقت کنجی ہر دو عالم کی

بسائی دوسری دنیا نکل کر روح نے تن سے — طیور اکثر بدلتے ہیں نشیمن کو نشیمن سے

دل میں ہجوم یاس و تمنا لئے ہوئے — دُنیا سے جا رہا ہوں میں دُنیا لئے ہوئے

ساقی کے انتظار میں بیٹھے ہیں میگسار — آنکھوں میں اُسکی آنکھوں کا نقشا لئے ہوئے

وہ خوش نصیب ہے جو اُٹھے بزمِ عیش سے — نقشِ فنا پزیریِ دُنیا لئے ہوئے

پابندِ عشق گو نہیں رسم و رواج کا

اپنے کو لے خیالِ زُلیخا لئے ہوئے

ظلم جتنا ہو اُس کو راحت ہے — عشق کی بھی عجیب خِلقت ہے

اب خطا ہوتی ہے، قصور معاف — بے سبب روٹھنا قیامت ہے

جو دُلھن بن گئی ہے پھولوں سے

اثرؔ خستہ جاں کی تربت ہے

آخر جنونِ عشق کی تدبیر ہو گئی — وہ چشمِ مست حلقۂ زنجیر ہو گئی
نیرنگئ جمال نے کیا کیا کھلائے گل — تیری ہر اک ادا تری تصویر ہو گئی
نقشِ خودی کو میں نے مٹایا ہے بقدر — دنیا تمام خواب کی تعبیر ہو گئی
اللہ رے جُرمِ عشق کی ریشہ دوانیاں — میری حیات قابلِ تعزیر ہو گئی
بزمِ خیال میں بھی مرا رنگ اُڑ گیا — اُن سے جو پردے پردے میں تقریر ہو گئی
جب آرزو تھی آہ میں تاثیر ہی نہ تھی — اب آرزو نہ ہونے سے تاثیر ہو گئی

کیا کیا بنائے دل میں نمایاں ہیں صنعتیں
معمار کا مزاج یہ تعمیر ہو گئی

رات جب تھی صبح کا تھا انتظار — اب سحر سے منتظر ہیں شام کے
قدر کرنی تھی دلِ صد چاک کی — تھے یہ اجزا سب پریشاں کام کے

شرم تم کو کچھ نہیں آتی اثر
ہجر میں نالے کلیجا تھام کے!

جستجو خود صفات کو تیری — آرزو کائنات کو تیری
جلوے کچھ اس طرح کے دلکش تھے — ذات سمجھا صفات کو تیری

اور جو کچھ ہے یا وہ گوئی ہے — بات کہتے ہیں بات کو تیری
دلنوازی میں تھی جفا کاری — آہ سمجھے نہ گھات کو تیری
نہ دو انجم سے، دل کے داغوں سے — باتیں ہوتی ہیں رات کو تیری

اب مساوات کا ہے دور اثرؔ
کون پوچھے گا ذات کو تیری

کنکھیوں سے دل پہ نظر کرنے والے — یہ ناوک نہیں ہیں اثر کرنے والے
شبِ غم تڑپ کر بسر کرنے والے — ادھر کی ہیں دنیا اُدھر کرنے والے
تم آئے تو افسوس کس وقت آئے — کہ طیار ہیں جب سفر کرنے والے
ذرا ہچکیوں سے خبردار رہنا — زمانے کو زیر و زبر کرنے والے
کہیں اُٹھ بھی جائے یہ پردا دوئی کا — مرے دل میں چھپ چھپ کے گھر کرنے والے
مجھے شوقِ تعزیر لایا یہاں تک — خطاؤں سے لے درگزر کرنے والے
خلش سے تمنا کی آزاد کر دے — دعاؤں میں پیدا اثر کرنے والے

مسیحا بنے پھر رہے ہیں جہاں میں
مرے خوں سے دامن کو تر کرنے والے

جب وہ سمجھا تجاہل نے زبان عاشقی | بن گیا رنگ شکستہ ترجمان عاشقی

ایک آنسو نزع میں عارض پہ بہ کر رہ گیا | شکر ہے سمجھا نہیں کوئی زبان عاشقی

حُسن کی ہنگامہ آرائی بقدر ذوق ہے | حشر اک حیلہ ہے بہر امتحان عاشقی

گریۂ ناکام حسرت سے اُبھر کر مٹ گئے | دل کی تہ میں رہ گئے تھے کچھ نشان عاشقی

ہوش جس جا حلقۂ بیرونِ در تھے اے اثرؔ
لے گیا اُس بزم میں خواب گران عاشقی

جان کو روگ ہیں دنیا بھر کے | ہم تو پچھتائے محبت کر کے

جھلملاتے ہوئے تارے کیا ہیں؟ | ملگجے پھول ترے بستر کے

سادگی حسن کا تیرے زیور | حُسن قربان ترے تیور کے

آدمی اپنی حقیقت کو نہ بھول | ٹھوکریں کھاتے ہیں کاسے سر کے

پہلے چُپ لگ گئی، پھر موت آئی | جان لی عشق نے رسوا کر کے

تم ابھی کچھ تھے، ابھی ہو کچھ اور | دیکھ لینے دو ذرا جی بھر کے

بھولتا ہی نہیں یہ قول اثرؔ
"ہم تو پچھتائے محبت کر کے"

کریم یوں درِ توبہ جو باز ہوتا ہے گناہگار کو عصیاں پہ ناز ہوتا ہے
یہ بات کیا ہے اُسے بے نیاز کہتے ہیں ہر ایک درد کا جو چارہ ساز ہوتا ہے
بتوں سے قرب ہے اس قدر مجھے واعظ کہ پردے پردے میں راز و نیاز ہوتا ہے
عجب نہیں جو آثرؔ راز آشکارا ہو
کہ حسن و عشق میں آج امتیاز ہوتا ہے

کیوں مرا دل دُکھا کے روتا ہے کیا یہی عاشقی میں ہوتا ہے
لو فسانہ تمام ہوتا ہے کوئی سوتا ہے کوئی روتا ہے
نبضیں چھوٹی ہوئی ہیں فطرت کی ایک حسرت نصیب سوتا ہے
میرا ہنسنا ہے زخم کی صورت جو مجھے دیکھتا ہے روتا ہے
ہو رہی ہیں تجلیاں پیدا دل میں رہ رہ کے درد ہوتا ہے
دیدۂ گل تھے صبح کو نمناک جو بھی ہنستا ہے روتا ہے
نہیں اُس کو ذرا خیال آثرؔ
مفت کیوں اپنی جان کھوتا ہے

دل میں اک داغ محبت ہے وہ دھو لینے دے — یاس جی بھر کے خدارا مجھے رو لینے دے

ٹھہرے ابر کرم داغ نہ پڑ جائیں کہیں — رخت عصیاں مجھے اشکوں سے بھگو لینے دے

عمر کافی نہیں تکمیل محبت کے لئے — جان دینے سے اگر ہو سکے، ہو لینے دے

مر کے بھی چین نہیں ہے دل بیتاب تجھے — رات ایسی نہ ملے گی مجھے سو لینے دے

لائی ہے باد صبا خاک وطن غربت میں
غازۂ رنگ شکستہ اسے ہو لینے دے

درد ہی ایسا نہیں جس کا کہ درماں کیجئے — ہو سکے تو خاطر بیمار ہجراں کیجئے

مانع جوش جنوں رسم رہ تقلید ہے — طرز نو سے چاک داماں و گریباں کیجئے

آپ کی باتوں سے ذوق معصیت بڑھتا ہے اور — حضرت واعظ گنہگاروں پہ احساں کیجئے

اب بھی ایک اک داغ دل ہے یادگار آرزو — جس کو ویراں کہہ سکیں ایسا تو ویراں کیجئے

کاش اتنے دل بھی ہوں جتنی ہیں دل میں حسرتیں — تاکہ ہر حسرت پہ ایک اک دل تو قرباں کیجئے

ننگ عریانی لباس فاخرہ ہو جائے گا — بندہ پرور روح کی زینت کا ساماں کیجئے

آپ تو پردا ہے اپنا اے جمال سرمدی
تجکو پنہاں کیجئے، جتنا نمایاں کیجئے

وہ ہے صرفِ رحم کا مستحق جسے پیس ڈالا زمانے نے
مگر اُس کو روئے خوب بنا جو غرور جاہ و حشم کرے

کس لئے کرتے ہو شرمندۂ تقصیر مجھے — کہ خطائیں ہیں مری آپ ہی تعزیر مجھے
چند سطریں جو نظر آتی ہیں یا بین جبیں — کوئی سمجھائے ان آیات کی تفسیر مجھے
میں کبھی روضۂ رضواں میں تھا گلچین جمال — آہ لے آئی کہاں گردش تقدیر مجھے
یوں دھڑکتا ہے مرا دل کہ وہ سن لیں یقیناً — ایک مدت سے نہیں حاجت تقریر مجھے
میری ہمت کبھی تقدیر کی قائل نہ ہوئی — کہ پسند آگئی ناکامی تدبیر مجھے
تپش دل جو بڑھی، ہوش کا پڑا اسرکا — بیخودی میں نظر آئی تری تصویر مجھے
نہ رہی زر کی ہوس اور نہ زمیں کی خواہش
مل گئی جب سے اثر عشق کی جاگیر مجھے

وہ لچک ایسی کہاں سے لائیگی — شاخ گل قد سے ترے شرمائیگی
آرزو جس دل میں جو رہ جائیگی — میرے مرقد کا نشاں بتلائیگی
عاصیوں پر لطف اتنا قہر ہے — انکی غفلت اور بڑھتی جائیگی

ہم سمجھتے تھے کہ اُلفت کھیل ہے　　یہ خبر کیا تھی لہو رُلوائیگی
کیوں زباں ہو آشنائے دردِ دل　　خود بخود اُن کو خبر ہو جائیگی
جھولیاں بھرتی ہے کیوں بادِ سحر　　پھول کس کی قبر پر برسائیگی
چھوڑ دیجئے مجکو میرے حال پر　　جو گزرنی ہے گزر ہی جائیگی

کہکے یہ وحشی اثرؔ نے جان دی
یہ قضا دیکھوں کہاں لے جائیگی

اُن سے بیتابی میں ہم کہنے کو سب کچھ کہہ گئے　　دل کے ٹکڑے ہو کے لیکن آنسوؤں میں بہ گئے
وہ غلط انداز نظریں کیا کہوں کیا کر گئیں　　چند شعلے دل میں بھڑکے اور دل میں رہ گئے

اے حسیں ہم واقفِ آدابِ محفل ہیں مگر
اسقدر پیار آگیا منہ تیرا تکتے رہ گئے

رنگینیِ خیال کی زینت کو دیکھتے　　جی چاہتا ہے آپ کی صورت کو دیکھتے
کیونکر ادا ہوا "ارنی" اے کلیمِ طور　　ہوتا ہے شک زبان کی لکنت کو دیکھتے
پھر بھی نہ آشنائیت نا آشنا ہوا　　اک عمر گزری رنگِ طبیعت کو دیکھتے
مانا خرامِ ناز بھی دلکش ہے اک ادا　　ہم تم کو دیکھتے کہ قیامت کو دیکھتے

اُکتا نہ جائے بادِ سحر کی جو چھیڑ سے ڈر ۔۔۔ پھولوں میں چھپ کے تیری نزاکت کو دیکھئے
کچھ لوگ میرے بعد چلے جانبِ عدم ۔۔۔ ہر ہر قدم پہ نقشِ محبت کو دیکھتے

حیرت سے دم بخود ہوئے سب چارہ گر اثرؔ
زخموں کو دیکھتے، مری صورت کو دیکھتے

نگہ مہرِ دلربا نہ ہوئی ۔۔۔ نہ ہوئی درد کی دوا نہ ہوئی
کہیں ٹوٹے بھی یہ طلسمِ سکوت ۔۔۔ کہ خموشی تری فسانہ ہوئی
میں اِدھر چپ ہوں وہ اُدھر چپ ہیں ۔۔۔ اک تماشا ہوا حیا نہ ہوئی
قابلِ رشک ہے وہ کشتۂ یاس ۔۔۔ جس سے قاتل کی التجا نہ ہوئی

اُس کی رحمت کو ناز ہو جس پر
تجھ سے ایسی اثرؔ خطا نہ ہوئی

تشنہ لب جاتا ہے ساقی کوئی میخانے سے ۔۔۔ شیشہ رو رو کے گلے ملتا ہے پیمانے سے
اب تغافل نہیں لازم نہیں دیوانے سے ۔۔۔ اُس کو اپنے بھی نظر آتے ہیں بیگانے سے
زاہد اُس سمت سے گزرا تو لگا پڑھنے درود ۔۔۔ لپٹیں پھولوں کی چلی آتی تھیں میخانے سے
کیف میں ڈوب کے رنگیں ترے جلوے دیکھوں ۔۔۔ کام شیشے سے ہے کچھ اور نہ پیمانے سے

زلف شبگوں کا تصور بھی جنوں افزا ہے — لپٹی جاتی ہیں بلائیں ترے دیوانے سے
کیف آنکھوں میں نہیں جب تو ہو کیا دل میں سرور — راہیں کعبے کی طرف مڑتی ہیں میخانے سے
ہاتھ قابو میں نہیں، تو ہی پلا دے ساقی — مے گلرنگ چھلکتے ہوئے پیمانے سے
قیس کے جذبۂ الفت کی لطافت کے نثار — پردہ محمل کا نہ اُٹھا کبھی دیوانے سے
شمع کے چہرۂ پُرنور پہ چھایا ہے غبار — سُوز دل چھپ سکا بزم میں پروانے سے
نوحہ خواں رہتے ہیں راتوں کو مری تربت پر — نیند آ جاتی تھی جنکو مرے افسانے سے

دل کی تقلید کئے جاؤ، نہ گھبراؤ اثرؔ
کام نکلے گا تمھارا اسی دیوانے سے

ہاں دعوئ یکتائی اُس شوخ کو زیبا ہے — سو بار جسے دیکھا پھر بھی نہیں دیکھا ہے
وہ مست خودآرائی خود محو تماشا ہے — جلوہ کہو جلوہ ہے، پردا کہو پردا ہے
اُلفت تری اُلفت ہے، سودا ترا سودا ہے — تو جان تمنّا ہے تو وجہ تمنّا ہے
اب ضعف کے ہاتھوں سے یہ حال ہمارا ہے — نالہ بھی گرہ بستہ سینے سے نکلتا ہے
کیا وصل کا حاصل ہے کچھ پوچھ نہ اے ہمدم — جب درد سا اُٹھتا تھا، اب درد سا رہتا ہے
کیا شوق کی باتوں کا اظہار ہوا مشکل — مطلب تو ہے کچھ، منھ سے کچھ اور نکلتا ہے

میں صید رمیدہ ہوں صحرائے محبت کا — ہر دم مرے سینے میں اک تیر کھٹکتا ہے
کیا حال ہو بے پردہ تجھ کو جو کبھی دیکھیں — جب حسن کے پردے میں عالم ترا شیدا ہے

جو درد سے واقف ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں
راحت میں تجھے کھویا تکلیف میں پایا ہے

کوئی اتنا نہیں کہہ دے جو اس بیدرد قاتل سے — کہ تیرے منتظر اب سانس بھی لیتے ہیں مشکل سے
ہر اک ذرہ تھا اس کا یادگار دیدۂ مجنوں — لپٹ کر رہ گئی تھی خاک جو لیلیٰ کے محمل سے
مجھے کچھ راستے کی مشکلیں ایسی پسند آئیں — کہ سو سو بار جا جا کر پلٹ آیا ہوں منزل سے
سفینہ غرق ہوتا ہے ادھر بحر محبت میں — ہوائے سرد اُدھر تڑپا رہی ہے آ کے ساحل سے
جنون عشق کی میں نے حدیں وحشت میں قائم کیں — ہوئیں منسوب میرے بعد وہ طوق و سلاسل سے
پڑی ہو پھوٹ جس گھر میں تو اُس گھر کا خدا حافظ — مرا دل منحرف مجھ سے ہے میں بیزار ہوں دل سے
تمنا لے کے آیا تھا، تمنا لے کے جاتا ہوں — خدا جانے ملا کیا دل کو اس تحصیل حاصل سے
کسی بیکس کی جب آواز گریہ کان میں آئی — صدا فریاد کی نکلی مرے ٹوٹے ہوئے دل سے
تحیر نے لگائی ہے زباں پر مہر خاموشی — کہا کیا راز پروانے نے جل کر شمع محفل سے
بہت دشوار ہے اُلفت میں سرگرم فنا ہونا — جب اک حسرت مٹی تو دوسری پیدا ہوئی دل سے

خدا پر چھوڑ دے اے ناخدا کشتی تلاطم میں　　فنا کوش محبت ہوں حذر لازم ہے ساحل سے

مے سرجوش باقی ہے نہ وہ مینوش باقی ہیں　　دلوں کے ساتھ رونق اُٹھ گئی دنیا کی محفل سے

مبارک اُن کو خوں آلودہ نالے دل جو رکھتے ہیں　　غریب شہرِ اُلفت ہوں مجھے کیا واسطہ دل سے

نہیں کچھ شمع و پروانہ پہ موقوف اے اثرؔ ہم بھی
جلے خاموش محفل میں، اُٹھے خاموش محفل سے

فراقِ جاناں میں یوں تڑپ کر ہوئی ہیں راتیں بسر ہماری
ہزار نشتر جگر میں ٹوٹے پلک بھی جھپکی اگر ہماری

کہاں یہ ممکن نظر وہ آئے، حجاب حائل ہیں کیسے کیسے
ہر ایک شے میں ہزار جلوے پھر اُس پہ طرہ نظر ہماری

مزا ہے جب عشق و عاشقی کا رہے نہ باقی نشاں دوئی کا
نگاہ بیگانہ وار اُٹھے اُدھر تمھاری، اِدھر ہماری

یہی تقاضا ہے شوق دل کا کہ دیکھ لیں تجکو تو ہے جیسا
نظر میں پیدا ہو جذب ایسا تری نظر ہو، نظر ہماری

یہی ہے ملنے کی اُسکے صورت نکالو دل سے خیال اپنا
کمال سمجھو زوال اپنا جو بات مانو اثرؔ ہماری

ازل میں جب ہوا عہد وفا اُس آفت جاں سے — جنوں نے مہر کی محضر پہ اک داغ فروزاں سے
ہوس تھی جن کو پھولوں کی محبت کے گلستاں سے — لپٹ کر رہ گئے ہیں خار حسرت اُنکے داماں سے
خیال پردہ داری جوشش وحشت میں بھی کب چھوٹا — چھپایا ہم نے اکثر چاک دل چاک گریباں سے
مجھے انساں بنایا اور درد دل دیا تو نے — زباں قاصر ہے تیری حمد سے بخشش سے احساں سے

صبا پیغام یہ لائی اثرؔ ہمراہ ہو لینا
روانہ بوے گل کا قافلہ جب ہو گلستاں سے

کیا ہوا تدبیر سے اور کیا کیا تقدیر نے؟ — خوب ہی دھوکے دئے اس دو رُخی تصویر نے
ناوک انداز آہ کا الزام بسمل کو نہ دے — تیری چٹکی میں ہے وہ قوت، صدا دی تیر نے
جسقدر تدبیر کے پہلو نظر آئے مجھے — کھدیا اُن کو اُلٹ کر کاتب تقدیر نے
کچھ محل میں نے تصور میں بنا کر ڈھا دئے — جب کیا بے چین دل کو خواہش تعمیر نے
حق و باطل کا سوال اب درمیاں سے اُٹھ گیا — ہونٹ سب کے سی دئے اک شوخ کی تقریر نے

زہد و طاعت فرض ہے جنکا انھیں پر چھوڑ دو
دامن رحمت کو تھاما ہے اثر تقصیر نے

تیغ عریاں بن گئی ہے زندگی میرے لئے ۔ موت کے پردے میں ہے پنہاں خوشی میرے لئے
رات اندھیری، سخت منزل، راستہ دور و دراز ۔ اے مرے اللہ تھوڑی روشنی میرے لئے
میرے ساقی نے مجھے اک جام ایسا دیدیا ۔ کم نہیں ہوتا ساغر زندگی میرے لئے
کیا مبارک ہے یہ عالم نزع کا، آئے ہیں وہ ۔ پھر مرتب ہو نظام زندگی میرے لئے
سب سے بیگانہ ہے تو، میں آپ سے بیگانہ ہوں ۔ اک معمّا ہے یہ تیری دوستی میرے لئے

میرا مزار رہ گیا اہل وفا میں یادگار
موت نے بدلا لباس زندگی میرے لئے

حشر اور اُسکے بعد کا ساماں کئے ہوئے ۔ بیٹھا ہوں دل کے داغ فروزاں کئے ہوئے
پھر منتظر ہے دل کسی یوسف جمال کا ۔ آنکھوں کو فرط شوق میں زنداں کئے ہوئے
نظارہ ہے اُمید تبسّم میں گل بکف ۔ دل کو فدائے جنبش مژگاں کئے ہوئے
پھر قتلگہ میں آئے ہیں کچھ مجرمان عشق ۔ سر کو بلند، سینے کو عریاں کئے ہوئے
تدبیر سوچتے رہے نہ التیام کی ۔ زخم جگر پہ سایۂ مژگاں کئے ہوئے

خلوت میں دل کی آیا بصد غمزہ و ادا — اک مست ناز پردۂ داماں کئے ہوئے

صحرا کوئی نہیں ہے ہمارے مذاق کا — بیٹھے ہیں اپنے گھر کو بیاباں کئے ہوئے

گرداب میں بلاؤں کے یا چشم خونچکاں — پنہاں ہر ایک قطرے میں طوفاں کئے ہوئے

ساقی کا منتظر ہے ہر اک رند بادہ خوار — شب کو طلوع مہر کا ساماں کئے ہوئے

آلودگی جامۂ احرام دھو گئی — پلٹے طواف کوچۂ جاناں کئے ہوئے

پھر شورش نگاہ سے ابھرے ہیں داغ عشق — دامان دل کو رشک گلستاں کئے ہوئے

پہنچے گا تیرے در پہ اثر ایکدن ضرور
آبادئ خیال کو ویراں کئے ہوئے

جو تمھاری آرزو کرنے لگے — آپ اپنی جستجو کرنے لگے

بول بالا ساقئ گلفام کا — پھول مجھ سے گفتگو کرنے لگے

میری مستی رستخیز اندازہ تھی — الاماں جام و سبو کرنے لگے

اسکی قدرت، اسکی رحمت کے نثار — بت سنا ہے گفتگو کرنے لگے!

جنکے ذمے تھا فریضہ عشق کا — خون سے اپنے وضو کرنے لگے

اسقدر انکی پرستش کی اثر — بت ہماری آرزو کرنے لگے

یہ سمجھوں عشق میں حاصل ہوا کمال مجھے　　محال جب نظر آنے لگے محال مجھے

فلک سے لیتا ہوں میں درس خانہ ویرانی　　کسی کی راہ میں ہونا ہے پائمال مجھے

یہ ابتدا ہے تو انجام کار کیا ہوگا　　وہ بے نیاز، نہیں عادت سوال مجھے

جو اتنی عشق میں گزری تو اس طرح گزری　　رہا وفا کا جفاؤں پہ احتمال مجھے

چراغ گور کبھی شمع بزم عشرت ہوں　　فریب دیتا ہے کیا کیا مرا خیال مجھے

مری طرف سے دم ذبح پھیر کر آنکھیں　　کسی نے کند چھری سے کیا حلال مجھے

سنبھالے دل کو آخر کس طرح وہ کشتۂ غم
جو منتیں کرے دل کی کہ تو سنبھال مجھے

یہ شور، یہ ہنگامے، یہ ماتم نہ رہینگے　　اس معرکۂ عشق میں جب ہم نہ رہینگے

اٹھ جائیں گی نظریں کبھی لڑ جائیں گی آنکھیں　　قاتل کے مقابل کبھی سر خم نہ رہینگے

صحرا کی ہمیں خاک اڑانا ہے گوارا　　گلشن میں مگر صورت شبنم نہ رہینگے

کہنے کو کہا تم نے، یقیں ہم کو بھی آیا
تم یاد کروگے ہمیں جب ہم نہ رہینگے

مجھے یاد آرہی ہے، مجھے خوں رُلا رہی ہے
مرے اضطرابِ دل پر وہ کسی کی بدگمانی

اُنھیں شوق اسقدر تھا کہ نہ سمجھے طورِ نالے
ارنی اگر کہیں گے تو سنیں گے لن ترانی

کہوں حالِ دل میں کیونکر جو سُنے تو کیوں سُنے وہ
اُسے نازِ بے نیازی، مجھے شغلِ ناتوانی

تم سے نہیں شکایت، دل ہی تھا میرا دشمن
بیداد کے طریقے جس نے تمھیں سکھائے

اتنا تو سوچ ظالم جور و جفا سے پہلے
یہ رسم دوستی کی دُنیا سے اُٹھ نہ جائے

زانو اثرؔ نے بدلا، وہ بولے "جائیے گا؟"
پائی سزا، گیا تھا محفل میں بے بُلائے

بیہوشیوں میں ایسا خبردار کون ہے
تیرا حریف اے نگہِ یار کون ہے

لذت فروشِ دیدۂ خونبار کون ہے
تم حسن ہو تو عشق جفاکار کون ہے

بیٹھا ہوں رہگزر میں لئے جنسِ عاشقی
اس سے غرض نہیں کہ خریدار کون ہے

اس بیقرار دل کو کوئی شغل چاہئے
اُمیدوارِ وعدۂ دیدار کون ہے

ظاہر پرست ہوش میں آ، ہوش ہے مجھے
محوِ جمالِ یار رہوں، سرشار کون ہے

پہلو میں جسکے دفن ہوں نشتر بجائے دل
اُس سے زیادہ صاحبِ آزار کون ہے

زاہد اُدھر کھڑے ہیں گنہگار اس طرف
بخشیں ترے کرم کا سزاوار کون ہے

معذور وہ نہیں جو کرے جبر اختیار
مجبور دل اگر ہے تو مختار کون ہے

بچھڑی کہیں اُمید کہیں حسرتیں چھٹیں
اے کاروانِ دل ترا سالار کون ہے

جسکی فغاں نے دورِ خزاں میں کھلائے گل
کیوں ہم قفس یہ تازہ گرفتار کون ہے

یادِ وطن بھی روٹھ گئی مدتیں ہوئیں
غربت میں اے اثر ترا غمخوار کون ہے

دل ہے اُس کا عکس ہے آنکھوں میں اُس کا نور ہے
بزمِ الفت جلوۂ جانانہ سے معمور ہے

دیدہ و دل بن گئے ہیں روئے زیبا کے حجاب
کچھ نہیں کھلتا کہ وہ نزدیک ہے یا دور ہے

کیا ہوئے کیوں اے ریائے زہد دار و رسن
ذرہ ذرہ کائنات عشق کا منصور ہے

ہم تو رازِ دہر کچھ اسکے سوا سمجھے نہیں
اک فسانہ عشق کا یا حسن کا مذکور ہے

پھر تمہیں فرصت نہ ہو یا میں ہی آپے میں نہ ہوں
یہ بتاتے جاؤ میرے حق میں کیا منظور ہے

التفاتِ اہلِ دنیا پر نہ اِتراؤ اثر
دوست بنکر دشمنی اس عہد کا دستور ہے

خرام ناز ہے تیرا جو محشر خیز رہنے دے　　مجھے نقش قدم پر اپنے سجدہ ریز رہنے دے
شہیدان وفا کا خون ہے اتنا تو کر قاتل　　حنا کے رنگ میں یہ رنگ بھی آمیز رہنے دے
موافق آ گئی اے دل ہوا صحرائے غربت کی　　نسیم کوئے جاناں ہے جو عنبر بیز رہنے دے
کشش ہے موت میں لذت اگر ہے زندگانی میں　　مزاج عشق قائم ہو گیا، پرہیز رہنے دے
ذرا تھم تھم کے ٹوٹیں بجلیاں دل پر تکلم کی　　ابھی لبہائے نازک کو تبسم ریز رہنے دے

شراب عیش سے کب اس طرح ساغر چھلکتا ہے
اثر پیمانۂ دل درد سے لبریز رہنے دے

بعید ہے یہ تری شان دلنوازی سے　　کہ درد دے کے نہیں کام چارہ سازی سے
ہر ایک داغ گنہ محشر ندامت ہے　　در قبول پہ توبہ کی سرفرازی سے
بنا بنا کے نہ مجکو بگاڑ او ظالم　　خدا کے واسطے باز آ زمانہ سازی سے
وہ بیخودی ہے کہ جس نے حدیں ملا دی ہیں　　جہان عشق کی دنیائے بے نیازی سے
نہیں حیات مگر اک نگاہ لطف تری　　نہیں ثبات مگر تیری عشوہ سازی سے
ہر اک قدم رہ الفت میں جز و منزل ہے　　نہیں ہے عشق حقیقی جدا مجازی سے
وہ طول شوق جسے انتظار کہتے ہیں　　مٹائے مٹ نہ سکا تیری بے نیازی سے

بتوں نے ٹیک دیں پیشانیاں زمیں پہ اثرؔ
طلوعِ مہر ہوا مشرقِ حجازی سے

ہجومِ یاس اُن کی بیوفائی یاد رہنے دے — یہی اک یادگارِ حسرتِ برباد رہنے دے
نہیں اک خندۂ گل سے زیادہ وقفۂ ہستی — تمناؤں کو اے دل نکہتِ برباد رہنے دے

ہم اُنتہائے شوق میں بھی سرگراں رہے — محرومِ التفات پئے امتحاں رہے
مشتاق آنکھیں گھیرے ہیں ہر سمت سے تجھے — اے مستِ ناز پھول چمن میں کہاں رہے
بے واسطہ جو آئے نظر لطفِ دید ہے — بے پردہ نگاہ بھی کیوں درمیاں رہے
میں حدِ اضطراب سکوں سے گزر گیا — اے جذبِ شوق اب یہی خوابِ گراں رہے
دل میں رہے تو درد کو پردا بنا دیا — آنکھوں میں جب رہے تو نظر سے نہاں رہے
پیشانیٔ نیاز نے آغوش میں لئے — کب آپ کے قدم کے زمیں پر نشاں رہے
اک چشمکِ بہار دکھا کر گزر گئے — یہ گل فریبِ زیست سے دامن کشاں رہے
وہ چند لمحے نزع کے تھے حاصلِ حیات — جن میں طلسمِ دہر کے ہم رازداں رہے
دَورِ خزاں کا خوف اُسے کچھ نہیں اثرؔ — جو موسمِ بہار میں بھی نوحہ خواں رہے

…درومندی جب ضبط پر نہیں ہے پھر کیوں فغاں کی رخصت اے فتنہ گر نہیں ہے

…ں کا اپنی خوف و خطر نہیں ہے تیری نظر سے بڑھ کر میری نظر نہیں ہے

…ر رہی ہے تاثیر کی تمنّا نالہ وگرنہ کس دن وقفِ اثر نہیں ہے

…واب کوئی آغوشِ آرزو میں لیکن جو منتظر تھے اُن کو خبر نہیں ہے

…ا جو تجھ سے رکھّے کوئی تمنّا آدابِ عاشقی سے وہ بہرہ ور نہیں ہے

…بر تھے جبتک مجکو خبر تھی اپنی اُن کو خبر ہوئی تو مجکو خبر نہیں ہے

زندانِ تن میں اکبار اے روح پھر پلٹ آ
کہتا ہے کوئی "سب ہیں لیکن اثر نہیں ہے"

…ل کیا بتاؤں آپ کو کیا کیجئے خود بھی رسوا ہو جئے، مجکو بھی رسوا کیجئے

…د پسندی میں ہے حیرت کی کمی آج گستاخانہ جاکر اُن سے شکوا کیجئے

…پر بہت صبحِ چمن کو ناز ہے ہاں ذرا پھر مسکرا کر مجھ سے پردا کیجئے

…نا قابلِ عرض اُنکو فرصت بھی نہیں بیٹھ کر خاموش خونِ صد تمنّا کیجئے

ناخدا نامہرباں، ساحل عدم سے ہمکنار
غرقِ گردابِ فنا دل کا سفینا کیجئے

دمِ آخر بھی جی بھر کے نہ دیکھی شکل قاتل کی — تڑپنے کیلئے درکار تھیں سب قوتیں دل

حیاتِ جاوداں کافی نہیں تکمیلِ اُلفت کو — خضر سے مشکلیں پوچھو دلِ آوارہ منزل

بیاضِ صبح پر لکھی شفق نے خون سے اپنے — وہ رنگیں داستانِ عشق جو تمہید تھی دل

حبابوں کی نمائش تھی، جسے میں بحر سمجھا تھا — بگولے چند رقصاں تھے، حقیقت تھی یہ ساحل

مجھے اے جذبِ دل تو جس طرف چاہے اُدھر لیجا — نہ میں محتاج رہبر کا نہ مجکو فکر منزل

نگاہِ قیس پیدا کر اگر سودائے اُلفت ہو — کہ لیلیٰ دل میں ہے اور دل ہے اک تصویر محمل

اُدھر قفلِ درِ زنداں، اُدھر تارِ نفس ٹوٹا — ہوئیں یوں ختم میعادیں اسیرانِ سلا

سُنائے وہ تمھیں افسانۂ بیداد ناکامی
اثر کو چین لینے دیں اگر بیتابیاں دل کی

کوئی اس گلشنِ ہستی میں کیا محوِ تماشا ہو — چٹکنے میں کلی کے نزع کا عالم نکل

جب تصور بنکے لیلیٰ قیس کے دل میں رہے — کیا تصور کے سوا آغوشِ محمل میں

یوں نمایاں ہے نقابِ رُخ سے حُسنِ دلفروز — پرتوِ خورشید جیسے ماہِ کامل میں ر

حلقۂ زنجیر سے اکثر ہوئے راز و نیاز — یاد ایامے کہ ہم قیدِ سلاسل میں ر

قتل ہے اک نیم جاں کا قتل ہے   یا الٰہی زدہ باقی دستِ قاتل میں رہے
باکیا آرزوئے دید باقی رہ گئی   گرکہ آنکھوں میں رہے تم یا مرے دل میں رہے
دوستِ تمنا رحم کر دُنیا ہے یہ   کچھ تو رنگِ بے ثباتی میری مشکل میں رہے
بزم انجم و گُل میں تھے جو جلوہ فروز   شوق تنہائی ہوا آئے مرے دل میں رہے

ڈوب کے تہ میں وہ موتی کیا نکالے گا اثرؔ
جو سراسیمہ خیالِ بحر و ساحل میں رہے

ت دن ناکامیوں سے کام ہے   زندگی یارب اسی کا نام ہے؟
ہیں وہ دُردی کش بزمِ ازل   کاسۂ خورشید میرا جام ہے
ردی نے مجکو پہنچایا وہاں   جسکے آگے بس خدا کا نام ہے
تکنے والے شب آخر ہوئی   دل کے خوں ہونے کا اب ہنگام ہے
ا اب تو ستم سے باز آ   بیگناہی موردِ الزام ہے
یں راحت سی راحت ہے نصیب   درد دل میں لب پہ تیرا نام ہے
ں میرے اُڑ گئے جب یہ سُنا   حشر میں دیدار اُنکا عام ہے
گی و نفس تیرے ہجر کا   مرگ تیرے وصل کا پیغام ہے

خدمتِ واعظ میں جاتے ہیں آخر
ہاتھ میں چھلکا ہوا اک جام ہے

داستانِ دلِ گم گشتہ بیاں ہوتی ہے   بیکسی روتی ہے حسرت نگراں ہوتی ہے
ہم بھی دیکھ آئے ترے کشتۂ ابرو کا مزار   جیسے آراستہ پھولوں کی دکاں ہوتی ہے
قدردانی ہے تری اے نگہ دزد فروش   ورنہ کب ٹوٹے ہوئے دل سے فغاں ہوتی ہے
رقص کرتا ہے ہر اک جذبۂ کامل دل میں   لیتے ہی نام ترا مست زباں ہوتی ہے
وہ تغافل نہ سہی لطف و مدارا ہی سہی   دلِ بیتاب کی تسکین کہاں ہوتی ہے
خوابِ نوشیں تھا جسے عہدِ جوانی سمجھے   آنکھ جب کھل گئی تعبیر بیاں ہوتی ہے

دل اِدھر اور اُدھر صبح کا تارا ڈوبا
لو طلوعِ سحر دردکشاں ہوتی ہے

یاس روتی کہیں سر پیٹتی حسرت ہوگی   عبرتِ دہر کا مرکز مری تربت ہوگی
توڑ دے تیر کو سینے میں کہ غم دوست ہوں میں   جسقدر درد بڑھے گا مجھے راحت ہوگی
خاک ہونے پہ جو رہ جائے گی حسرت دل میں   نازپروردۂ آغوشِ محبت ہوگی
میری آہوں میں تری زلف کا نقشہ ہوگا   میرے اشکوں میں تری چاند سی صورت ہوگی

نیند آنکھوں میں بھری ہوگی باندازِ خمار　　تیرے بیمار کی یہ نزع میں حالت ہوگی

اشک سیماب کے مانند تڑپتے ہونگے　　تیرے دامن میں مرے دل کی حقیقت ہوگی

داغِ دل چہرۂ خورشید کا غازہ ہونگے　　آہ سرمایۂ آشوبِ قیامت ہوگی

رنگ بنائے جہاں دیکھ کے حیرت ہے اثرؔ

سرزمیں کون ہے وہ جس میں مروت ہوگی

عدم سے منزلِ ہستی میں یوں ہم ناتواں آئے　　صبا کے ساتھ جیسے بوئے گل کا کارواں آئے

امام مسجد جامع، شبِ آدینہ، میخانہ　　کوئی پوچھے تو حضرت آپ رندوں میں کہاں آئے؟

گئے وہ دن کہ دل میں تیر کھانے کی تمنا تھی　　اب اس حسرت میں جیتے ہیں کہ مرگِ ناگہاں آئے

میں اپنا دردِ دل کہتا ہوں وہ منہ پھیر کے ہنستے ہیں　　خداوندا یہ کیسے دردِ دل کے قدرداں آئے

وہ بیگانہ تھا جس کو دردِ دل کا رازداں سمجھے　　وہ دیوانہ تھا ہم جس کو سنا کر داستاں آئے

وطن افسانہ تھا جب ہم اسیرانِ کہن چھوٹے　　چمن ویرانہ تھا جب ڈھونڈنے ہم آشیاں آئے

زباں کھلتے ہی اس کافر نے یہ کہہ کر زباں سی دی

اثرؔ اچھا نہ ہوگا اب جو شکوے درمیاں آئے

…اقی پہ اب وہ رندِ مے آشام آتا ہے ۔ کہ جس کی سمت از خود رقص کرتا جام آتا ہے

…دیت کا عالم ہے کسی سے بھی مخاطب ہوں ۔ زباں پہ بے تحاشا آپ ہی کا نام آتا ہے

…اری یاد میں جینا، تمھیں پہ جان دیدینا ۔ ہمیں کچھ کام آتا ہے تو اتنا کام آتا ہے

…بات مغاں کی تجھ سے عظمت کیا کہوں واعظ ۔ گدا کے بھیس میں خورشید لیکر جام آتا ہے

…ر حسن میں شاید یہی دستور ہے، یعنی ۔ جواب خط کے بدلے موت کا پیغام آتا ہے

…ں سر اور سودا تھا، وہی سر اور پتھر ہیں ۔ نہ جب آرام آتا تھا، نہ اب آرام آتا ہے

لٹاتا بادۂ مستی، دکھاتا جادۂ ہستی

مبارک ہو اثر وہ ساقیِ گلفام آتا ہے

خبط سودائے سبکباری ہے ۔ عقل اک دام گرفتاری ہے

تنگیٔ قبر، نکیرین، فشار ۔ آئیے وقت مددگاری ہے

کون بیٹھا ہے سرہانے میرے ۔ خواب یا عالم بیداری ہے

روز کچھ داغ نئے ملتے ہیں ۔ فیض اے عشق ترا جاری ہے

کہہ کے بے موت اثر کو مارا

آپ کو عشق کی بیماری ہے

اِس دہر میں فراز نہ کوئی نشیب ہے ! یہ امتیاز تیری نظر کا فریب ہے
کھینچے نہ یوں دلوں کو صدا عندلیب کی پردے میں ان گلوں کے کوئی جاں زیب ہے
رازِ طلسمِ زیست سمجھئے تو کس طرح اِک شوق ہے سو وہ بھی شکارِ فریب ہے
ہیں تہ میں انتظار کی سو زلزلے نہاں اک وہم ہے ثبات قرار و شکیب ہے

درپیش باز پُرس ہے کس راز کی اثرؔ
عشق نبرد پیشہ کے دل میں نہیب ہے

دلوں کو داغ ملے لذّتِ فغاں کے لئے بنائے درد ہوئی عیشِ جاوداں کے لئے
بتائیں کیا کہ عدم سے جہاں میں کیوں آئے نشانیوں کی ضرورت تھی بے نشاں کے لئے
جفا میں پہلوئے کیں تھا تمہیں نہیں زیبا یہ طرز رہنے دو بیدادِ آسماں کے لئے
ستم سے جب نہ ہوئی راہِ عشق میں لغزش بنا کرم کی ہوئی میرے امتحاں کے لئے
مٹائے جاتے ہیں اسلاف کے نشانِ قبور نکالی جاتی ہیں گنجائشیں مکاں کے لئے
کھٹک رہے تھے وہ تنکے بھی چشمِ گردوں میں ہوئے تھے جمع بمشکل جو آشیاں کے لئے
اجل نے گورِ غریباں کی سمت اشارہ کیا زمین ڈھونڈتا پھرتا تھا میں مکاں کے لئے
حدودِ مملکتِ دل بھی طے نہیں ہوتے خراب کیوں نہ پھریں تیرے آستاں کے لئے

اثرؔ ہے نام وطن لکھنؤ، عزیزؔ اُستاد
نکالتا ہوں نئے راستے زباں کے لئے

نزاکت پر یہ عالم ہے کہ بسمل ایک عالم ہے — کلائی میں جو کَس ہوتا تو یہ جلاد کیا کرتے؟!
غنیمت ہے نہ سمجھے مُدعاے بندگی ورنہ — خدا جانے یہ بُت حق میں مرے ارشاد کیا کرتے

باطل تمام دعوئ دیدار ہو گئے — دل سب کے اک نگاہ میں بیکار ہو گئے
ترتیب دے رہا تھا میں اجزاے عشق کی — آثارِ صبحِ حشر نمودار ہو گئے
اِک ناتواں کے قتل کی اللہ ری خوشی — گویا حیات و مرگ کے مختار ہو گئے
اب تو پلک نہ جھپکنے دے او بیقرارِ دل — ظاہر فلک پہ صبح کے آثار ہو گئے
اُن طائروں کی حسرتِ پرواز لاماہے — جو عین فصلِ گُل میں گرفتار ہو گئے
غنچہ تھا ناشگفتہ، دہن جسکو کہدیا — دو پھول تھے گلاب کے، رخسار ہو گئے
آنسو اُٹھا جو رکھے تھے بہرِ وداعِ دوست — صرفِ وداعِ حسرتِ دیدار ہو گئے
وارفتگانِ شوق کی ہے موت زندگی — جب آنکھ بند ہو گئی بیدار ہو گئے
کوئی حجاب جب نہ رہا اُف رے حجاب — مُوسیٰ کے ہوش پردۂ دیدار ہو گئے

ذرّے یہ خاک کے نہیں اک اک حسین ہے مٹّی کے رنگ جامۂ زرتار ہو گئے

آئینہ جب سے دہر کی حالت ہوئی اثر
ہم زندگی کے نام سے بیزار ہو گئے

کب مرے دل کا داغ جلتا ہے
گو ہر شب چراغ جلتا ہے

روز و شب دل کا داغ جلتا ہے
رات دن یہ چراغ جلتا ہے

خود بخود دل کا داغ جلتا ہے
بے جلائے چراغ جلتا ہے

آخری دل کا داغ جلتا ہے
گھر کا چشم و چراغ جلتا ہے

داغ دل آج لو نہیں دیتا
کچھ بجھا سا چراغ جلتا ہے

آہیں بھڑکا رہی ہیں شعلۂ عشق
آندھیوں میں چراغ جلتا ہے

بتکدے کی ہر ایک شے ہے حسیں
پھول ہے یا چراغ جلتا ہے

تیرے عارض کی چھوٹ کے آگے
مہر کا کب چراغ جلتا ہے

زلفیں بکھری ہوئی ہیں عارض پر
بدلیوں میں یہ چراغ جلتا ہے

شب غم آنکھ میں نہیں آنسو
ہر پلک پر چراغ جلتا ہے

آنچ دینے لگا شباب میں حسن
عکس رخ سے چراغ جلتا ہے

دل ہی روشن نہیں آثرؔ ورنہ
ہر نفس میں چراغ جلتا ہے

بیاں حقیقت عہد شباب ہوتی ہے — طلسم بندیٔ دنیائے خواب ہوتی ہے
نگہ جو رُخ سے ترے کامیاب ہوتی ہے — متاعِ ہستیٔ برق اضطراب ہوتی ہے
ستم سے دل کو ہوا ہے لگاؤ کچھ ایسا — نگاہِ مہر بھی چشمِ عتاب ہوتی ہے
وہ مدعائے تپش ہوں کہ بس تڑپنے میں — تسلیٔ دل خانہ خراب ہوتی ہے
وہ پھول اوس میں ڈوبے ہوئے وہ صبح بہار — کہ جیسے جام میں صہبائے ناب ہوتی ہے
طلب ہوا ہے سر حشر ایک دیوانہ — سُنو! حقیقتِ دل بے نقاب ہوتی ہے
نہ پوچھ چشمک ساقی کی کیفیت زاہد — رگوں میں خون کے بدلے شراب ہوتی ہے
دلوں کی خیر کہ اک عشوہ ساز کی شوخی — ستم فروش بطرزِ حجاب ہوتی ہے

جلائے سوزِ دروں نے آثرؔ کے قلب و جگر
بسی ہر اشک میں بوئے کباب ہوتی ہے

بے نیازی کی ادائیں ہوئیں کب سے ایجاد — حُسن کو پہلے ضرورت تھی پرستاروں کی

یوسف مصر کو رہنے دے زلیخا کا اسیر　　دل سے بہتر نہیں تیرے لئے زنداں کوئی

شوق میں مر گئے مرنے والے　　کیا سنورتا ہے سنورنے والے

فاتحہ سے مجھے محروم نہ رکھ　　میری تربت پہ گزرنے والے

بُت کو اللہ بنا کر چھوڑا　　کام کچھ کر گئے، کرنے والے

ورق گل کی طرح پارۂ دل　　نظر آتے ہیں بکھرنے والے

خلق افسانہ کہا کرتی ہے

دیکھ یوں مرتے ہیں مرنے والے

جسکو چاہا اُسکو چاہے جائینگے　　بے مروت سے نباہے جائینگے

دل سے ہیں مجبور ہم اُس بزم میں　　کوئی چاہے یا نہ چاہے جائینگے

آپ کو مرگ اثر کا ہے ملال

قبر پر بھی گاہے ماہے جائینگے؟

دل کو جولانگاہ غم پہلے بنانا چاہیئے　　پھر قدم راہ محبت میں اُٹھانا چاہیئے

ایک ہی پرواز میں طے کر گلستان شہود　　طائر جاں کو یہاں کب آشیانا چاہیئے

شکوہ سنجانِ ستم، نالے پپیہے کے سنے؟ یوں تڑپنے کیلئے دل پر چوٹ کھانا چاہیئے
گھٹ رہی ہے روح قیدِ تن میں گھبرائی ہوئی مجکو میعادِ اسیری تو بتانا چاہیئے
رات کا پچھلا پہر، فطرت کو غش آیا ہوا دل کے خوں ہونے کو وقت ایسا سہانا چاہیئے
ذرہ ہوں، لیکن وہ ذرہ جو کبھی خورشید تھا میرے مٹنے کیلئے بھی اک زمانا چاہیئے
زینہار اے رہروانِ منزلِ گم گشتگی اس طلسمِ دہر کا دھوکا نہ کھانا چاہیئے
ایک دل تھا، دے چکا، لاؤں کہاں سے اور دل روٹھنے والے تجھے کیونکر منانا چاہیئے
شور ہم میں عیب ہے اے نالہ پردازِ چمن سانس لینے میں کلیجا منھ کو آنا چاہیئے
ہائے وہ جینا کہ جس کا مدعا کوئی نہ ہو ہائے وہ مرنا کہ جس کو اک بہانا چاہیئے
خود ہمارے ہوش پردا، خود ہمارا دل حجاب عقل ہے حیران کیونکر تجکو پانا چاہیئے

داستانِ دل سنی اور ہنس کے کافر نے کہا
اپنی بیتی بھی اثرؔ اب کچھ سنانا چاہیئے

تو کرکے اُس نے اکدن جو مجھسے گفتگو کی پہروں سُنا کیا ہوں آوازِ تو ہی تو کی
حُسنِ ازل کا تیرے آئینہ بن گئی ہیں فطرت میں جذب ہوکر سب تجلیاں تو کی
جس سمت آنکھ اُٹھی تیرے نشاں تو دیکھے لیکن تجھے نہ پایا ہرچند جستجو کی

پوچھا۔ ہا ہوں کیا کیا غفلت شعاریوں پر کیوں تیری آرزو کی، اپنی نہ آرزو کی
ساقی تھا، بزم مے تھی، مہتاب تھا اُفق پر ساغر کی چشمکیں تھیں، بدمستیاں سبو کی
تھرائی شمع محفل، پروانے کانپ اُٹھے رندوں نے بیخودی میں جو ایکبار ہو کی
کیا کیا مہک رہے ہیں گلہائے داغ حرماں مہماں ہے شام فرقت دعوت ہے رنگ و بو کی
تھا اک چمن سراپا، شوریدہ سر تمہارا وہ جسم زار اُس کا وہ دھاریاں لہو کی
چاک دل اثر نے کب التیام پایا
پلکیں گڑو کے دیکھو باقی ہے چار رفو کی

کچھ اور بڑھا جو درد جگر کیا دیکھئے آفت لاتا ہے
یا غش پہ کبھی غش آتا تھا، یا ہوش نکل آتا ہے
میں آگ میں اپنی جلتا ہوں، میں آپ ہی اپنا شیدا ہوں
پروانے تو اپنے ہوش میں ہے؟ تو مجھکو عشق سکھاتا ہے!
ٹھنڈی سانسیں بھرتے بھرتے حالت یہ ہوئی دل کی جیسے
غنچہ کوئی کھلتے ہی کھلتے ڈالی میں مرجھا جاتا ہے

مانوس ہوئے مجھ وحشی سے کیا صرف غزالِ صحرائی
وادی میں مرے اکثر آ کر مجنوں بھی دل بہلاتا ہے
بیتابیٔ دل میں اک گونہ تسکین اثر ہو جاتی ہے
میں سینہ کوٹا کرتا ہوں جب سینے میں دم گھبراتا ہے

یوں جھلک اُٹھے ہر اک داغ چراغاں ہو جائے — تو اگر بزم فروز شب ہجراں ہو جائے
منھ چھپانا تھا، بہانے کی مگر شوخی دیکھ — زلف کا حسن یہی ہے کہ پریشاں ہو جائے
عکس رخسار سے بہتا ہوا دریا ٹھہرے — دیکھ کے نقش قدم آئینہ حیراں ہو جائے
وہ جو پنہاں رہے آنکھوں سے تو آنکھیں ڈھونڈیں — جلوہ دکھلائے تو نظارہ پریشاں ہو جائے
دل ہی لذت کش آزار نہیں ہے ورنہ — رو کش صبح وطن شام غریباں ہو جائے
اس طرح پوج بتوں کو کہ خدا یاد آئے — یہ صنمخانۂ دل مرکز ایماں ہو جائے
ہائے وہ کشتۂ حسرت جو نہ تڑپا دم ذبح — جسکو یہ ڈر تھا کہ قاتل نہ پریشاں ہو جائے
دل شکن طعنوں کا ایک آہ نہ ایک اشک جواب — اسقدر بھی نہ کوئی بے سر و ساماں ہو جائے
ساقیا دے مجھے وہ جام مے ہوش ربا — کہ یہ نیرنگ جہاں خواب پریشاں ہو جائے
سینہ چاکی کی ہوس پوچھے کوئی اُسکے دل سے — دست شل جس کا کہ پیوند گریباں ہو جائے

گرمیٔ شوق میں نظارے کی فرصت معلوم
نور آنکھوں کا اثر شمع شبستاں ہو جائے

یاد دلواؤں تجھے کیا میں وفائیں اپنی — یاد کر یار ستمگار جفائیں اپنی
شوق آرائش گیسو کا نتیجہ یہ ہے — آئینہ خانے میں لیتے ہیں بلائیں اپنی
اللہ اللہ وہ عالم شب تنہائی کا — خامشی پڑھ کے سناتی تھی صدائیں اپنی
آئینہ منتظر دید ہی رہ جائے گا — میری آنکھوں سے کبھی دیکھ ادائیں اپنی
جسم نازک پہ ترے دیکھ کے ملبوس بہار — پھر نہ بدلیں کبھی غنچوں نے قبائیں اپنی

تیری مرضی ہو جہاں بھیجدے اے داور حشر
مجھ سے دہرائی نہ جائیں گی خطائیں اپنی

آشنائے غم کیا نا آشنائی نے مجھے — مار ڈالا ان بتوں کی کج ادائی نے مجھے
آستاں تیرا نظر آیا جدھر اٹھی نگاہ — جب کیا بیتاب شوق جبہ سائی نے مجھے
باعث حیرت ہوئے ہیں جلوہائے رنگ رنگ — آئینہ دکھلا دیا دل کی صفائی نے مجھے
پیشوائی کے لیے نکلی نسیم کوئے دوست — کر دیا جب خاک سوز انتہائی نے مجھے
جسقدر تڑپا بڑھی صیاد کی دلبستگی — قید رکھا عمر بھر ذوق رہائی نے مجھے

ایک تیرے لطف کا اور ایک تیرے قہر کا　　یہ مہ و خورشید دکھلاتے ہیں آئینے مجھے

رہبری میں دل کی سمجھا عشق کو پایانِ زیست　　لاکھ بہکایا اصولِ ارتقائی نے مجھے

وہ سکونِ دل کہ جس کا ایک پرتو ہے بہشت　　دیدیا سب کچھ ترے در کی گدائی نے مجھے

خالی از معنی تھی گلشن میں صفیرِ عندلیب

ترجماں اپنا بنایا خوشنوائی نے مجھے

جب تغافل کی شکایت کیجئے　　کہتا ہے ترکِ محبت کیجئے

آخری شرطِ وفا پوری ہو　　رخصتِ مرگ عنایت کیجئے

تیغ رکتی ہے تو دم رکتا ہے　　کون کہتا ہے رعایت کیجئے

روٹھ جاتا ہے تو کب منتا ہے　　لاکھ سمجھائیے، منت کیجئے

کفر و اسلام کا جھگڑا کب تک　　مرشدِ عشق کی بیعت کیجئے

دھوئیے جان سے اب ہاتھ اثر

کیجئے اور محبت کیجئے

لطف کیا سینۂ بسمل سے جو تنہا نکلے　　تیر کے ساتھ ہی لازم ہے کہ دل بھی نکلے

تیرا دیدار میسر ہو جو مشتاقوں کو　　رقص کرتا ہوا آنکھوں سے نظر بھی نکلے

خانقاہوں میں جسے یاد کیا کرتے ہیں — کیا تماشا ہو بتِ آئینہ سیما نکلے
کوہ و صحرا میں جہاں بیٹھ کے میں رویا تھا — ان مقاموں سے سنا جاتا ہے دریا نکلے

ہنس کے کہتا ہے اثر سے کہ تمنا کم کر
یہ تو مشکل ہے کوئی تیری تمنا نکلے

ادا ہے یاد ترے مسکرا کے آنے کی — اور اس کے بعد وہ دامن چھڑا کے جانے کی
خبر یہ کیا تھی کہ راتوں کی نیند کھوئیں گی — وہ مست آنکھیں وہ فرمائش فسانے کی
یہ دل ہے واسطہ ما بینِ خالق و مخلوق — یہ دل کلید ہے عرفان کے خزانے کی
ہوائے کوچۂ قاتل سے دل تڑپتے ہیں — بندھی ہوئی ہے کچھ ایسی ہوا نشانے کی
بہشت و نار کے ٹکڑے لگائے جاتے ہیں — بڑھائی جاتی ہیں رنگینیاں فسانے کی
ادھر ہیں بجلیاں بیکار ادھر قفس خالی — سمجھ میں آئی ضرورت اب آشیانے کی
ہر ایک قطرۂ خونِ شہید بسمل ہے — بس انتہا ہوئی قاتل ترے نشانے کی
یہاں یہ راستہ بھولا ہے بارہا زاہد — وہیں سے راہ مڑی ہے شراب خانے کی

خطا نہیں ہے، نہ ہو، تو ہے مالکِ مختار
اثر کے قتل کو حاجت نہیں بہانے کی

دل زخم خوردہ کو تڑپانے والے — بڑے شوخ ہوتے ہیں شرمانے والے
یہ نقش وفا اور ابھر نہ سکے مٹ کر — مزار غریباں کو ٹھکرانے والے
ترس بھی کسی روز آتا ہے دیکھیں — سلامت رہیں دل کو کھا جانے والے
انھیں کی ہے دنیا، انھیں کا زمانہ — ستم ڈھائے جائیں ستم ڈھانے والے
سسکتے رہے جاں بلب کیسے کیسے — عیادت کو آتے رہے آنے والے
ادھر آ، کلیجے میں تجکو چھپا لوں — خود اپنی ادا دیکھ شرمانے والے
ارے دل نہ آنا فریبوں میں انکے — بڑے بے وفا ہیں قسم کھانے والے
ادھر دیکھتا جا، ادھر دیکھتا جا — ارے جانے والے ارے جانے والے
نہ تحقیق منزل نہ راہوں سے واقف — چلے جا رہے ہیں چلے جانے والے

اثر کو وہ خنجر سے دھمکا رہے ہیں
وہی! اپنے مارے سے ڈر جانے والے!!

اگر آئے آہ لب پر مرے قلب ناتواں سے — یہ فضائیں گونج اٹھیں ابھی شہ...
رہے جبتک اس جہاں میں، رہے ہم تو نیم جاں سے — کبھی اپنے دل کے ہاتھوں، کبھی...
نہیں شرط ابتدا کی، نہیں قید انتہا کی — ہے لطیف قصۂ غم اسے جتنا...

وہ نوائے درد ہوں میں کہ جو دل سے کھنچ کے نکلے — کبھی حسرتِ فغاں میں کبھی لذتِ فغاں سے

دلِ مضطرب کا عالم شبِ غم نہ پوچھ ہمدم — سرِ شام جیسے طائر کوئی چھوٹے آشیاں سے

جسے اپنی جستجو ہو، جسے اپنی آرزو ہو — وہ شکستِ تمنا تمھیں ڈھونڈے کس نشاں سے

اسی ڈر سے آنکھ بھر کے کبھی عشق بھر نہ دیکھا — مگر آہ اُس پہ بھی تم رہے ہم سے بدگماں سے

مری خاک کے جو ذرے کئے منتشر ہوا میں — بڑھے کس قدر ستارے، کوئی پوچھے آسماں سے

نہ گلوں میں دلکشی تھی نہ یہ بلبلوں کے نغمے — لیے مستعار ٹکڑے مرے دل کی داستاں سے

کبھی دل جگر کا رونا، کبھی حسرتوں کا ماتم — یہی امتحاں ہے اُن کا تو حذر رہے امتحاں سے

مری سجدہ ریزیوں سے جو ازل میں نقش اُبھرے — ہوئے منتقل جبیں میں ترے سنگِ آستاں سے

وہ اسیرِ رنگ و بو ہوں کہ اگر قفس میں پھڑکوں — تو بہار پھوٹ نکلے خس و خارِ آشیاں سے

اثر شکستہ دل کی یہ ہے شرحِ زندگانی
کبھی شغل سینہ کوبی، کبھی کام ہے فغاں سے

مجھکو گلہ ہے تو یہ، کاتبِ تقدیر سے — دور بہت جا پڑا منزلِ تدبیر سے

شاہدِ حسنِ ازل پردے سے باہر نکل — کھنچ گئے نقشے ہزار اک تری تصویر سے

کون یہ قیدی چھٹا، آتی رہی دیر تک — ایک صدائے حزیں خانۂ زنجیر سے

باتیں بناتا رہا، شوق بڑھاتا رہا   لے گیا دل بے وفا حیلہ و تدبیر سے
عشق کی شوریدگی اب بھی وہی ہے جو تھی   رنگ اُڑا ہی کیا قیس کی تصویر سے
قیدئ بے خانماں سُنکے رہائی کا حکم   روئے لپٹ کر بہت پاؤں کی زنجیر سے
ہم سے حقیقت سُنو ہستئ موہوم کی   خواب فسانہ ہوا کثرتِ تعبیر سے

پاس ہے دل کے جگر، ہوش میں آؤ اثرؔ
بے خبری اسقدر آہ کی تاثیر سے !

باغباں گلشن میں تیرے شکل کیا آرام کی   ہیں نشیمن میں مگر دہشت لگی ہے دام کی
کچھ نہ کچھ تو راستہ ہموار ہو جائے گا   ہمت اے رہرو کہ ہیں ناکامیاں بھی کام کی
میکدے کا ذرّہ ذرّہ رو کشِ خورشید ہے   گردشِ افلاک گردش ہے ہمارے جام کی
رہ نوردِ عشق ہوں منزل سے مجھکو کیا غرض   مل گئیں ہیں سرحدیں آغاز سے انجام کی
آج عالم اور ہے، تو اور ہے، ہم اور ہیں   مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اے دل شام کی
وہ شرابِ شوق جو خمخانۂ دل میں کھنچی ،   تر گیا جسکو ملی تلچھٹ بھی اسکے جام کی

کفر پر مائل ہوئی پھر طبع آزاد اثرؔ
دھجیاں بٹنے لگیں پھر جامۂ احرام کی

جب اُسکی آنکھ گل سے لڑگئی ہے — چمن میں لوٹ ہر سو پڑگئی ہے
یہ کہکے اُس نے پھر آنسو نہ پونچھے — مجھے رونے کی عادت پڑگئی ہے
نگہ پیہم کلیجے میں در آئی — چھُری اکثر چھری سے اڑگئی ہے
قیامت تھی قیامت ترچھی چتون — یہ پھانس آڑی جگر میں گڑگئی ہے
نگاہِ تند اُس کا ناز ادا کی
اثر کے قتل پر آج اڑگئی ہے

اب دل نہیں بزم ماتم ہے — اک حسرت مردہ کا غم ہے
قربان بہاریں ہوتی ہیں — کشتوں پہ تمھارے عالم ہے
جانے بھی دو ذکر درد جگر — ہاں اب بھی ہے لیکن کم کم ہے
رونے میں ہے میرے رسوائی — شبنم کی بھی آنکھ تو پرُنم ہے
ایسے میں اثر کو دیکھ آؤ
کہتے ہیں کہ آنکھوں میں دم ہے

یہ جس کی بنا ہے وہ ہے بقا میری — یہ ابتدا ہے تو کیا ہوگی انتہا میری
سنکے بعد وہ شرمائے اور بہت شرمائے — گدا سمجھ کے سُنا تو کئے صدا میری

تعلقات کی دُنیا عجیب دُنیا ہے — تری جفاؤں کا موجب ہوئی وفا میری
وفورِ شوق کی بیداد مختصر یہ ہے — تمام عمر بھٹکتی رہی دعا میری
خدا کے واسطے اب بھی ستم سے ہاتھ اُٹھا — کہیں لہو نہ رُلائے تجھے وفا میری
درِ قبول کھُلا اور کھُل کے بند ہوا — اثر کو ڈھونڈتی ہی رہ گئی دعا میری
زمین سخت، فلک دور، سنگدل وہ بُت — مجھی پہ ٹوٹ پڑی آہ نارسا میری
خیال کوئی تھا دل میں زباں سے کچھ نکلا — مری نگاہ سے خود گر گئی دعا میری

جو پوچھا قتل دو عالم سے کون مانع ہے
تو مسکرا کے اثر سے کہا "حیا میری"

اے چرخ، ستم تجھ پر ٹوٹے — کیسے کیسے ساتھی چھوٹے
عشق اب نہیں ہم میں حال ذرا — کبتک کوئی یوں چھاتی کوٹے
مشکل تھا سکونِ وحشتِ دل — اچھّے اچھّے نشتر ٹوٹے
سُن سب کی مگر کر اپنی سی — اب اس میں ہوں سچے یا جھوٹے
کوئی دیکھے تو کیا دیکھے — پردے اُٹھے، پردے چھوٹے
ہاں، ہاں اے صحرا کے کانٹو — دیکھو، دیکھو چھالے پھوٹے!

آڑی ترچھی تلوار چلے — بسمل ترا کچھ لذت لوٹے
نازک تھا بخیۂ چاک جگر — غنچے چٹکے، ٹانکے ٹوٹے
قسمت کی شکایت پھر کیسی — جب خضرِ دل منزل لوٹے
کتنے ہی تو دل توڑے تم نے — کچھ ایسے بھی تھے جو خود ٹوٹے

عیّار کہو، یا سادہ، اثرؔ
دل اُس نے بہرصورت لوٹے

دستِ ساقی سے وہ لبریز ملا جام مجھے — ڈھونڈتی پھرتی ہے خود گردشِ ایام مجھے
آہ تڑپائے گا کب تک دلِ ناکام مجھے — تیرے ہاتھوں کسی پہلو نہیں آرام مجھے
پھر کہاں میں کہاں گلشن کا نظارہ صیاد — اور رہنے دے ذرا دیر تہِ دام مجھے
عمر بھر خاک اِسی کوچے کی چھانی لیکن — پھر بھی آیا نہ نظر عشق کا انجام مجھے
پردے پردے میں چلا جاتا تھا اُلفت کا راز — کر دیا دیدۂ خونبار نے بدنام مجھے

تپشِ شوق بڑھی اور یہ ہیں کچھ تو اثرؔ
جینے دینے کی نہیں لذتِ پیغام مجھے

گلہائے شگفتہ مرے دامن میں بھرے ہیں　　رنگینیٔ دامانِ سحر دیکھنے والے

بتانِ سنگدل سے دل لگا کے　　ملا کیا تجکو او بندے خدا کے
خیالِ ضبطِ نالہ، پاسِ اُلفت　　مصیبت میں پڑا ہوں دل لگا کے

اگر خاموش رہتا ہوں تو دم گھٹتا ہے سینے میں ، اگر فریاد کرتا ہوں، کلیجا منہ کو آتا ہے
کبھی خاموش رہتا ہوں، کبھی فریاد کرتا ہوں　　الٰہی کس مصیبت میں محبت نے پھنسایا ہے

کیا وہ بھی زمانہ تھا، بیتاب جو میں ہوتا　　اک حرفِ تسلّی تم ارشاد کیا کرتے

پانا تھی جتنی داد محبّت کی پا چکے　　قصہ ہو پاک، موت کہیں جلد آچکے
موجودہ طرزِ دور بدلنا نہ اے فلک　　اب سیر کر رہے ہیں وہ بسمل بنا چکے

آج ساقی تری نگاہوں نے کچھ نہ کچھ جام میں ملایا ہے
مجکو اپنی خبر نہیں اے دوست ہائے کس وقت میں تو آیا ہے

ہے تصور کی بھی نرالی شان
جو ہے نادیدہ اُس کو پایا ہے

اس لیے دیکھتا ہوں تیری نگہ کی گردش ، دیکھنا ہے مجھے دُنیا کی حقیقت کیا ہے

کہہ رہی ہیں باغ میں کلیاں چٹک کر بار بار شاہد حُسن ازل پھولوں کے پیراہن میں ہے

تمھارا حسن، آرائش ۔ تمھاری سادگی زیور تمھیں کوئی ضرورت ہی نہیں بننے سنورنے کی

یوں گزرتے ہو کبھی گویا شناسائی نہ تھی دلنوازی کے وہ سب اگلے طریقے کیا ہوئے

جب زلف سیہ بکھرائے ہوئے لیلیٰ کی طرح شب آتی ہے
غنچے کی چٹک پھولوں کی مہک سے دل کی کلی کھل جاتی ہے

عبث دیر و حرم کا عزم ہے کیا تجکو سودا ہے
اثرؔ جس کی تمنّا ہے وہ تیرے دل میں رہتا ہے

حسرتیں دل کی مجھے رُو بھی چکیں دیر ہوئی
آپ اب پوچھتے ہیں تیری تمنّا کیا ہے

کس کی نگاہ لُطف نے روشن کیا دماغ
تفسیر لکھ رہا ہوں میں اپنے گناہ کی

غزلیات فارسی



حشر بر چہرہ کشد دامن ویرانۂ ما　　عرض وحشت چو دہد این دل دیوانۂ ما

پرس از محرمیاں، زہد چہ داند این راز　　کعبہ افراخت ہمیں کفر و صنمخانۂ ما

آں نگارے کہ دمید از خود و بر خود بالید　　کے دہد دست کہ گردد گل ویرانۂ ما

صنع یکتاش ہزار آئنہ بر جلوہ شکست　　کس ندیدست و نہ بیند رخ جانانۂ ما

شوخیش بیں کہ بدل انجمن آراست و برفت　　تا نگویند کہ اینست عزاخانۂ ما

وقت آں شد کہ گزشت از مے و مینا کارم　　خندہ بر جام زند گریۂ مستانۂ ما

خوش متاعے کہ ببازار جہاں شور فگند　　دل پُر آبلہ، یعنی دُرِ یکدانۂ ما

در رہِ شوق دویدیم و گزشتیم از خویش　　کیست بر ما بکشاید در کاشانۂ ما

شعلہ جستہ ز دل، جوہر آئینہ گداخت　　زخمہ بر ساز انا الحق زدہ دیوانۂ ما

ش اے جان حزیں، باش، کسے از رہِ لطف　　گوش بر لب بنہاد از پے افسانۂ ما

سر بپاے خم و ما ایم آثر عرش مسیر
چوں شود ترک ز ما مشرب رندانۂ ما

بیا کہ جاں بتمنائے یک نظر دارم / بیا کہ فرصت گلخندۂ شرر دارم

بیا کہ ناخن غم نقش صد بہار کشید / بیا کہ سینۂ گل جوش چوں سحر دارم

بیا کہ شور قیامت ہمہ زیادم رفت / بیا کہ آرزوے جلوۂ دگر دارم

چنانکہ نرگس مستانہ ات خرام کرد / بفیض بیخودی از خویشتن خبر دارم

مرا بہ رشک چہ کار است وہ چہ گفتار ست / جز ایں قدر کہ ترا از تو ہم نظر دارم

بعشوہ کہ مرا ہم ربودہ از من / مپرس از غم دوری کہ بیشتر دارم

فغاں کہ بر رخ زیبا نقاب جلوہ کشید / چو دیدہ ہم دل شوریدہ در نظر دارم

شکست رنگ تماشا چہ خوش تماشائیست / دل از ہوائے دو عالم چرا نہ بر دارم

مگر ز نار جہنم زبانہا دزدید / حذر نہ داغ فروزاں کہ در جگر دارم

بدستیاریٔ روح القدس کہ طبع من ست

بہ پارسی ہم **اثر** چند شعر تر دارم

خویش را از خویش بیروں کردہ ام / معنی بر صورت افزوں کردہ ام

بود صد تسنیم و کوثر در کنار / حسرتے کو را بدل خوں کردہ ام

در تپیدن لذتے دریافتن / عشق را ایں وضع قانوں کردہ ام

مستیٔ من از مقام دیگر ست　　میکشی از چشم میگوں کردہ ام
می چکد از خامہ ام لعل مذاب　　گو بسے شد ترک افسوں کردہ ام
حال است ایں شیوہ ہاے نو بنو　　فکرہا در صنع بیچوں کردہ ام
چوں اثر من ہم پے تکمیل شوق
عشق را بر عشق مفتوں کردہ ام

تبسمے کہ حیا بر لبت شتاب شکست
نظارہ چید و بر ویش صد آفتاب شکست

خندید و ندید سوے گلشن
پیمانۂ صد بہار بشکست